مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

بسم الله الرحمن الرحيم
حکایاتِ رومی

بنیادی عقیدہ

- اللہ ہمارا رب ہے۔
- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔
- قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور ہمارا مکمل ضابطہ حیات اور بے عیب کلام ہے۔
- انسان لغزشوں اور خطاؤں کا پُتلہ ہے۔ اس حیثیت سے بہر حال یہ امکان رہتا ہے کہ وہ لکھتے ہوئے پھسل جائے۔ دورانِ مطالعہ اگر آپ اشارۃً یا صراحتاً کسی بھی انداز میں ہمارے درج بالا بنیادی عقیدہ کو مجروح ہوتا ہوا پائیں تو اس کو ہماری ذاتی کمزوری مقصور کرتے ہوئے قلم زدّ کر دیجئے!
- ہم اپنی عزت، مقام اور جھوٹی انا کے مقابلہ میں ایمان کو بہر صورت ترجیح دُنیا مقدم جانیں گے۔

دُعا گو
ناشران

شاہد حمید۔ گگن شاہد۔ امر شاہد

بُک کارنر شوروم
بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم
Ph: +92 (544) 614977 - www.bookcorner.com.pk
Mob: 0323-5777931 - Mob: 0321-5440882

ہین سخن تازہ بگو تا دو جہان تازہ شود
وارہد از حد دو جہان بی حد و اندازہ شود

مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و معروف تصنیف ''مثنوی''
سے دِلچسپ اور نصیحت آموز حکایات کا حسین انتخاب......ایک نئے انداز میں!

حکایاتِ رُومی

مع درسِ حیات

مولانا جلالُ الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ

پسند فرمودہ:
قاری ذیشان نظامی

ترتیب وتدوین:
صوفی آصف محمود (ایم۔اے)

پکچرز سلیکشن:
گگن شاہد۔امر شاہد

ناشران:
بُک کارنر شوروم
بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ جہلم

HAKAYAT-E-RUMI

تزئین واہتمام	:	شاہد حمید
نام کتاب	:	حکایاتِ رُومی رحمۃ اللہ علیہ
تالیف	:	مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ
پسند فرمودہ	:	قاری ذیشان نظامی
ترتیب وتدوین	:	صوفی آصف محمود (ایم۔اے)
پکچرز سلیکشن	:	گگن شاہد۔امر شاہد
پروف ریِڈنگ	:	رفیق احمد ساقی، حافظ ناصر محمود
سرورق	:	ابو اِمامہ
کمپوزنگ وڈیزائننگ	:	زیر اہتمام بک کارنر جہلم
مطبع	:	زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

ناشران:

مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شاندار پورٹریٹ

جو قونیہ (ترکی) میں اُن کے مزار میں آویزاں ہے

سلطان علاؤالدین کیقباد سلجوقی نے مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کو قونیہ میں آنے کی دعوت دی تھی۔ جب 12 جنوری 1231ء کو مولانا کے والد حضرت بہاؤالدین ولید کا انتقال ہوا تو سلطان نے اپنا گلاب کا باغ ان کی تدفین کیلئے پیش کر دیا اور 1247ء میں ان کے مرقد پر ایک خوبصورت مزار تعمیر کر دیا گیا۔ جب مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے 17 دسمبر 1273ء کو وفات پائی تو انہیں بھی اسی مزار کے اندر اِن کے والدِ گرامی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

مولانا کے جانشین حسام الدین نے اس مزار پر گنبد تعمیر کرنے کا ارادہ کیا جو 1274ء میں امیر سلیمان سلجوقی کی بیگم گوہر خاتون اور امیر عالم دین قیصر کے مالی تعاون سے تکمیل پذیر ہوا۔ یہ گنبد چار ستونوں پر تعمیر ہوا جسے منقش پھولوں سے مزیّن کیا گیا۔ اس کا نقشہ ماہرِ تعمیرات بہرالدین تبریزی نے تیار کیا تھا۔ 1396ء میں گنبد کی مزید تزئین و آرائش کی گئی اور اِسے ایک میوزیم کا درجہ دے دیا گیا۔ جس تک صرف خواص کو رسائی حاصل تھی۔ عوام کیلئے یہ میوزیم پہلی مرتبہ 1927ء میں کھولا گیا۔ اس میوزیم میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا ذاتی اور متعلقہ کام نمایاں طور پر رکھا گیا۔ ازاں بعد اس میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ تصوف سے متعلقہ چیزیں، خطاطی کے نمونے، آلاتِ سماع، قالین اور غالیچے رکھے گئے۔ اس میوزیم میں شیشے کے ایک بکس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک کے مقدس بال بھی زیارت کیلئے رکھے گئے ہیں۔

''مولانا میوزیم'' قائم شدہ 1926ء دُنیا بھر کے ہزاروں افراد کی توجہ کا مرکز
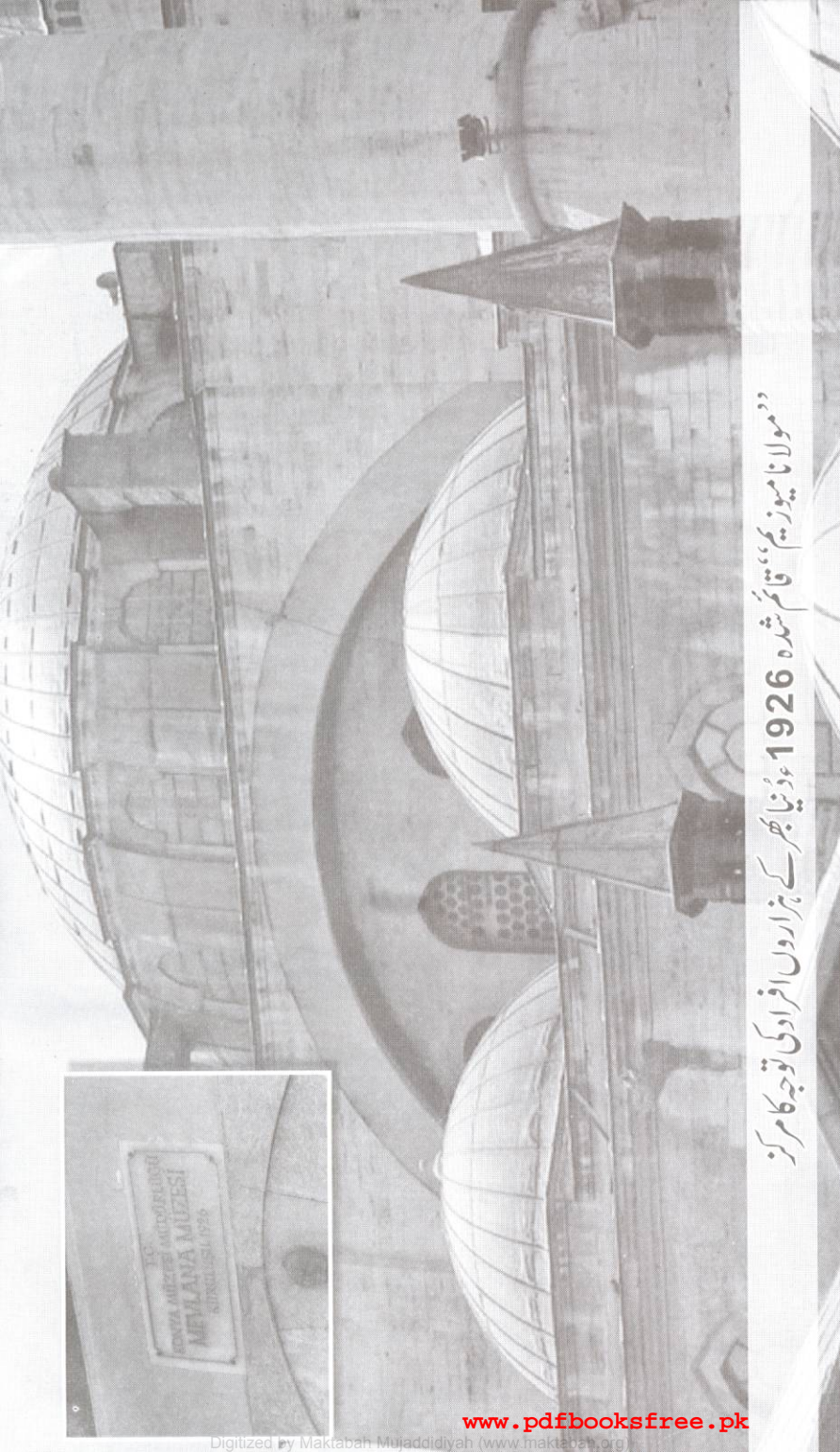
مولانا میوزیم کا داخلی دروازہ

حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کا عالیشان مقبرہ اور مولانا میوزیم کی عمارت کا شاندار منظر

مولانا میوزیم کے ساتھ بنایا گیا عالیشان مقبرے کا گرین ٹاور، جہاں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ مدفن ہیں

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کا اندرونی منظر

حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کا اندرونی منظر
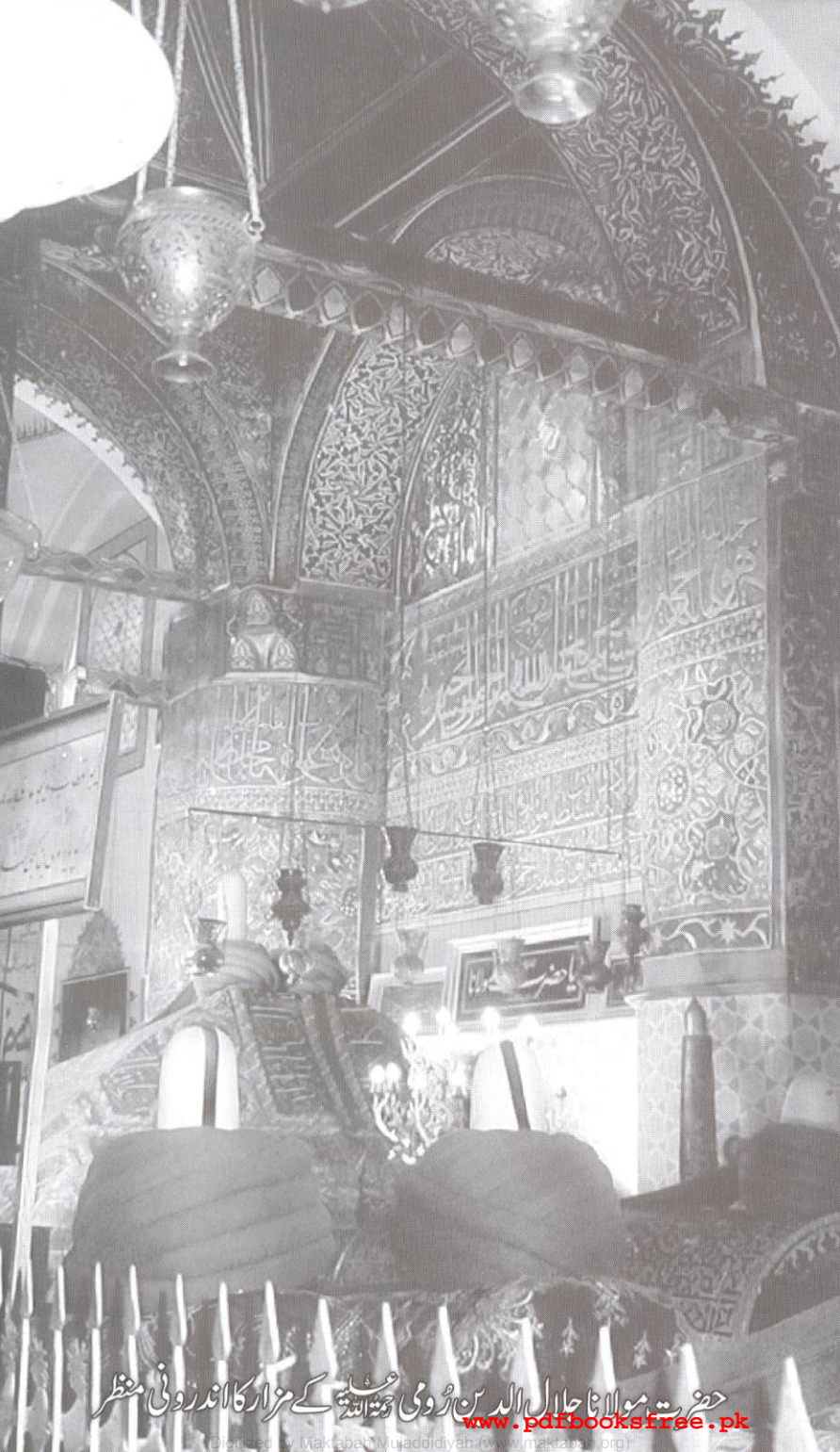
حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کا اندرونی منظر

مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کے احاطۂ مزار میں صوفی رقص کا ایک شاندار منظر

دُنیا بھر میں حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں بنائی گئی چند

ڈاک ٹکٹیں

ایرانی محکمہ ڈاک کا جاری
کیا جانے والا یادگاری ٹکٹ
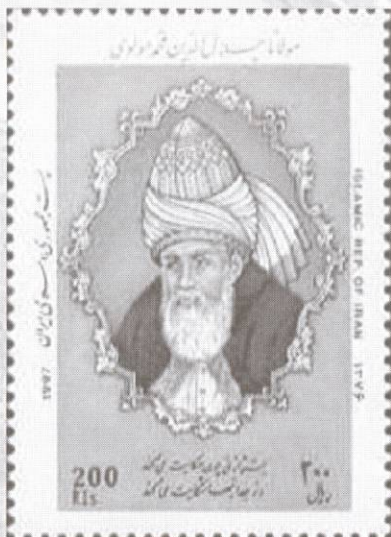
شام، ایران، ترکی اور افغانستان سے مشترکہ طور پر
جاری کیا جانے والا یادگاری ٹکٹ

افغانی محکمہ ڈاک کا جاری کیا جانے والا یادگاری ٹکٹ

ترکی کے کرنسی نوٹ جو حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ

کے اعزاز میں جاری کیئے گئے

''مولانا میوزیم'' کی دیواروں پر خطاطی کے شاندار نمونے

اقبال بحضور شمس و رُومی

(رحمہم اللہ)

مطرب غزلے، بیتے از مُرشدِ رُوم آور
تا غوطہ زنم جانم در آتشِ تبریزے

(پیامِ مشرق، اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

مطربا! کوئی غزل یا شعر پیرِ رُوم کا
تا میری جاں غوطہ زن ہو آتشِ تبریز میں

(ترجمہ: رفیق احمد ساقی)

اگرچہ زادۂ ہندم فروغِ چشمِ من است
زخاکِ پاکِ بخارا و کابل و تبریز

(پیامِ مشرق، اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

ہوا ہوں ہند میں لیکن مرا فروغِ نظر
سببِ خاکِ بخارا و کابل و تبریز

(ترجمہ: رفیق احمد ساقی)

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے رُوم و تبریز است

(زبورِ عجم۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

مجھی کو دیکھ لے گر قحط ہے ہندوستاں بھر میں
برہمن زاد ہو کر رازدانِ شمسؒ و رُومیؒ ہوں

(ترجمہ: رفیق احمد ساقی)

غلط نگر ہے تری چشمِ نیم باز اب تک!

ترا وجود ترے واسطے ہے راز اب تک!

ترا نیاز نہیں آشنائے ناز اب تک!

کہ ہے قیام سے خالی تری نماز اب تک!

گسستہ تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک!

کہ تو ہے نغمۂ رُومی سے بے نیاز اب تک!

(ضربِ کلیم، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

مولوی ہرگز نشد "مولائے رُوم"
تا غلامِ شمس تبریزؒ نشد
مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ
مولوی بنتا تھا کب مولائے رُومؒ
گر غلامِ شمسؒ نہ ہوتا کبھی
ترجمہ: رفیق احمد ساقی

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کھلے اور چھپے خدا سے ڈرنے کی......

کھانے، سونے، بولنے میں کمی کرو!

گناہوں سے دُور رہو!

شہوتوں کو ترک کرو!

قیامِ شب اور روزوں کا اہتمام کرو!

ہر طرح کے انسانوں کی جفاؤں کو برداشت کرو!

نادانوں اور عامیوں کی ہم نشینی چھوڑو!

نیکوں، بزرگوں کی صحبت اختیار کرو!

بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے......

بہترین کلام وہ ہے جو مختصر اور دلیل والا ہو......

ترک ہوا قوت پیغمبری ایست!

تمام تعریف و توصیف خدائے واحد کیلئے ہے......

اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام ہو......!!

وصایا

حضرت مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ

نہ اُٹھا پھر کوئی رُومیؒ عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گِلِ ایراں وہی تبریز ہے ساقی
(بالِ جبریل، اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

”بیٹا! کوشش میں لگا رہ!

مرتے دَم تک کوئی وقت ضرور آئے گا کہ عنایت خداوندی ہمراز ہو گی“۔
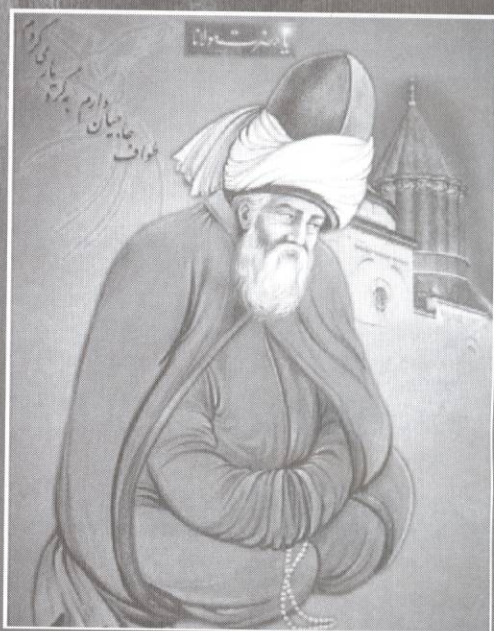
"ہستی کا آئینہ فنا ہے۔ فنا اختیار کر، تا کہ تُو ہستی کو دیکھ لے۔"

رُومیؒ

مثنوی معنوی

"مثنوی" رومی رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم شعری کارنامہ ہے۔ جو اُنھوں نے اپنی زندگی کے آخری برسوں میں مرتب کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ۵۴ تا ۵۷ سال (تقریباً ۱۲۵۸ء تا ۱۲۶۰ء) کے درمیان تھی۔ جب اس کا آغاز کیا اور اپنی وفات ۱۲۷۳ء تک اس کے اشعار جاری رکھے (اور آخری حکایت نامکمل رہی)۔ یہ صوفیانہ حکایات اخلاقی تعلیمات اور عارفانہ مکاشفات کا ملخص ہے۔ اس میں قرآنی مفاہیم وحوالہ جات بڑی وسعت اور گہرائی سے سموئے ہوئے ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ خود مثنوی کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وَهُوَ اُصُوْلُ اُصُوْلِ اُصُوْلِ الدِّيْنِ... وَكَشَّافُ الْقُرْاٰنِ"۔

(مثنوی، دفتر اوّل، دیباچہ)

"مثنوی شریف" کی خطاطی کا نمونہ
مزارِ رومی، قونیہ، ترکی
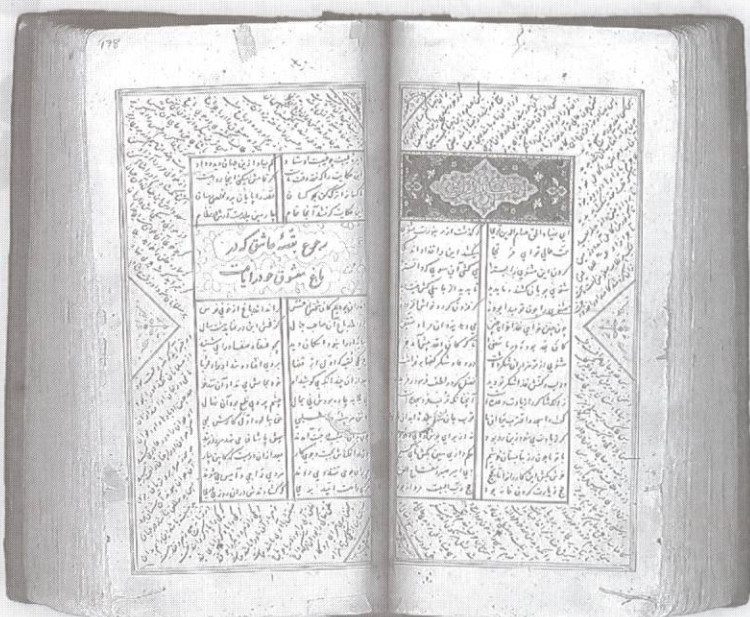
جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ، مثنوی معنوی، ایران، ۱۴۷۹ء

حسین ابن شیخ علی کا خطِ نستعلیق اور خطِ نسخ میں کاغذ پر لکھا ہوا مسودہ بزبانِ فارسی، شیراز، ۱۴۷۹ء۔ ۳۵۸ صفحات (مکمل) ۲۲×۱۱سَم، دوکالمی (۱۸×۹سَم)، ۱۹ سطریں جن پر حواشی میں لکھی گئی ۳۹ سطریں مستزاد، کالموں کی درمیانی تقسیم والی اور حواشی کی اندرونی اور بیرونی لائنیں طلائی، عنوانات اور گوشوں میں لکھی گئی ذیلی سرخیاں طلائی جبکہ کنارے سحابی یا پھر سبز اور نیلے پھولدار بیل بوٹوں میں سنہری سطح پر سفید لکھائی میں، دیباچہ سفید سحابی سطح پر سنہری خطِ نستعلیق میں جس کے حواشی طلاءاور رنگوں سے مزین، بے شمار نقوشِ ملکیت اور ۱۷ ثبت شدہ مہریں جن میں چند امپیریل مغل لائبریری کی۔

حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر کردہ "دیوانِ شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ" کے قدیم نسخے کا ایک عکس جس کی پہلی دفعہ منتخب غزلیات مع اُردو ترجمہ کے "بک کارنر شورُوم جہلم" نے شائع کیں!

"اے انسان! ہر راز کسی نہ کسی وقت ظاہر ہو کر رہتا ہے اس لئے بدی کا
بیج نہ بو کیونکہ وہ ضرور اُگے گا"۔
رومیؒ

مولوی

"اے رُوح!

تم بہت زیادہ مضطرب رہتی ہو

تم نے اپنی قوت دیکھ لی ہے

تم نے اپنی دِلکشی دیکھ لی ہے

تم نے اپنے سنہری پَر دیکھ لئے ہیں

کون سی کمی ہے

جس کیلئے تم پریشان ہو

تم صداقت کی کلی ہو

تم رُوح کی رُوح کی رُوح ہو!"

رُومی

''نیکی اور بدی کے تصور سے نکل کر اگلے مقام تک آ جاؤ!

میں تمہیں وہیں ملوں گا''

رومیؒ

فہرست

حکایاتِ رُومی

تعارف

حضرت مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

از محمد اختر عفا اللہ عنہ

قصۂ مولانا رُوم کا سنو!
درس دیتے تھے کبھی یہ دوستو!

بے خبر از حالِ ملکِ نیم شب
علمِ ظاہر سے شغف تھا روز و شب

درس ان کا شہرۂ آفاق تھا
اہلِ باطن سے تعلق شاق تھا

علم کا پندار اہلِ علم کو تھا
رکھتا ہے محروم حق سے دوستو!

علم کا حاصل ہے بس عشقِ خدا
آہ سب دھوکہ ہے بس اسکے سوا

فضل لیکن جس پہ ہو اللہ کا
اِک نہ اِک دِن ہو گا وہ اللہ کا

مولوی رُومی پہ تھا فضلِ خدا
غیب سے امداد کا ساماں ہوا

کام سب کا فضل سے ہوتا ہے آہ
بے کرم کچھ بھی نہیں ہوتا ہے آہ

گر نہ ہو بر بندگاں فضلِ نہاں
کوئی جاں واصل ہو کب تا شاہِ جاں

غیب سے سامان رُومی کا ہوا
شمس تبریزی نے کی حق سے دُعا

اے خدا جو آگ میرے دِل میں ہے　　جو تڑپ اس نیم جاں بسمل میں ہے
آتشِ حق جو مرے سینہ میں ہے　　از عطا جو کچھ بھی گنجینہ میں ہے
اے خدا ملتا کوئی بندہ مجھے　　جو صحیح معنوں میں ہو لائق ترے
عشقِ حق سے اس کا سینہ پُر کروں　　اور صدف کو اس کے میں پرُدر کروں
میری آتش کا تحمّل جو کرے　　کوئی بندہ مجھ کو اب ایسا ملے
میری نسبت میں جو سوزِ عشق ہے　　دِل میں گویا کوہِ طورِ عشق ہے
وقت رُخصت کا ہے اب میرا قریب　　کس کو سونپوں یہ امانت اے حبیب
پس اچانک غیب سے آئی صدا　　شمس تبریزی! تُو فوراً رُوم جا
مولوی رُومی کو کر مولائے روم　　اس کو کر فارغ تو از غوغائے رُوم
الغرضِ از حکمِ غیبی شمسِ حق　　رُوم کی جانب چلا از امرِ حق
مولوی رُومی پہ ڈالی کیا نظر　　گر پڑے بے ہوش رُومی راہ پر
علم و فن کا جبہ نذرِ جام ہے　　کامراں ہونے کو تشنہ کام ہے
اِک زمانہ مولوی رُومی کا تھا　　صد وقار و شوکت و شاہی کا تھا
ایک عزت نسبتِ خوارَزمُ شاہ　　دوسری صد علم و فن سے ناز و جاہ
جب کہیں ان کا سفر ہوتا کبھی　　آتی فوراً خاص شاہی پالکی
لشکر و خدام و شاگرداں سبھی　　احتراماً ساتھ ہو لیتے سبھی
دست بوسی پائے بوسی کا ہجوم　　ہر طرف سے بس مچی ہوتی تھی دھوم
آج رُومی گر گیا غش کھا کے آہ　　مولوی رُومی ہوئے سردارِ راہ
پیر رُومی ہوش میں جب آ گئے　　شمس تبریزی کے پیچھے چل پڑے
شیخ کا بستر لئے سر پر چلے　　عشق کی ذِلت سے سودا کر چلے
عشق کب رکھتا ہے فانی سلطنت　　خاک میں ملتی ہے فانی تمکنت

عشق کی عزت ہے عزت دائمی
عشق کی لذت ہے لذت سرمدی

الغرض رُومی جلال الدین پر
شمس دیں کا ہو گیا پورا اثر

شمس تبریزی نے نسبت آتشیں
سینۂ رُومی میں بھر دی بالیقیں

پیر کے ہاتھوں سے جو نعمت ملی
مثنوی ہے صد تشکر سے بھری

شمس نے رُومی کو کیا سے کیا کِیا
صحبتِ پاکاں عجب ہے کیمیا

شیخ تبریزی کا یہ فیضِ عظیم
رقص میں دستار ہے بے خوف و بیم

پیرِ رُومی پر ہوا ایسا اثر
مثنوی میں کہہ گئے وہ بے خطر

شمس تبریزی کو نورِ مطلق است
آفتاب است و زا نوارِ حق است

من نجویم زیں سپس راہِ اثیر
پیر جویم پیر جویم پیر پیر

مثنوی میں آگ تبریزی ہے آہ
دِل ہے تبریزی زباں رُومی ہے آہ

کیا ملا رُومی کو تبریزی سے آہ
اس کو پوچھا چاہئے رُومی سے آہ

لیک میں کہتا ہوں کہ اے دوستو!
مثنوی میں اِس کو خود تم دیکھ لو!

مختصر تعارف

حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش اور نام ونسب:

محمد جلال الدین رُومی (پیدائش: 1207ء۔ انتقال: 1273ء) مشہور فارسی شاعر تھے۔ اصل نام جلال الدین تھا لیکن مولانا رُومی کے نام سے مشہور ہوئے۔ جواہر مضیئہ میں سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے: ''محمد بن محمد بن محمد بن حسین بن احمد بن قاسم بن مسیّب بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق''۔ اس روایت سے حسین بلخی مولانا کے پرداد ہوتے ہیں لیکن سپہ سالار نے انہیں دادا لکھا ہے اور یہی روایت صحیح ہے۔ کیونکہ وہ سلجوقی سلطان کے کہنے پر اناطولیہ چلے گئے تھے جو اس زمانے میں رُوم کہلاتا تھا۔ ان کے والد بہاؤالدین بڑے صاحب علم وفضل بزرگ تھے۔ ان کا وطن بلخ تھا اور یہیں مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ 1207 عیسوی بمطابق 604 ہجری میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم:

ابتدائی تعلیم کے مراحل شیخ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ نے طے کرادیئے اور پھر اپنے مرید سیّد برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ کو جو اپنے زمانے کے فاضل علماء میں شمار کئے جاتے تھے مولانا کا

معلم اور اتالیق بنا دیا۔ اکثر علوم مولانا کو انہی سے حاصل ہوئے۔ اپنے والد کی حیات تک ان ہی کی خدمت میں رہے۔ والد کے انتقال کے بعد 639ھ میں شام کا قصد کیا۔ ابتدا میں حلب کے مدرسہ حلاویہ میں رہ کر مولانا کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

علم و فضل:

مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دَور کے اکابر علماء میں سے تھے۔ فقہ اور مذاہب کے بہت بڑے عالم تھے، لیکن آپ کی شہرت بطور ایک صوفی شاعر کے ہوئی۔ دیگر علوم میں بھی آپ کو پوری دستگاہ حاصل تھی۔ دورانِ طالب علمی ہی پیچیدہ مسائل میں علمائے وقت مولانا کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ کے پیرومرشد تھے۔ مولانا کی شہرت سن کر سلجوقی سلطان نے انہیں اپنے پاس بلوایا۔ مولانا نے درخواست قبول کی اور قونیہ چلے گئے۔

اولاد:

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دو فرزند تھے۔ علاؤالدین محمد، سلطان ولد۔ علاؤالدین محمد کا نام صرف اس کارنامے سے زندہ ہے کہ اُنہوں نے حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کیا تھا۔ سلطان ولد جو فرزند اکبر تھے، خلف الرشید تھے، گو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت کے آگے ان کا نام روشن نہ ہو سکا لیکن علوم ظاہری و باطنی میں وہ یگانۂ روزگار تھے۔ مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات میں سے خاص قابل ذکر ایک مثنوی ہے، جس میں اُن کے حالات اور واردات لکھے ہیں اور اس لحاظ سے وہ گویا مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح عمری ہے۔

سلسلہ باطنی:

مولانا کا سلسلہ اب تک قائم ہے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ ان کے فرقے کے لوگ جلالیہ کہلاتے ہیں۔ چونکہ مولانا کا لقب جلال الدین تھا اس لئے ان کے انتساب کی وجہ سے یہ نام مشہور ہوا ہوگا، لیکن آج کل ایشیائے کوچک، شام، مصر اور

قسطنطنیہ میں اس فرقے کو لوگ ''مولویہ'' کہتے ہیں۔ یہ لوگ نمدہ کی ٹوپی پہنتے ہیں جس میں جوڑ یا درز نہیں ہوتی، مشائخ اس ٹوپی پر عمامہ باندھتے ہیں۔ خرقہ یا کرتہ کی بجائے ایک چنٹ دار پاجامہ ہوتا ہے۔ ذکر و شغل کا یہ طریقہ ہے کہ حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں۔ ایک شخص کھڑا ہو کر ایک ہاتھ سینے پر اور ایک ہاتھ پھیلائے ہوئے رقص شروع کرتا ہے۔ رقص میں آگے پیچھے بڑھنا یا ہٹنا نہیں ہوتا بلکہ ایک جگہ جم کر متصل چکر لگاتے ہیں۔ سماع کے وقت دَف اور نَے بھی بجاتے ہیں۔

وفات:

بقیہ زندگی وہیں گزار کر 1273ء بمطابق 672ھ میں انتقال کر گئے۔ قونیہ میں ان کا مزار آج بھی عقیدت مندوں کا مرکز ہے۔

مثنوی رُومی:

ان کی سب سے مشہور تصنیف ''مثنوی مولانا رُوم'' ہے۔ اس کے علاوہ ان کی ایک مشہور کتاب ''فیہ مافیہ'' بھی ہے۔

باقی ایں گفتہ آیدے زباں
درد دِل ہر کس کہ دارد نورجان

ترجمہ: ''جس شخص کی جان میں نور ہوگا اس مثنوی کا بقیہ حصہ اس کے دِل میں خود بخود اُتر جائے گا''۔

اقبال اور رُومی:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا رُوحانی پیر مانتے تھے۔ کشف اور وجدان کے ذریعے ادراک حقیقت کے بعد صوفی صحیح معنوں میں عاشق ہو جاتا ہے کہ بہ

رغبت تمام محبوب حقیقی کے تمام احکام کی پیروی کرتا ہے۔رُومی نے جوہر عشق کی تعریف اور اس کی ماہیت کی طرف معنی خیز اشارے کئے ہیں،صوفی کی ذہنی تکمیل کا مقام کیا ہے اس کے متعلق دوشعر نہایت دِل نشیں ہیں۔

آدمی دید است باقی پوست است
دید آں باشد که دید دوست است
جمله تن را در گداز اندر بصر
در نظر رو در نظر رو در نظر

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یوں تشریح کی ہے:

خرد کے پاس خیر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

ان کے 800ویں جشن پیدائش پر ترکی کی درخواست پر اقوام متحدہ کے ادارہ برائے تعلیم،ثقافت وسائنس یونیسکو نے 2007ءکو بین الاقوامی سال رُومی قرار دیا۔

بحوالہ:وِکی پیڈیا(انٹرنیٹ انسائیکلوپیڈیا)

http://en.wikipedia.org/wiki/Jalal_ad-Din_Muhammad_Rumi

صاحبِ مثنوی

نام محمد جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ اور شہرت مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ کے عنوان سے ہوئی۔ آپ کے نسب کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔آپ کے والد اور دادا جان کا نام بھی محمد تھا۔آپ کے والد کا لقب بہاوالدین اور وطن بلخ تھا۔آپ کے والد محترم صاحبِ علم اور پورے خراسان میں مرجع خلائق تھے۔بعض وجوہات کی بنا پر آپ کے والدِ محترم ۶۱۰ ہجری میں ترکِ وطن کر کے نیشا پور چلے گئے۔وہاں خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس وقت تقریباً 6 برس کے تھے۔آپ پر بچپن ہی سے سعادت مندی کے آثار نمایاں تھے۔

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر آپ کے والدِ محترم سے فرمایا ان صاحبزادے کے جوہرِ قابل سے غفلت نہ برتئے گا۔پھر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی اسرارنامہ مولانا کو پڑھنے کے لئے عنایت کی۔مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۶۰۴ ہجری بمقام بلخ میں ہوئی۔تعلیم کے ابتدائی مراحل والدِ محترم رحمۃ اللہ علیہ نے ہی طے کرا دیئے۔پھر محققِ دین وملت سید برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا کا اتالیق بنا دیا گیا۔مولانا نے اکثر علوم وفنون انہی سے حاصل کیے۔والدِ محترم کے انتقال کے بعد ۶۲۹ ہجری میں مولانا روم حلب اور

دمشق روانہ ہوگئے...... جو اس زمانے میں ہر قسم کے علوم وفنون کے مراکز تھے مولانا وہاں کئی برس تک علم حاصل کرتے رہے۔

یہاں تک کہ قرآن وحدیث، تفسیر، منطق، فلسفہ اور دوسرے تمام علوم میں درجۂ کمال تک پہنچ گئے۔ تکمیلِ علوم کے بعد مولانا وطن واپس تشریف لائے۔ اپنے استاذی المکرّم سید برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے مولانا کو سینے سے لگایا اور پھر نو (۹) برس تک ان کو طریقت اور سلوک کی تعلیم دیتے رہے۔ والدِ محترم کے انتقال کے بعد مولانا نے اپنا روحانی تعلق سید برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ سے کرلیا۔ اس دور میں مولانا پر ظاہری علوم کا غلبہ تھا۔ آپ اپنے دَور کے اکابر علماء میں سے تھے۔ فقہ اور مذاہب کے بہت بڑے عالم تھے۔ دیگر علوم میں بھی مولانا کو پوری دسترس حاصل تھی سماع سے پرہیز کرتے تھے۔

درس وتدریس اور فتویٰ نویسی میں مشغول رہتے تھے۔ جبکہ مولانا کو تو درسِ عشق ومعرفت کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ ان کے قلب میں آتشِ عشق ودیعت فرمائی گئی تھی عاشقوں کا ''درس'' تو ذکرِ محبوب ہوتا ہے۔

درس شاں آشوب و چرخ و زلزلہ
نے زیادات است و باب و سلسلہ

عاشقوں کا درس محبوبِ حقیقی کی یاد میں گریہ وزاری اور وجد ورقص ہے نہ کہ کتب معقولات کا پڑھانا۔

آں طرف گو عشق می افزود درد
بوحنیفہ شافعی درسے نہ کرد

فقہ شریعت مقدسہ کے لئے جس طرح حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پیدا کئے گئے ہیں اسی طرح فقہ طریق عشق کے لئے حق تعالیٰ نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا فرمایا۔

مولانا روم جس درس کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔ ان کا غیب سے سامان شروع ہو گیا۔

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ میں عشق و معرفت کا جو سمندر موجزن تھا وہ اپنے جواہرات باہر بکھیرنے کیلئے زبانِ عشق کا متلاشی تھا۔ آپ نے دُعا کی:

"اے خدایا! اپنی محبت کا جو خزانہ تو نے میرے سینے میں رکھا ہے......
کوئی ایسا بندۂ خاص عطا فرما جس کے سینے میں میں اس امانت کو منتقل کر دوں اور وہ بندہ زبانِ عشق سے میرے اسرارِ مخفیہ کو قرآن وحدیث کے انوار میں بیان کرے اللہ عزوجل کی بارگاہِ اقدس میں دُعا قبول ہوگئی۔"

حکم ہوا ملکِ روم روانہ ہو جاؤ۔ اس کام کے لئے جس کو ہم نے منتخب کرلیا ہے وہ تمہیں وہاں مل جائے گا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے متعلق مختلف کتابوں میں مختلف واقعات پر قلم کشائی کی گئی ہے۔

جواہر مضیئہ کے بیان کے مطابق تو واقعہ کی صورت یہ ہے کہ مولانا ایک روز اپنے شاگردوں کے حلقہ میں رونق افروز تھے اور آپ کے چاروں طرف کتابیں پڑی ہوئیں تھیں۔ اچانک شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ قلندرانہ انداز سے وہاں آپہنچے۔ آپ کے قریب بیٹھتے ہی مولانا سے دریافت کیا:

یہ کیا ہے؟

مولانا نے آپ کی ظاہری وضع قطع دیکھ کر فرمایا:

یہ وہ چیز ہے جس سے تم واقف نہیں ہو۔ مولانا کا یہ فرمانا تھا کہ اچانک کتابوں میں آگ لگ گئی مولانا نے شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ سے کہا یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ چیز ہے جس سے تم واقف نہیں ہو اور یہ کہہ کر مجلس سے روانہ ہو گئے۔ اس واقعہ سے مولانا کی حالت یکسر تبدیل ہوگئی۔ گھر بار اور شان و شوکت کو خیر باد کہا اور شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو تلاش کرتے کرتے صحراؤں کی خاک چھان ماری۔ ملک کا گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ دیکھ مارا مگر ان کا

کہیں پتا نہ چلا۔

دوسری جگہ واقعہ یوں لکھا ہوا ہے کہ:

شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو انکے پیر بابا کمال الدین جندی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہہ کر ملکِ روم بھیجا تھا کہ وہاں ایک سوختہ دل ہے۔ اس کو گرما آؤ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ قونیہ پہنچے شکر فروشوں کے سرائے میں ٹھہرے۔ ایک دن مولانا روم نہایت تزک و احتشام سے ایک راستہ سے گزر رہے تھے۔ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا سے سرِ راہ دریافت کیا کہ ”مجاہدہ اور ریاضت کا کیا مقصد ہے؟“ مولانا نے فرمایا ”اتباعِ شریعت، شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ تو سب ہی جانتے ہیں لیکن اصل مقصد علم و مجاہدے کا یہ ہے کہ وہ انسان کو منزل تک پہنچا دے“۔

علم کز تو ترانہ بستاند
جہل ذاں علم بہ بود بسیار

جو علم تجھے تجھ سے نہ لے لے اس علم سے جہل بہت بہتر ہے۔ ان جملوں سے مولانا اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ مولانا روم کسی حوض کے کنارے کتب بینی میں مصروف تھے۔ وہاں شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ آ گئے اور مولانا سے دریافت کیا یہ کیا کتابیں ہیں؟۔ مولانا نے فرمایا کہ ”تمہیں ان کتابوں سے کیا غرض“۔ اس پر شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے وہ کتابیں حوض میں پھینک دیں۔ مولانا کو سخت رنج ہوا اور فرمایا ”میاں درویش رحمۃ اللہ علیہ تم نے ایسی چیزیں ضائع کر دیں جن میں بڑے نادر نکتے تھے، اور اب ان کا ملنا محال ہے“۔ اس پر شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے وہ کتابیں خشک حالت میں حوض سے نکال کر مولانا کے سامنے رکھ دیں۔ مولانا حیران ہوئے تو شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ”یہ حال کی باتیں ہیں۔ تم صاحبِ قال انہیں کیا سمجھو“۔ اس کے بعد مولانا روم، شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں میں داخل ہو گئے۔

واللہ اعلم بالصواب

سپہ سالار مولانا کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ انہوں نے واقعہ یوں قلم بند کیا۔

"شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے دُعا کی خدایا کوئی ایسا شخص عطا فرما جو میری محبت کا متحمل ہو سکے۔ غیبی اشارہ ہوا ملکِ روم چلے جاؤ! وہاں ایک شخص مل جائے گا۔ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ قونیہ پہنچ کر برنج فروشوں کی سرائے میں مقیم ہو گئے۔ وہاں ایک اونچا چبوترہ تھا جہاں شہر کے عمائد اور امراء کا مجمع ہوا کرتا تھا۔ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مجمع میں جا بیٹھتے تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی آمد کا حال معلوم ہوا تو ملاقات کیلئے پہنچے۔ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ سے آنکھیں چار ہوئیں تو ایک دوسرے کو سمجھ گئے اس طرح اکثر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی حالت میں تغیر پیدا ہو گیا۔ جب عشقِ حقیقی نے اپنا پورا اثر کر دیا تو مولانا پر مستی اور وارفتگی غالب رہنے لگی"۔

درس و تدریس، وعظ و نصیحت سب اشغال چھوٹ گئے۔ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے ایک لمحہ بھی جدا ہونا گوارہ نہیں کرتے تھے۔ سپہ سالار کے بیان کے مطابق مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ کے حجرے میں چالیس روز تک چلہ کشی کی اس عرصے میں کھانا پینا سب کچھ ترک کر دیا۔ اس کے بعد مولانا کے احوال بالکل بدل گئے پہلے سماع سے پرہیز کرتے تھے اب اس کے بغیر ان کو چین نہ آتا تھا۔ مسندِ تدریس اور فتویٰ نویسی بالکل ترک کر دی۔

نعرہ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں می بایدم

اے محبوبِ حقیقی! آپ کی محبت میں مجھ کو نعرۂ مستانہ بہت اچھا لگتا ہے۔ قیامت تک اے محبوب میں اسی دیوانگی اور وارفتگی کو محبوب رکھنا چاہتا ہوں۔

ہرچہ غیر شورش و دیوانگی ست
در رہِ اُو دُوری و بیگانگی ست

اللہ تعالیٰ کی محبت وشورش کے علاوہ دنیا کے تمام افسانے دوری اور بے گانگی کے مصداق ہیں۔

جب مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ پر عشق الٰہیہ کا یہ اثر ظاہر ہوا تو شہر میں یہ فتنہ اٹھا کہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر کچھ کر دیا ہے۔ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف جب یہ شورش بپا ہوئی تو تبریز رحمۃ اللہ علیہ چپکے سے قونیہ چھوڑ کر دمشق کو چل دیئے۔

مولانا، شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی سے بے چین ہو گئے اور مولانا نے اس جدائی میں نہایت رقت انگیز اشعار کہنے شروع کر دیئے۔ اس پر مولانا کے مریدوں کو ندامت ہوئی اور طے کیا گیا کہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو واپس بلایا جائے۔ اس کے بعد شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ تقریباً دو سال تک قونیہ میں رہے لیکن پھر غائب ہو گئے۔

پیر کی اس مفارقت سے مولانا رُوم انتہائی بے چین ہو گئے اور زندگی تلخ ہو گئی۔ ان کی جدائی نے مولانا پر ایک سکر کی کیفیت طاری کر دی اسی حالت میں مولانا بازار سے گزر رہے تھے کہ زرکوب چاندی کے ورق کوٹ رہا تھا۔ مولانا پر ان کے ہتھوڑے کی آواز نے سماع کا اثر پیدا کر دیا آپ پر وجد طاری ہو گیا اور بے خود ہو کر رقص کرنے لگے۔ آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر زرکوب نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ پھر شیخ زرکوب دکان سے باہر نکل آئے مولانا روم ان سے بغل گیر ہو گئے عالمِ بے خودی میں یہ شعر پڑھنے لگے۔

یکے گنجے پدید آمد درآں دکان زرکوبی
زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہے خوبی

اس شعر کا اثر صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ پر اس قدر ہوا کہ آپ نے ساری دکان لٹا دی اور مولانا کی ہمرکابی اختیار کر لی۔ اپنے آپ کو ہمہ تن مولانا کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ دونوں کو ایک دوسرے کی محبت میں بڑا سکون اور کیف میسر آیا۔ نو سال تک آپ دونوں کی صحبتیں گرم رہیں۔ ۶۶۴ ہجری میں حضرت زرکوب رحمۃ اللہ علیہ دنیائے فانی سے عالمِ بقا کو چلے گئے۔ مولانا روم پھر غم واضطراب میں مبتلا ہو گئے۔ مولانا روم کو پھر ایک ایسے محرم راز اور رفیقِ خاص کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ایسا محرم راز ان کو شیخ حسام الدین

چلپی رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں مل گیا۔ انہوں نے دس برس تک اس تندہی اور حسن عقیدت کے ساتھ مولانا کی خدمت کی کہ دونوں یک جان ودو قالب ہو گئے۔

یہ شیخ حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی تحریک اور ترغیب تھی کہ جس نے مولانا کو اپنی شہرہ آفاق مثنوی کے لکھنے پر آمادہ کیا۔ مثنوی شریف میں مولانا نے جابجا حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر بڑے حسین انداز میں کیا۔

(مثنوی شریف سینے میں عشقِ خداوندی کی آگ لگا دیتی ہے)۔

آخری وقت:

۶۷۲ ہجری میں قونیہ میں بہت شدت کا زلزلہ آیا۔ تقریباً چالیس روز تک اسکے جھٹکے محسوس ہوتے رہے۔ اہلِ شہر نے مولانا سے اس پریشانی کا ذکر کیا تو مولانا نے فرمایا زمین بھوکی ہے۔ کوئی تر لقمہ چاہتی ہے اور انشاء اللہ کامیاب ہوگی۔ چند روز بعد مولانا کا مزاج ناساز ہوا ہر چند اطباء نے معالجہ کی تدبیریں کیں لیکن کوئی سودمند نہ ہوئی۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی والا معاملہ ہو گیا۔

مولانا مرض کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوتے تھے۔ بیماری کی شہرت عام ہوئی۔ شیخ صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے مزاج پرسی کے لئے تشریف لائے۔ مولانا کے مرض کی کیفیت دیکھ کر بے قرار ہو گئے اور مولانا کی شفاء کے لئے دعا کرنے لگے مولانا نے سنا تو فرمایا شفاء آپ کو مبارک ہو۔ محبّ اور محبوب میں صرف ایک پیرہن کا پردہ رہ گیا ہے کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہ اُٹھ جائے اور نور نور میں مل جائے۔ اس پر شیخ رحمۃ اللہ علیہ روتے ہوئے اُٹھ کر چلے گئے اور سمجھ گئے کہ اب مولانا کا دمِ واپسی ہے چنانچہ یکشنبہ کے دن ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ ہجری کو مغرب کے وقت مولانا ہر مذہب وملت کے لاکھوں انسانوں کو روتا ہوا چھوڑ کر عالمِ آخرت کی طرف روانہ ہو گئے اور قونیہ کی سرزمین میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رُوپوش ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

مولانا علیہ الرحمۃ اپنی زندگی میں بکثرت مجاہدہ اور ریاضت کرتے تھے دس دس اور بیس بیس دن روزہ رکھتے۔ نماز کا وقت آتا تو فوراً قبلہ رُخ ہو جاتے نماز میں اس درجہ استغراق ہوتا تھا کہ بقول سپہ سالار اکثر عشاء کے بعد دو رکعت نفل کی نیت باندھتے تھے اور ان ہی دو رکعتوں میں صبح کر دیتے تھے۔ ایک روز نماز میں اس قدر روئے کہ تمام چہرہ اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی سردی کی شدت کی وجہ سے آنسو جم کر یخ ہو گئے۔ بعض اوقات مولانا پر سکر کی کیفیت طاری ہوتی تھی تو اس حالت میں شریعت کے ظاہری احکام کا ہوش نہ رہتا تھا۔ بیٹھے بیٹھے یکبارگی اُٹھ کھڑے ہوتے اور رقص کرنے لگتے۔ کبھی خاموشی سے کسی ویرانے کی طرف نکل کھڑے ہوتے سماع کی مجلس میں کئی کئی دن مدہوشی کی حالت میں گزر جاتے تھے۔

(کسی بزرگ کی سکری حالت کے افعال عام مریدوں کے لئے مشعل راہ نہیں بنتے اور نہ ہی وہ قابلِ اتباع ہوتے ہیں۔)

مولانا کا صحیفۂ اخلاق ایسے پاکیزہ اور دلآویز پھولوں سے مزّین تھا کہ جن کی خوشبو سے روح تازہ ہو جاتی تھی۔ ان کا زہد و قناعت، انکساری تواضع، شب بیداری، توکل علی اللہ، حلم و تحمل، جود و سخا، حق گوئی، اکل حلال، ایثار، شیریں کلامی مخلوقِ خدا سے محبت اور دوسرے اوصافِ حمیدہ مثالی حیثیت رکھتے تھے۔

صوفی آصف محمود

(ایم۔اے)

دِلچسپ باتیں

سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا ہے۔ سالک جب راہِ طلب میں قدم رکھے تو پہلے اپنے ربّ کی حمد کرے، جس نے اس راہ پر گامزن ہونے کی اسے توفیق بخشی، جس نے منزلِ مقصود کی لگن اسکے دل میں پیدا کی۔

میری طلب بھی انہیں کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں، اٹھائے جاتے ہیں

اس کے محبوب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم کی آل واصحاب رضی اللہ عنہم پر بے حد و بے شمار درود وسلام۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی شریف سے بامحاورہ ترجمے کے ساتھ حکایتیں مرتب کرنا، اس میں بہت ہی احتیاط کے ساتھ کام لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ ایک طرف ادب کا پُل صراط ہوتا ہے تو دوسری طرف عقیدت مند قاری کے نازک آبگینہ کا احساس بھی ہوتا ہے۔

تشبیہ و تمثیل:

بیان میں جو سحر پیدا ہوتا ہے، وہ تشبیہ ہی کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ اچھا شعر وسخن روح وقلب کی گہرائیوں میں اُتر جاتا ہے۔ اگر اسکا تجزیہ کیا جائے کہ یہ تاثیر شعر میں کہاں سے پیدا ہوتی ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اثر بہت حد تک تشبیہ کا کارنامہ ہے۔

حق اگر سوزے ندارد حکمت است

شعر می گردد چو سوز از دل گرفت

بو علی اندر غبار ناقہ گم۔

دست رُومی پردہ محمل گرفت

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اگر یہاں تشبیہ سے کام نہ لیتے تو حکمت اور پُر سوز و دلدوز شعر کا فرق کبھی تسلی بخش طریقے سے واضح نہیں ہوسکتا تھا۔ علاوہ ازیں جذبات کی زبان تشبیہی ہوتی ہے۔ شاعری زیادہ تر جذبات کے اظہار کا نام ہے۔ اس لئے مؤثر شعر وہی ہوتا ہے جس میں کوئی دلنشین تشبیہ استعمال کی گئی ہو......

"جب دل کسی جذبے سے لبریز ہوتا ہے تو پیمانہ کسی تشبیہ ہی میں چھلکتا ہے۔

کمالِ لذت کا اظہار بھی خود بخود تشبیہ کے ذریعے سے ہوتا ہے۔

درد والم بھی تشبیہی اور شاعرانہ زبان وضع کر لیتا ہے۔

"عارفِ رومی رحمۃ اللہ علیہ تشبیہ و تمثیل کے بادشاہ ہیں۔

بات زیادہ دلنشین اور یقین آفرین اس وقت ہوتی ہے، جب وہ کسی تشبیہ یا مثال کے ذریعے سے مطلب کو واضح کرے۔

مثنوی، حکمت و عرفان کا بحرِ ذخار ہے۔ شاعری کو آپ نے بحیثیت فن نہیں برتا، جو بات طبیعت میں جس طرح اُبھرتی اسی طرح سپردِ قلم کر دیتے۔ فطرت نے آپ کو یہ غیر معمولی ملکہ عطا فرمایا کہ ہر باریک نکتے کی وضاحت کیلئے ان کو دلنشین تشبیہ سوجھتی جو یقین آفرین بھی ہوتی اور وجد آفرین بھی۔

میں کیا ہوں؟ مقصدِ حیات کیا ہے؟

یہ زندگی کدھر سے آتی ہے اور کدھر کو جاتی ہے؟ خالق اور مخلوق کا تعلق کس قسم کا ہے؟ ان سوالات کا جواب اہلِ دین بھی ڈھونڈتے ہیں اور اہلِ دانش بھی!

تمثیل کے انتہائی پُرکشش اور دل میں اُتر جانے والے اسلوب میں اخلاق وحکمت، تصوف وروحانیت اور انسان وکائنات کے لاتعداد مسائل ذہنوں میں آسانی سے اُتار دینا مثنوی کا کھلا معجزہ ہے۔

آئینہ دل:

دل کے لئے آئینے کی تشبیہ عام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے بہتر تشبیہ ہو بھی نہیں سکتی۔ کائنات انسان کے دل میں منعکس ہوتی ہے۔ اس کے انعکاس کے لئے لازمی ہے کہ دل کا آئینہ صاف ہو۔ حرص وہوس اور دنیاداری کا تردد۔ حب الشہوات اس کو زنگ آلود کر دیتے ہیں اور عرفانِ حقائق کے بغیر مقصدِ حیات حاصل نہیں ہو سکتا سینہ بے کینہ اور دل شفاف آئینہ ہونا چاہیے تاکہ ہر حقیقت اس میں جوں کی توں منعکس ہو عام انسانوں کے قلوب زنگ آلود ہونے کی وجہ سے حقیقت کے غماز نہیں ہوتے۔

آئینہ ات دانی چر غماز نیست
زانکہ زنگاز از رخش ممتاز نیست
آئینہ کز زنگ و آلائش جداست
ہر شعاع نور خورشید خداست
رو تو زنگار ازرخ او پاك کن
بعد ازاں آن نور را ادراك کن

حسن آئینہ حق اور دل آئینہ حسن:

صیقل کرنے سے دل نہ صرف مظاہرِ آفاق کا آئینہ بن جاتا ہے بلکہ اس میں حقائقِ باطن بھی منعکس ہوتے ہیں، جو حکمتِ آفاق سے ماوراء نہیں۔

اپنی طرف سے میں نے کوشش کی ہے کہ اندازِ بیاں مانوس، سلیس اور دلچسپ رکھوں تاکہ قاری حضرات مولانا کے کلام و پیغام کے مغز اور حقیقت کو سمجھیں۔

فرق انگہ باشد از حق ومجاز
کت کند کحل عنائت چشم باز

حقیقت اور مجاز کا فرق تجھے اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے، جب سرمۂ عنایت تیری چشمِ بصیرت کو صاف کر چکا ہو۔

''ہر فرد کسی خاص مقصد کیلئے پیدا ہوتا ہے اور اُس مقصد کے حصول کی خواہش پہلے ہی سے اُس کے دِل میں رکھ دِی جاتی ہے''۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

حکایت نمبر ا:

نامناسب دُعا

آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہو گئے۔ شدتِ ضعف کی وجہ سے اٹھنے بیٹھنے سے بھی معذور ہو گئے۔ حضور پاک ﷺ عیادت کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ بیمار صحابی نے جب آپ ﷺ کو دیکھا تو خوشی سے نئی زندگی محسوس کی اور ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی مردہ اچانک زندہ ہو گیا ہو۔ "زہے نصیب اس بیماری نے تو مجھے خوش نصیب کر دیا۔ جس کی بدولت میرے غریب خانے کو شاہِ دو عالم ﷺ کے پائے اقدس چومنے کی سعادت حاصل ہوئی"۔ اس صحابی نے کہا "اے میری بیماری اور بخار اور رنج وغم اور اے درد اور بیداری شب تجھے مبارک ہو بسبب تمہارے اس وقت نبی پاک ﷺ میری عیادت کو میرے پاس تشریف لائے۔"

جب آپ ﷺ ان کی عیادت سے فارغ ہوئے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "تمہیں کچھ یاد ہے کہ تم نے حالتِ صحت میں کوئی نامناسب دعا مانگی ہو۔"

انہوں نے کہا "مجھے کوئی یاد نہیں آتا، کہ کیا دعا کی تھی۔"

تھوڑے ہی وقفے کے بعد حضور ﷺ کی برکت سے انکو وہ دعا یاد آ گئی۔ صحابی نے عرض کیا کہ "میں نے اپنے اعمال کی کوتاہیوں اور خطاؤں کے پیشِ نظر یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ تعالیٰ وہ عذاب جو آخرت میں آپ دیں گئے وہ مجھے اس عالمِ دنیا میں دے دے

تا کہ عالمِ آخرت کے عذاب سے فارغ ہو جاؤں۔ یہ دعا میں نے بار بار مانگی۔ یہاں تک کہ میں بیمار ہو گیا اور یہ نوبت آ گئی کہ مجھ کو ایسی شدید بیماری نے گھیر لیا کہ میری جان اس تکلیف سے بے آرام ہو گئی۔ حالتِ صحت میں میرے جو معمولات تھے، عبادت و ذکرِ الٰہی اور اوراد و وظائف کرنے سے عاجز اور مجبور ہو گیا۔ برے بھلے اپنے بیگانے سب فراموش ہو گئے اب اگر آپ ﷺ کا روئے اقدس نہ دیکھتا تو بس میرا کام تمام ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ کے لطف و کرم اور غم خواری نے مجھ کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔"

اس مضمونِ دُعا کو رسول اللہ ﷺ نے سن کر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور منع فرمایا کہ "آئندہ ایسی نامناسب دعا مت کرنا یہ آدابِ بندگی کے خلاف ہے، کہ انسان اپنے مولیٰ سے بلا و عذاب طلب کرے۔ انسان تو ایک کمزور چیونٹی کی مانند ہے اس میں یہ طاقت کہاں کہ آزمائش کا اتنا پہاڑ اٹھا سکے۔" صحابی نے عرض کی "اے شاہِ دو عالم ﷺ میری ہزار بار توبہ کہ آئندہ کبھی ایسی بات زبان پر لاؤں۔ حضور ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان اب آئندہ کے لئے میری رہنمائی فرمائیں۔"

آپ ﷺ نے اس کو نصیحت فرمائی!

اللّٰھم ربنا اٰتنا فی دار دنیا حسن

واٰتنا فی دار عقبانا حسن

ترجمہ:

(اے اللہ دُنیا میں بھی ہمیں بھلائیاں عطا فرما اور آخرت میں بھی ہم کو بھلائیاں عطا فرما۔ خدا تمہاری مصیبت کے کانٹوں کو گلشنِ راحت میں تبدیل کر دے۔ آمین!)

درسِ حیات:

☆ خدا کی طرف سے عطا شدہ نعمتوں کی ناشکری کرنے سے اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول ﷺ ناراض ہوتے ہیں۔

☆ نامناسب دُعا آدابِ بندگی کے خلاف ہے۔

حکایت نمبر۲:

بچے کی گواہی

رسول اللہ ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں ایک کافر عورت بچہ اُٹھائے بغرض آزمائش اور امتحان حاضر ہوئی۔ اللہ کی شان دیکھیں اس دو ماہ کے دودھ پیتے بچے نے کہا!

''یا رسول اللہ ﷺ السلام علیکم! ہم آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہیں''۔ ماں کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا اور غصے سے کہنے لگی ''خبردار خاموش! یہ گواہی تیرے کان میں کس نے سکھا دی؟'' بچے نے کہا ''اے میری ماں! تُو اپنے سر کے اوپر تو دیکھ تیرے سر کے اوپر حضرت جبرائیل علیہ السلام کھڑے ہوئے ہیں۔ مثل کامل بدر کے وہ مجھے نظر آ رہے ہیں وہ فرشتہ مجھے وصفِ رسول اللہ ﷺ سکھا رہا ہے اور کفر و شرک کے ناپاک علوم سے خلاصی و رہائی دلا رہا ہے''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے دودھ پیتے بچے یہ بتا کہ تیرا نام کیا ہے؟'' بچے نے کہا ''میرا نام حق تعالیٰ کے نزدیک عبدالعزیز ہے۔ مگر ان مشرکوں نے میرا نام عبدعزیٰ رکھا ہے۔ اس پاک ذات کے صدقے جس نے آپ ﷺ کو پیغمبری بخشی میں اس عزیٰ بت سے پاک اور بیزار اور بَری ہوں''۔ حضور پاک ﷺ کی نگاہ کے صدقے جنت سے اسی وقت ایسی خوشبو آئی جس نے بچے اور اس کی ماں کے دماغ کو معطر کر دیا۔

آں کسے را خود خدا حافظ بود
مرغ و ماھی مرو را حارس شود

”جس شخص کا خدا خود نگہبان ہو اس کا تحفظ مرغ و ماہی بھی کرتے ہیں۔“
بچے کے ساتھ ماں بھی ایمان واسلام کی دولت سے مشرف ہوگئی۔ اس نے اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہوگئی۔

درسِ حیات:

☆ نیک لوگوں کی قربت سے ہمیشہ فائدہ ہوتا ہے۔

حکایت نمبر ۳:

جدائی کا صدمہ

منبرِ رسول اللہ ﷺ بننے سے پہلے حضور پُر نور ﷺ خشک کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

جب پختہ منبرِ رسول اللہ ﷺ تیار ہو گیا اور آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو خشک کھجور کے تنے سے یہ صدمۂ جدائی برداشت نہ ہوا۔ اس نے اس طرح رونا شروع کیا جس طرح چھوٹا بچہ ماں کی جدائی سے روتے ہوئے سسکیاں لیتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، خشک کھجور کا تنا جس کا نام استونِ حنانہ تھا، رسول اللہ ﷺ کی جدائی سے نالہ کر رہا تھا۔ مثل اربابِ عقول کے یعنی جیسے کہ وہ کوئی انسان ہو۔ اس آوازِ گریہ سے...... اصحابِ رسول ﷺ تعجب میں پڑ گئے کہ یہ ستون اپنے پورے حجم طول و عرض سے کس طرح رو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا "اے ستون تجھے کیا ہوا ہے؟" اس نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کی جدائی کا صدمہ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ آپ ﷺ کی جدائی سے میری جان اندر ہی اندر جل رہی ہے۔ اس آتشِ غم کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ کے فراق میں کیوں نہ آہ و فغاں کروں یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ ہی تو جانِ کائنات ہیں۔ آپ ﷺ پہلے مجھ سے ٹیک لگاتے تھے اب مجھ سے الگ ہو گئے ہیں اور میری جگہ دوسرا منبر پسند فرما لیا ہے"۔

حضورِ انور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے مبارک ستون اگر تُو چاہتا ہے تو تیرے لئے دعا کروں کہ تو سر سبز اور ثمر آور درخت ہو جائے اور تیرے پھلوں سے ہر شرقی و غربی مستفید ہو اور کیا تُو ہمیشہ کے لئے تر و تازہ ہونا چاہتا ہے، یا تُو پھر عالمِ آخرت میں کچھ چاہتا ہے۔'' استون حنانہ نے کہا'' یا رسول اللہ ﷺ! میں تو دائمی اور ابدی نعمت چاہتا ہوں''۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے غافل! تمہیں اس لکڑی سے سبق لینا چاہیے کہ تم انسان ہو کر دنیائے فانی پر گرویدہ اور آخرت سے رُوگرداں ہو رہے ہو جبکہ استون حنانہ نعمتِ دائمی کو نعمتِ فانی پر ترجیح دے رہا ہے۔

آں ستون را دفن کرد اندر زمین
تا چُو مردم حشر گرد و یوم دیں

(پھر اس ستونِ حنانہ کو زمین میں دفن کر دیا گیا تا کہ مثل انسانوں کے روزِ جزا اس کا حشر ہو۔)

درسِ حیات:

☆ اگر کسی کے دل میں حضور ﷺ کی چاہت و محبت نہیں تو اسکی زندگی بھی بے معانی ہوگی وہ بدنصیب عالمِ برزخ اور آخرت میں بھی، رحمتِ الٰہی سے محروم رہے گا۔

حکایت نمبر۴:

سیاہ سانپ

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار وضو کے بعد موزہ پہننے کا قصد فرمایا لیکن دیکھا کہ اچانک آپ ﷺ کا موزہ ایک عقاب اڑا کر لے گیا۔ آپ ﷺ یہ ماجرا دیکھ کہ حیران ہوئے۔

تھوڑے ہی وقفے کے بعد آپ ﷺ نے دیکھا کہ عقاب نے موزہ کا منہ زمین کی طرف کیا جس سے ایک سیاہ سانپ گرا۔ اس عمل کے بعد عقاب نے موزہ رسولِ خدا ﷺ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا۔

''یارسول اللہ ﷺ میں نے اسی ضرورت سے گستاخی کی تھی کہ اس کے اندر سانپ گُھسا ہوا تھا۔ مجھے حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حفاظت پر معمور فرمایا۔ ورنہ میری کیا مجال تھی کہ آپ ﷺ کے حضور ایسی بے ادبی کرتا۔''

حضور ﷺ نے اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا اور فرمایا ''ہم نے جس حادثہ کو باعثِ صدمہ سمجھا وہ دراصل وفا اور باعثِ رحمت تھا''۔

عقاب نے عرض کیا کہ ''میں نے ہوا میں اُڑتے ہوئے موزہ شریف میں سانپ دیکھ لیا تو یہ میرا کمال نہیں یارسول اللہ ﷺ یہ آپ ﷺ ہی کے نور اور روشنی کا فیضان اور عکس تھا۔ آپ ﷺ تو سراجِ منیر ہیں اگر کسی دل کے اندھے کو نظر نہیں آتا تو یہ اس کا اپنا

قصور ہے۔ کیونکہ تاریکی کا عکس تاریک ہی ہوتا ہے۔"

درسِ حیات:

☆ آئی ہوئی مصیبت کسی بڑی مصیبت سے بچانے کا ذریعہ ہوتی ہے، اس لیے حالات کو سپردِ اللہ ہی رکھنا چاہیے۔

حکایت نمبر ۵:

زہر قاتل مشورہ

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا ''اے فرعون! تُو اسلام قبول کر لے اس کے عوض تیری آخرت تو بہتر ہو ہی جائے گی مگر دنیا میں بھی تجھے چار نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ تُو علی الاعلان اس بات کا اقرار کر لے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی خدا نہیں وہ بلندی پر افلاک اور ستاروں کا پستی میں جن وانس شیاطین اور جانوروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ پہاڑوں، دریاؤں، جنگلوں اور بیابانوں کا بھی خالق و مالک ہے۔ اس کی سلطنت غیر محدود ہے اور وہ بے نظیر و بے مثال ہے۔ وہ ہر شخص و ہر مکان کا نگہبان ہے۔ عالم میں ہر جاندار کو رزق دینے والا ہے۔ آسمانوں اور زمینوں کا محافظ ہے نباتات میں پھول پیدا کرنے والا اور بندوں کے دلوں کی باتوں کو جاننے والا سرکشوں پر حاکم اور ان کی سرکوبی کرنے والا ہے۔''

فرعون نے کہا ''وہ چار چیزیں کونسی ہیں، آپ علیہ السلام مجھے بتلائیں، شاید ان عمدہ نعمتوں کے سبب میرے کفر کا شکنجہ ڈھیلا ہو جائے، اور میرے اسلام لانے سے سینکڑوں کے کفر کا قفل ٹوٹ جائے اور وہ مشرف بہ اسلام ہو جائیں۔ اے موسیٰ علیہ السلام! جلد ان نعمتوں کے متعلق بیان کرو ممکن ہے کہ میری ہدایت کا دروازہ کھل جائے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکمِ الٰہی سے فرمایا ''اگر تُو اسلام قبول کر لے تو پہلی نعمت

تجھے یہ ملے گی کہ تُو ہمیشہ تندرست رہے گا اور کبھی بھی بیمار نہیں ہوگا۔ اپنے خانہ تن میں تعلقِ خداوندی کا ایسا خزانہ دیکھے گا جس کو حاصل کرنے کے لئے تُو اپنی تمام خواہشاتِ نفسانیہ کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کرنے کے لئے مجاہدات میں جان تک دینے کو تیار ہو جائے گا۔ اس سے جو دولت تمہیں ملے گی وہ رشک ہفتِ اقلیم ہوگی۔ خواہشات کے ابر کو پھاڑنے کے بعد ......مہتابِ حقیقی کا......نورِ تاباں مست کر دیتا ہے۔

اے فرعون! جس طرح ایک کیڑے کو ہرا پتہ اپنے اندر مشغول کر کے انگور سے محروم کرتا ہے اسی طرح یہ دنیائے حقیر تجھے اپنے اندر مشغول کر کے مولائے حقیقی سے محروم کئے ہوئے ہے اور تُو کیڑے کی طرح لذائذِ جسمانیہ میں مصروف ہے۔

تیسری نعمت تجھے یہ عطا ہوگی کہ ابھی تو ایک ملک کا بادشاہ ہے۔ اسلام لانے کے بعد تجھے دو ملک عطا ہونگے۔ یہ ملک تجھے اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرنے کی حالت میں ملا ہے۔ اطاعت کی حالت میں کیا کچھ عطا ہوگا۔ جس کے فضل نے تجھے تیرے ظلم کی حالت میں اس قدر دیا ہے تو اسکی عنایت، وفا کی حالت میں کس درجہ تک ہوگی۔

اور چوتھی نعمت یہ ملے گی کہ تُو ہمیشہ جوان رہے گا اور تیرے بال بھی کالے رہیں گے۔"

یہ باتیں سن کر فرعون کا دل بہت متاثر ہوا۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا "اچھا میں اپنی اہلیہ سے مشورہ کرلوں۔" اس کے بعد وہ گھر گیا اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا سے اس معاملے میں گفتگو کی۔

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا جواب مولانا روم نے بڑے پیارے انداز میں بیان فرمایا۔

باز گفت او ایں سخن با آسیہ
گفت جاں افشاں بریں اے دل سیہ

(فرعون نے اپنی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا سے جب یہ ماجرا بیان کیا تو انہوں نے کہا ارے اس وعدہ پر جان قربان کر دے۔)

وقت کشت آمد زہے پر سود کشت
ایں بگفت و گریہ کرد و گرم گشت

(کھیتی تیار ہے اور نہایت مفید ہے۔ اب تک جو وقت گزرا ہے سب بے فائدہ گزرا ہے۔)

یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگیں۔ پھر انہوں نے کہا "تجھے مبارک ہو۔ آفتاب تیرا تاج ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیری برائیوں کی پردہ پوشی کی اور تجھے دولتِ باطنی دینا چاہتے ہیں۔ گنجے کا عیب تو معمولی ٹوپی چھپا سکتی ہے، مگر تیرے عیوب کو تو حق تعالیٰ کی رحمت چھپانا چاہتی ہے۔ میری تو رائے یہ ہے کہ تجھے کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ تجھے تو اسی مجلس میں فوراً اس دعوتِ حق کو خوشی خوشی قبول کر لینا چاہیے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دعوت تمہیں دی ہے۔ کوئی ایسی ویسی بات تو نہ تھی۔ جس میں تُو مشورہ ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔ یہ تو ایسی بات تھی کہ سورج جیسی رفیع المرتب مخلوق کے کان میں پڑتی تو سر کے بل اس کو قبول کرنے کے لئے آسمان سے زمین پر آ جاتا۔ اے فرعون! یہ عنایت تجھ پر خدا کی ایسی ہے، جیسے ابلیس پر رحمت ہونے لگے، یہ حق تعالیٰ کا معمولی کرم نہیں کہ تجھ جیسے سرکش اور ظالم کو یاد فرما رہے ہیں۔ ارے مجھے تو یہ تعجب ہے کہ اس کے کرم کو دیکھ کر خوشی سے تیرا پِتہ کیوں نہیں پھٹ گیا اور وہ برقرار کیسے رہا اگر تیرا پِتہ خوشی سے پھٹ جاتا تو دونوں جہان سے تجھے حصہ مل جاتا۔ دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں نجات ہوتی۔ اللہ والوں کے آنسو جو زمین پر گرتے ہیں فرشتے ان کو اپنے منہ اور پروں پر ملتے ہیں اور اللہ تعالیٰ شہیدوں کے خون کے برابر انہیں وزن کرتے ہیں۔" حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے فرعون سے کہا: "تُو پس وپیش نہ کر ایک قطرے کو فوراً بہا دے اور اپنے نفس کو جھکا دے تکبر کے باعث اعراض نہ کر تاکہ دریائے قربِ حق سے تُو مشرف ہو جاوے۔ دولتِ عظمیٰ اُس قطرے کو ملتی ہے جسے خود سمندر طلب کرے۔ یہ تجھ پر نہایت ہی شفقت ہے کہ تجھے اس اصرار کے ساتھ بلایا جا رہا ہے، دریائے رحمت خود تجھے بُلا رہا ہے، تُو کیوں دیر کرتا ہے، جلد اپنے آپ کو انکے ہاتھ فروخت کر دے۔ اگر تُو بے دست و پا ہے، اپنی ذاتی سعی سے اس دریا تک نہیں پہنچ سکتا تو اپنے آپ کو حکمِ موسیٰ علیہ السلام کا بالکل مطیع کر دے۔ جن انعامات کا تجھ سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ تو ان پر بدگمانی مت کر، انہیں فریب و دھوکہ مت سمجھ، بلکہ ان انعامات کو جلد حاصل کر، تاکہ تُو کہیں غلط بینی سے دھوکہ کھا کر برباد نہ ہو جائے...... اپنی گردن خدا کے سامنے جھکا

دے......اس کی بشارت سے......خوش ہو جا۔ کب تک سرکشی کرتا رہے گا اور گردن تکبر سے اونچی رکھے گا۔ تو قف مت کر جلد محبوبِ حقیقی سے مل جا۔ وہ خالق و مالک تجھے تیرے گناہوں پر شرمندہ نہیں کر رہا تو تُو اسکا شکر ادا کر، خدا تجھے اپنے فضل سے اپنے تک رسائی کا راستہ دے رہا ہے تو دوڑ کر جا۔ دیکھ تو سہی اے فرعون! اس قدر تیرے کفرِ عظیم کے باوجود اس کا اکرام تجھے کیونکر قبول کر رہا ہے، کیا یہ ''انعام اور عطائے شاہی'' قابلِ قدر نہیں؟ ایسا عجیب بازار کس کے ہاتھ لگتا ہے، کہ ایک گل کے عوض گلزار ملتا ہو اور ایک دانے کے عوض سو درخت ملتے ہوں اس سوز و گداز کے ساتھ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے رغبت دلائی کہ جلد از جلد وہ رجوع الی اللہ کرے۔''

فرعون نے وہی الفاظ پھر سے دہرائے ''اچھا ہم اپنے وزیر ہامان سے بھی مشورہ کر لیں۔'' حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''اس سے بیان نہ کر وہ اس کا اہل نہیں۔ بھلا اندھی بڑھیا بازِ شاہی کی قدر کیا جانے۔''

نا اہل کے وزیر بھی نا اہل ہوتے ہیں۔ ہر شخص اپنے ہم جنس سے ہی مشورہ لینا پسند کرتا ہے۔ الغرض فرعون نے ہامان سے ساری باتیں کہہ دیں اور اس سے مشورہ مانگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ ہامان یہ باتیں سن کر لال پیلا ہو گیا، غم و غصے میں آ کر اس نے اپنا گریباں چاک کر ڈالا شور مچانا اور رونا دھونا شروع کر دیا، اپنی دستار کو زمین پر پٹخ دیا اور کہا ''ہائے! حضور کی شان میں موسیٰ نے ایسی گستاخی کی (نعوذ باللہ) آپ کی شان تو یہ ہے کہ تمام کائنات آپ کی مسخر ہے مشرق سے مغرب تک سب آپ کے پاس خراج لاتے ہیں، اور سلاطین آپ کے آستانہ کی خاک بخوشی چومتے ہیں۔ انہوں نے آپ کی سخت توہین کی ہے۔ آپ تو خود پوری دنیا کے لئے مسجود اور معبود بنے ہیں۔ آپ ان کی بات مان کر ایک ادنیٰ غلام بننا چاہتے ہیں۔ اگر حضور آپ کو اسلام کی دعوت قبول ہی کرنا ہے تو مجھے پہلے ہی مار ڈالیے، تاکہ کم از کم میں آپ کی یہ توہین اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکوں۔ آپ میری گردن فوراً مار دیں میں اس منظر کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا کہ آسمان زمین بن جائے اور خدا بندہ بن جائے۔ ہمارے غلام ہمارے آقا بن جائیں۔''

مولانا رُوم یہاں اس ہامان بے ایمان کو مخاطب ہو کر سخت ناراضگی کا اظہار کرتے

ہیں۔

اے ہامان مردود! کتنی ایسی حکومتیں جو مشرق تا مغرب پھیلی ہوئیں تھیں۔ مگر خدا کے قہر سے آج انکا نام ونشان نہیں ہے جو ''زہر قاتل مشورہ'' ہامان نے دیا اس کے بارے میں مولانا اظہار کرتے ہیں۔

ایں تکبر زہر قاتل واں کہ ہست

از مئے پر زہر گشت آں کیج ومست

(یہ تکبر جو ہامان میں تھا زہر قاتل تھا، اور اسی زہر آلود شراب سے ہامان بدمست ہو کر احمق ہو گیا تھا، اور اس ملعون کے مشورے سے فرعون نے قبولِ حق سے انکار کر کے خود کو دائمی رسوائی اور عذاب کے حوالے کر دیا۔)

جب فرعون ہامان کے بہکاوے میں آ گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دستِ مبارک پر دعوتِ حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''ہم نے تو بہت سخاوت اور عنایت کی تھی مگر...... صد افسوس یہ گوہر نایاب تیرے مقدر میں نہ تھے۔''

درسِ حیات:

☆ جاہل، احمق اور بدکردار سے اچھے مشورے کی توقع ہرگز نہ رکھو!

☆ اگر عورت بھی صاحبِ کردار ہے تو اس سے مشورہ کر لو، وہ تمہیں اچھا مشورہ دے گی۔

☆ بیوقوف کی صحبت سے تنہائی بہتر ہے لیکن تنہائی سے بہتر ہے کہ اچھے لوگوں کی تلاش جاری رکھو!...... یقیناً تم اُن تک پہنچ جاؤ گے۔

حکایت نمبر ۶:

بے وقوف کی صحبت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے ایک پہاڑ کی طرف جا رہے تھے۔ایک آدمی نے بلند آواز سے پکار کر کہا ''اے خدا کے رسول علیہ السلام ! آپ اس وقت کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔وجہ خوف کیا ہے؟ آپ علیہ السلام کے پیچھے کوئی دشمن بھی تو نظر نہیں آتا۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں ایک احمق آدمی سے بھاگ رہا ہوں تُو میرے بھاگنے میں خلل مت ڈال۔''

اس آدمی نے کہا: ''یا حضرت آپ کیا وہ مسیحا علیہ السلام نہیں ہیں؟ جن کی برکت سے اندھا اور بہرا شفایاب ہو جاتا ہے۔آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔اس آدمی نے کہا، کیا آپ علیہ السلام وہ بادشاہ نہیں ہیں جو مُردے پر کلامِ الٰہی پڑھتے ہیں اور وہ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔''

آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''ہاں۔''

اس آدمی نے کہا: ''کیا آپ علیہ السلام وہ ہی نہیں ہیں کہ مٹی کے پرندے بنا کر ان پر دم کر دیں تو وہ اسی وقت ہوا میں اُڑنے لگتے ہیں۔''

آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''بے شک میں وہی ہوں۔''

پھر اس شخص نے حیرانگی سے پوچھا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اس قدر

قوت عطا کر رکھی ہے تو پھر آپ علیہ السلام کو کس کا خوف ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "اس ربّ العزت کی قسم کہ جس کے اسمِ اعظم کو میں نے اندھوں اور بہروں پر پڑھا تو وہ شفایاب ہو گئے پہاڑوں پر پڑھا وہ ہٹ گئے۔ مُردوں پر پڑھا وہ جی اٹھے۔ لیکن وہی اسمِ اعظم میں نے احمق پر لاکھوں بار پڑھا لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔"

اس شخص نے پوچھا: "یا حضرت علیہ السلام یہ کیا ہے، کہ اسمِ اعظم اندھوں، بہروں اور مُردوں پر تو اثر کرے لیکن احمق پر کوئی اثر نہیں کرتا۔ حالانکہ حماقت بھی ایک مرض ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: "حماقت کی بیماری خدائی قہر ہے۔"

درسِ حیات:

☆ بیوقوف کی صحبت سے تنہائی بہتر ہے۔

حکایت نمبر ۷:

بے وقوف ہمسفر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایک آدمی سفر کر رہا تھا۔ اس نے سوچا اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہیے پیغمبرِ خدا سے ایسا عمل سیکھ لینا چاہیے جس سے پتھر سونا بن جائے اور مردہ زندہ ہو جائے۔ اس بے وقوف نے کہا کہ:

''یا حضرت علیہ السلام مجھے بھی کوئی ایسا نسخہ دے دیں جس سے میری دنیا سنور جائے اور میں پڑھ کر پھونک ماروں تو مُردہ زندہ ہو جائے۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی اس لب کشائی پر بڑے حیران ہوئے کہ اس بیمار اور مُردہ شخص کو اپنا غم نہیں کہ میری رفاقت سے اپنے مُردہ دل کا علاج کر لے مگر یہ تو ایک دن میں ہی تاج و تخت کا مالک بننا چاہتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''چپ رہ یہ تیرا کام نہیں۔ اس مقام تک پہنچنے کے لئے بڑی منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں۔ یہ قوت تو اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ جب ایک عمر روح کی آلودگیوں کو پاک کرتے گزر جاتی ہے۔ اگر تُو نے ہاتھ میں عصا پکڑ بھی لیا تو کیا ہوا، اس سے کام لینے کے لئے تو موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ چاہیے۔ ہر شخص عصا پھینک کر اژدھا نہیں بنا سکتا اور نہ پھر اژدھے کو عصا بنا سکتا ہے۔''

اس شخص نے کہا: ''اگر آپ علیہ السلام مجھے یہ اسرار و رموز نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی

میری یہ عرض قابلِ پزیرائی نہیں تو میرے سامنے مُردہ زندہ کر کے دکھا دیجئے۔"

راستے میں ایک گہرے گڑھے میں کچھ ہڈیاں دیکھیں تو عرض کرنے لگا "یا حضرت! ان پر دم کر کے پھونکئے!" اس شخص کے اصرار پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مجبور ہو گئے انہوں نے ہڈیوں پر نامِ خدا پڑھ کر پھونک ماری۔ یہ ہڈیاں دیکھتے ہی دیکھتے ایک خوفناک سیاہ شیر کی صورت اختیار کر گئیں۔ شیر چھلانگ لگا کر گھڑے سے نکلا اور اس شخص پر حملہ آور ہوا اور اسے فوراً ہلاک کر ڈالا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیر سے دریافت کیا کہ اس نے ایسا کیوں کیا، شیر نے عرض کیا یا حضرت علیہ السلام وہ آپ کے لئے تکلیف کا باعث بن رہا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ "تُو نے اس کا خون کیوں نہیں پیا۔"

اس نے کہا: "ایک تو یہ آپ علیہ السلام کا بے ادب اور گستاخ تھا۔ دوسرا اب اس دنیائے آب و گل کا رزق میری قسمت میں نہ تھا۔"

درسِ حیات:

☆ بے وقوف لوگ اپنے اصرار اور ناشائستہ حرکات سے پریشانی کو دعوت دیتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم اجمعین کے بے ادب کو جانور بھی برداشت نہیں کرتے۔ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے۔

حکایت نمبر ۸:

آنکھوں کی طلب

کوہِ طور پر تجلی الٰہیہ کی زیارت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر ایسی قوی چمک رہتی تھی کہ چہرے پر نقاب کے باوجود جو بھی آپ علیہ السلام کی طرف آنکھ بھر کر دیکھتا تو اس کی آنکھوں کی بینائی ختم ہو جاتی۔ آپ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ مجھے ایسا نقاب عطا فرمایئے جو اس قوی نور کا ستر بن جائے، اور آپ کی مخلوق کی آنکھوں کو نقصان نہ پہنچے۔ حکم ہوا اپنے اس کمبل کا نقاب بنالو جو کوہ طور پر آپ علیہ السلام کے جسم پر تھا۔ جس نے طور کی تجلی کا تحمل کیا ہوا ہے۔ اس کمبل کے علاوہ اے موسیٰ علیہ السلام اگر کوہ قاف بھی آپ علیہ السلام کے چہرہ کی تجلی بند کرنے کو آجائے تو وہ بھی مثلِ کوہ طور پھٹ جائے گا۔ الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بغیر نقاب کے خلائق کو اپنا چہرہ دیکھنے سے منع فرما دیا۔

آپ علیہ السلام کی اہلیہ حضرت صفورا علیہا السلام آپ علیہ السلام کے حسنِ نبوت پر عاشق تھیں۔ نقاب جو نظروں کے درمیان حائل ہو گیا تھا وہ اس سے بے چین ہو گئیں۔ جب صبر کے مقام پر عشق نے آگ رکھ دی تو آپ رضی اللہ عنہا نے اسی شوق اور بے تابی سے پہلے ایک آنکھ سے موسیٰ علیہ السلام کے چہرے کے نور کو دیکھا اس سے ان کی اس آنکھ کی بینائی سلب ہو گئی۔ اس کے بعد بھی ان کو صبر نہ آیا، دل اور آنکھوں کی طلب اور بڑھ گئی۔ نظارۂ تجلیاتِ طور کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر دیکھنے کے لئے دوسری آنکھ بھی کھول دی۔ وہ بھی بے نور

ہوگئی۔

عاشقۂ صادقہ حضرت صفورا رضی اللہ عنہا سے ایک عورت نے پوچھا ''کیا تمہیں اپنی آنکھوں کے بے نور ہو جانے پر کچھ حسرت وغم ہوا ہے؟'' آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''مجھے تو یہ حسرت ہے کہ ایسی سو ہزار آنکھیں اور بھی عطا ہو جائیں تو میں ان سب کو محبوب...... کے چہرۂ تاباں کے دیکھنے میں قربان کر دیتی۔''

حضرت صفورا رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''میری آنکھوں سے نور تو چلا گیا مگر آنکھوں کے حلقے کے ویرانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے کا خاص نور سما گیا ہے۔''

حق تعالیٰ کو حضرت صفورا رضی اللہ عنہا کی یہ سچی چاہت اور تڑپ یہ کلام یہ عشق کا مقام یہ دل اور آنکھوں کی طلب پسند آ گئی۔ خزانۂ غیب سے پھر ان کی آنکھوں کو ایسی بینائی کا نور اور تحمل بخش دیا گیا جس سے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرۂ تاباں کو دیکھا کرتیں تھیں۔

درسِ حیات:

☆ طلب صادق ہو تو خدا کی مدد سے پہنچ جایا کرتی ہے۔

حکایت نمبر ۹:

صبر و تحمل

نبوت سے قبل حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک بکری ریوڑ سے الگ ہو کر کہیں کھو گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جنگل میں اسے آگے پیچھے تلاش کرتے کرتے بہت دُور نکل گئے۔ اس سے آپ علیہ السلام کے پاؤں مبارک پر ورم آ گئے اور زخمی بھی ہو گئے۔ بکری تھک ہار کر ایک جگہ کھڑی ہو گئی تب جا کر کہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ آئی۔ آپ علیہ السلام نے اس پر بجائے غصہ اور زدو کوب کرنے کے اس کی گرد جھاڑی اور اس کی پشت اور سر پر ہاتھ پھیرنے لگے ماں کی ممتا کی طرح اس سے پیار کرنے لگے۔ باوجود اس قدر اذیت برداشت کرنے کے ذرہ برابر بھی اس پر کدورت اور غیظ و غضب نہ کیا بلکہ اس کی تکلیف کو دیکھ کر آپ علیہ السلام کا دل رقیق ہو گیا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے ...... بکری سے کہنے لگے "فرض کیا تجھ کو مجھ پر رحم نہیں آیا، اس لئے تُو نے مجھے تھکایا اور پریشان کیا۔ لیکن تجھے اپنے اوپر رحم کیوں نہ آیا۔ میرے پاؤں کے آبلوں اور زخموں پر تجھے رحم نہ آیا تھا۔ کم از کم تجھے اپنے اوپر تو رحم آنا چاہیے تھا۔"

اسی وقت ملائکہ سے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نبوت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام زیبا ہیں۔ امت کا غم کھانے اور ان کی طرف سے ایذاء رسانی کے تحمل کے لئے جس حوصلہ اور جس دل و جگر کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ خوبی ان میں موجود ہے۔

با ملائکه گفت یزداں آں زماں
که نبوت را همی زیبد فلاں

نبوت سے قبل تقریباً کئی نبیوں علیہم السلام نے بکریاں چرائیں۔اس کی حکمت یہ ہے کہ ۔

تا شود پیدا وقار و صبر و شاں
کرد شاں پیش از نبوت حق شباں

(تا کہ بکریوں کے چرانے سے انبیاء کرام علیہ السلام کا صبر اور وقار ظاہر ہو جائے۔ یہ بکریوں کی چرواہی صبر وحلم کی عادت پیدا کرتی ہے۔)
کیونکہ بکریاں اکثر مختلف جانب بکھر جاتیں ہیں۔ان کے جمع رکھنے اور نگرانی میں پریشانی ہوتی ہے۔اس کام کے لئے دل ودماغ کا قابلِ برداشت ہونا ضروری ہوتا ہے۔

درسِ حیات:

☆ مخلوقِ خدا پر رحم کرنے سے دُنیا اور آخرت میں سرفرازی عطا ہوتی ہے۔

حکایت نمبر ۱۰:

بلقیس کے نام پیغام

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے ایک قاصد کے ہاتھ پیغام بھیجا۔

"اللہ کے نام سے ابتداء ہے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

اے بلقیس! مالک الملک کے ساتھ تعلق پیدا کر اور دریائے حق کے کنارے پر رضائے الٰہی کے موتی چُن لے۔ تیری بہنیں جو ایمان لا چکی ہیں شرفِ تعلق کی برکت سے آسمانِ روشن پر مقیم ہیں یعنی......قربِ اعلیٰ سے مشرف ہیں۔

اے بلقیس تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو ایک مُردار دُنیا پر عاشق ہے......جو ایمان لا چکی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی عظیم عنایات سے جو کچھ دیا ہے ان کی تجھے بھی کچھ خبر ہے؟ اے بلقیس آ کر دولتِ باطنی دیکھ اور اس سے ہمیشہ پھل کھاتی رہ، بحرِ جود و سخا میں آ اور بے سرمایہ کے نفع حاصل کر، ہمارے پاس سرمایہ عبادات بھی اپنا نہیں ہے سب فضلِ الٰہی اور توفیقاتِ الٰہیہ کا ثمر ہے، تیری مومنات بہنیں سب عیشِ ایمانی سے لطف اُٹھا رہی ہیں، اور تُو دنیا کا ......رنج و غم کب تک برداشت کرتی رہے گی۔

ملک سبا سے بیزار ہو کر سعادت کی ساتھی ہو جا۔ تُو خوشی سے مثل اس فقیر کے ڈھول بجا رہی ہے جس نے اپنی تنگ دستی کے باوجود ڈھول بجانا شروع کیا اور کہا کہ میں

کوڑیوں کا بادشاہ اور رئیس ہوں تو کیا اس فقیر کو اس شور وغل سے کوئی بادشاہ سمجھ لے گا۔ اسی طرح تُو اس دنیا کی ملکہ اور رئیسہ بنی ہوئی ہے۔ جو کہ کوڑی سے بھی زیادہ پلید اور گندی ہے۔ لہٰذا اس کو ترک کر دے اور آخرت کی دائمی دولت کی طرف حریص ہو جا...... اپنے ارادہ واختیار سے ہدایت کو قبول کر لے قبل اس کے کہ اسی گندگی اور مردار پرستی کی حالت میں تجھے موت آ کر بے اختیار کر دے۔ موت سے پہلے اسلام قبول کر لے اور حق تعالیٰ کے قرب کی سلطنت کا نظارا کر لے۔

قضائے الٰہیہ سے جنگ نہ کرورنہ موت آئے گی اور تجھے کان سے پکڑ کر مالکِ حقیقی کے پاس لے جائے گی۔ اس وقت سوائے ندامت کے تجھے کیا ملے گا۔ جس طرح چور کو سپاہی کھینچ کر کوتوال کے پاس لے جاتا ہے۔ اس طرح کل کو موت تجھے کھینچ کر لے جائے گی۔ تیری بہنیں جو ایمان لا چکی ہیں اسلام کی دولت سے سلطنتِ لازوال کی مالک ہیں اور تُو دنیائے حقیر کے لئے خوش ہو رہی ہے۔ دنیا پرستی سے باز آجا۔

مبارک باد کا مستحق ہے وہ شخص جو اس ملکِ فانی کی محبت سے آزاد ہو گیا کیونکہ موت اس دنیا کو اور دنیا کی تمام لذتوں کو ہم سے چھڑانے والی ہے۔ وہی شخص اچھا ہے جو اس بے وفا کو منہ ہی نہ لگائے۔ بس بقدر ضرورت اس سے واسطہ رکھے۔ لیکن دل سے دُور رکھے، اور دولتِ اخروی میں ہمہ تن وہمہ وقت مصروف رہے۔

اے بلقیس! آ اور دین کے سلاطین کی سلطنتِ لازوال کا مشاہدہ کر۔"

آسمان پر بے بال وپر کے خورشید اور بدر وہلال کی طرح طواف کرتے رہو۔ اے لوگو! اللہ کی محبت سیکھو اور عرش والے سے رابطہ کر کے پستی سے نکل کر فلک پر مثلِ سورج وچاند کے روشن ہو جاؤ۔

ایمان لانے کی برکت سے تُو ہر وقت اپنی ذات کے اندر مستقل سلطنت ولشکر اور تختِ شاہی کا مشاہدہ کرے گی۔ کیونکہ سلاطین کو تخت وتاج کی بھیک دینے والا تیرے قلب پر اپنے لطف وکرم کے ساتھ سایہ فگن ہو گا۔

اے وہ جان جو اللہ تعالیٰ کی محبت وقرب اور رضا کی سلطنتِ لازوال اور دولتِ غیر فانی سے مالا مال ہو گئی ہے۔ موت کے وقت تمام چیزیں جدا ہو جائیں گی لیکن تو اپنی

ذات سے کیسے الگ ہوگا۔ قربِ باطنی جو تیری ذات میں داخل تھی اس کو تیری روح اپنے ساتھ لیکر خدا کے حضور رُوبرو حاضر ہوگی تیرا ملک و مال تیری عین ذات ہے۔

من عرف نفسه فقد عرف ربه

درسِ حیات:

☆ دُنیا حاصل کرنا کوئی برائی نہیں لیکن جب دُنیا کو آخرت پر ترجیح دی جائے تو پھر سراسر خسارہ ہی خسارہ ہے۔

حکایت نمبر ۱۱:

قاصدِ روم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں قیصرِ روم نے اپنا سفیر مدینۃ المنورہ میں بھیجا۔ قاصد نے دارالخلافۃ اسلامیہ مدینہ منورہ میں پہنچ کر لوگوں سے خلیفۂ وقت کے محل کا پوچھا کہ وہ کہاں ہے تاکہ میں اپنا مال واسباب وہاں تک پہنچاؤں۔

قوم گفتندس کہ او را قصر نیست
مرعم راقصر جان روشنے ست

قوم نے کہا ہمارے بادشاہ کا کوئی محل نہیں۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا محل تو ان کی جان پاک ہے جو اللہ تعالیٰ کے تعلقِ خاص اور تجلیاتِ قرب سے منور ہو رہی ہے۔ جس نے انہیں سارے جہان کے شاہی محلات سے مستغنی کر دیا ہے۔ قاصدِ روم نے دل میں سوچا یہ کیسا بادشاہ ہے جو عام لوگوں میں رہتا ہے۔ اس کا کوئی حفاظتی دستہ ہے نہ رہنے کے لئے کوئی عالی شان محل راستے میں ایک اعرابی خاتون سے خلیفہ کا پتا پوچھا تو اس نے کہا ''آپ رضی اللہ عنہ قبرستان کے پاس ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں۔'' قاصد جب وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے خوف وخطر زمین پر آرام فرما رہے ہیں نہ تخت وتاج پاس ہے اور نہ ہی فوج ولشکر۔ قریب پہنچ کر جب اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے چہرۂ

مبارک کی زیارت کی تو آپ رضی اللہ عنہ کی ہیبت سے وہ کانپنے لگا، اور اپنے دل میں کہنے لگا۔ میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کو دیکھا ہے، اور ایک عمر تک سلطانوں کا ہم نشین رہا ہوں۔ مجھے کبھی کسی سے خوف تک محسوس نہیں ہوا۔ معلوم نہیں اس شخص کی ہیبت سے میرے اوسان کیوں خطا ہو گئے ہیں۔ اس سوئے ہوئے اکیلے آدمی کو دیکھ کر میرا جسم کانپ رہا ہے۔ اس مردِ گدڑی پوش کی ہیبت نے تو میرے ہوش اڑا دیئے ہیں۔

بے سلاح ایں مرد خفتہ بر زمیں
من بھفت اندام لرزاں چیست ایں

یہ شخص بغیر کسی ہتھیار کے اور بغیر کسی فوجی پہرہ کے زمین پر اکیلا سویا ہوا ہے۔ مجھ پر ایسا لرزہ طاری ہے کہ اگر مجھے سات جسم اور عطا ہو جائیں تو اس لرزہ کا تحمل نہ کر سکیں۔ پھر وہ دل میں سوچنے لگا۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

یہ رعب و ہیبت اس گدڑی پوش کی نہیں ہے دراصل یہ اللہ کی ہیبت ہے کیونکہ اس گدڑی پوش بادشاہ کا قلب اللہ کے قُرب اور معیتِ خاصہ سے مشرف ہے۔ پس یہ اسی معیتِ حق کا رُعب وجلال ہے۔ جو اس مردِ حق کے چہرہ سے نمایاں ہو رہا ہے قاصد انہی باتوں میں کھویا ہوا تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھ کھل گئی۔

سفیرِ روم نے آگے بڑھ کر بڑے ادب کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کو سلام کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت شفقت سے سلام کا جواب دیا۔ سفیر کو اپنے پاس بٹھا کر تسلی دی اور قیصرِ روم کا پیغام وغیرہ لینے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ دیر تک اس کے ساتھ معرفت کی باتیں کرتے رہے قاصدِ روم آپ رضی اللہ عنہ کے اخلاقِ حسنہ اور سادگی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس کے دل سے کفر و شرک کا زنگ دُور ہو گیا۔ یہ قاصد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت کے فیض سے مشرف بہ اسلام ہو کر باطنی دولت سے مالا مال ہو گیا۔

هر که ترسد از حق و تقوی گزید
ترسد از وے جن و انس و هر که دید

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو خدا سے ڈرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے اس سے جنّ اور انسان سب ڈرتے ہیں، اور جو بھی اس کی طرف دیکھے گا اس پر اس مردِ حق کی ہیبت غالب ہوگی۔''

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

درسِ حیات:

☆ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ دُنیا و آخرت میں ان کا مقام و مرتبہ بلند فرما دیتا ہے۔

حکایت نمبر۱۲:

قیاس کا ترازو

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دن بالا خانہ پر تشریف فرما تھے۔ نیچے سے ایک یہودی نے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا، تو کہنے لگا کیا آپ رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ حفاظت کا ذمہ دار ہے، اور کیا آپ رضی اللہ عنہ کو حق تعالیٰ کی حفاظت پر اعتماد ہے؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں وہ خالقِ حقیقی بچپن سے لے کر آخر تک انسان کا محافظ ہے''۔ یہودی نے کہا: ''اگر آپ رضی اللہ عنہ کو واقعی اس بات کا یقین ہے، تو اپنے آپ رضی اللہ عنہ کو بالا خانہ سے نیچے گرادیں، تاکہ مجھے بھی معلوم ہو جائے کہ خدا آپ رضی اللہ عنہ کی کیسے حفاظت کرتا ہے۔ پھر میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کا ہم عقیدہ ہو جاؤں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی یہ...... عملی دلیل میرے حسنِ اعتقاد کا سبب بن جائے گی۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

کے رسد مر بندۂ را کو با خدا
آزمائش پیش آروز ابتلا

کب بندہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ خدا کی آزمائش اور امتحان کی جرأت کرے......

......اے احمق نالائق! بندے کی کیا ہمت کہ وہ حق تعالیٰ کا امتحان لے۔

یہ بات تو صرف حق تعالیٰ ہی کو زیب دیتی ہے کہ وہ اپنے بندوں کا امتحان لے

تاکہ ہم اپنی حقیقت سے آگاہ رہیں اور اس کے عالم الغیب ہونے کے بارے میں ہمارا عقیدہ پختہ رہے۔

گر بیاید ذرہ نجد کوہ را
بر درد زاں کہ ترا زوش عی فتی

اگر پہاڑ کے دامن میں ایک ذرہ پہاڑ کی بلندی کو دیکھ کر کہے کہ اچھا میں تجھے وزن کروں گا کہ تو کس قدر طول وعرض اور وزن والا ہے تو اس بے وقوف ذرے کو سوچنا چاہیے کہ جب اپنی ترازو پر پہاڑ کو رکھے گا تو اس کی ترازو ہی پھٹ جائے گی اس وقت نہ یہ ذرہ باقی رہے گا نہ اس کی ترازو سلامت رہے گی......تو وزن کا خیال محض احمقانہ ہوگا۔

کر قیاس خود ترازو می تند
مرد حق را در ترازو می کند

''ایسے احمق'' اپنے قیاس کے ترازو پر ناز کرتے ہیں، اور اللہ والوں کو اپنے احمقانہ خیالی ترازو میں تولنے کی کوشش کرتے ہیں۔

چوں نگنجد او بمیزان خرد
پس ترازوے خرو را بر درد

جب اللہ والوں کا بلند مقام ان بے وقوفوں کی ترازو میں نہیں سماتا تو خدا ان کی گستاخی کی نحوست اور شامت کے سبب ان کی ترازو ہی کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے، اور پھر یہ کم ظرف لوگ حماقت درحماقت میں مبتلا ہوتے چلے جاتے ہیں۔
مولانا نصیحت فرماتے ہیں اگر اس قسم کے امتحان کا وسوسہ بھی آئے تو اس کو اپنی بد بختی اور ہلاکت کی علامت سمجھو اور پھر فوراً یہ تدبیر کرنی چاہیے۔

سجدہ گہ را تر کن از اشک رواں
کاے خدایا وارھانم زیں گماں

فوراً سجدہ میں گر جاؤ اور گریہ وزاری میں مشغول ہو کر خدا سے پناہ مانگو کہ اے ربِّ غفور الرحیم مجھے ایسے فاسد گمان وخیال سے خلاصی، رہائی اور معافی عطا فرما۔

درسِ حیات:

☆ انسانی ذات محدود ہے اور خدا لامحدود۔ اگر محدود یعنی انسان لامحدود کا امتحان لینے کی کوشش کرے تو اسے حماقت اور بے وقوفی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

☆ خدا کی کنہ وحقیقت انسانی عقل سے بہت بلند ہے، اتنی بلند کہ اسے بیان بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

حکایت نمبر ۱۳:

باہمت شخص

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ لومڑی کی بزدلی ضرب المثل ہے۔ لیکن جس لومڑی کی کمر پر شیر کا ہاتھ ہو کہ گھبرانا مت، میں تیرے ساتھ ہوں تو باوجود ضعیف الہمت ہونے کے اس پشت پناہی کے فیض سے اس قدر باہمت ہو جائے گی کہ چیتوں کے ریوڑ سے بھی ہرگز خائف نہ ہوگی شیر پر نظر ہونے کی وجہ سے وہ دلیر ہو جائے گی۔ یہی حال اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کا ہوتا ہے کہ وہ باوجود خستہ حال، شکستہ تن اور فاقہ زدہ چہروں کے باطل کی اکثریت سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ ایک قلعہ کو فتح کرنے کے لئے تنہا اس قوت سے حملہ آور ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ قلعہ ان کے گھوڑے کے پاؤں کے سامنے ایک ذرہ کے برابر ہے۔ قلعے والوں نے خوف سے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ کسی کو بھی سامنے آنے ہی کی ہمت نہ ہوئی۔ بادشاہ نے وزیر سے مشورہ کیا کہ اس وقت کیا تدبیر کرنی چاہیے۔ وزیر نے کہا: ''ہماری سلامتی اسی میں ہے کہ ہم جنگ کے تمام منصوبوں اور ارادوں کو ختم کر کے اس باہمت شخص کے سامنے شمشیر اور کفن لے کر حاضر ہو جائیں اور ہتھیار ڈال دیں۔'' بادشاہ نے کہا کہ آخر وہ تنہا ایک شخص ہی تو ہے تو پھر ایسی رائے مجھے کیوں دی جا رہی ہے؟ وزیر نے کہا: ''آپ اس شخص کی تنہائی کو بے وقعتی کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔ ذرا آنکھ کھول کر قلعہ کو دیکھیے

کہ سیماب کی طرح لرزاں ہے، اور اہلِ قلعہ کو دیکھئے کہ بھیڑوں کی طرح گردنیں نیچی کئے سہمے ہوئے ہیں۔ یہ شخص اگرچہ تنہا ہے لیکن اس کے سینہ میں جو دل ہے وہ عام انسانوں جیسا نہیں اس کی عالی ہمتی دیکھئے اتنی بڑی مسلح اکثریت کے سامنے تنہا شمشیرِ برہنہ لیے کس ثابت قدمی اور فاتحانہ انداز سے اعلانِ جنگ کر رہا ہے۔ (اللہ اکبر) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشرق و مغرب کی تمام فوجیں اس کے ساتھ ہیں وہ تنہا بجملہ لاکھوں انسانوں کے برابر ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ قلعہ سے جو سپاہی بھی اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ وہ اس کے گھوڑے کی ٹاپ کے نیچے پڑا نظر آتا ہے۔ جب میں نے ایسی عظیم الشان انفرادیت دیکھ لی ہے، تو پھر اے بادشاہ! آپ کو اس اکثریت سے کچھ بھی نہ بن پڑے گا۔ آپ کثرتِ اعداد کا اعتبار نہ کریں اصل چیز ''جمعیتِ قلب'' ہے۔ جو اس شخص کے دل میں بے پناہ ہے۔ یہ نعمت مجاہدات کے بعد تعلق باللہ کی برکت سے عطا ہوتی ہے۔ اس عطائے حق کو تم اس حالتِ کفر میں ہرگز حاصل نہیں کر سکتے لہٰذا فی الحال تمہارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس جاں باز مردِ مومن کے سامنے ہتھیار ڈال دو اور قلعہ کا دروازہ کھول دو۔ کیونکہ اس کے سامنے ہماری یہ اکثریت بالکل بے کار ہے۔''

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بعض اقلیت کے سامنے اکثریت کے تعطل اور ضعف کو ان چند مثالوں سے سمجھاتے ہیں۔ بے شمار ستارے روشن ہوتے ہیں لیکن ایک خورشید عالم تاب کا ظہور سب کو ماند کالعدم کر دیتا ہے۔

بے شک چوہے ہزاروں کی تعداد میں ہی کیوں نہ ہوں اگر وہاں لاغر و نحیف بلی بھی آجائے تو چوہوں کی اکثریت غلبۂ ہیبت و خوف سے بیک وقت مفرور ہو جاتی ہے۔ اس کی ایک میاؤں کو سنتے ہی ان کے کانوں میں اپنی مغلوبیت کی خوفناک ضربیں گونج اٹھتی ہیں۔ اس کے دانتوں اور پنجوں کی حرکاتِ جابرانہ ان کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چوہوں کے سینوں میں جو قلوب ہیں اور بلی کے سینہ میں جو دل

ہے اس میں فرق ہے، بلی کے دل میں جو جرأت اور ہمت ہے وہ چوہوں کے قلوب میں نہیں۔ چوہوں کی اتنی بڑی جماعت کا ایک بلی کے سامنے حواس باختہ اور ہوش رفتہ ہو جانا اس امر کی دلیل ہے کہ بلی کی جان میں جرأت قلبی کا پایا جانا ہی سبب ہے کہ چوہوں کی تعداد اگر ایک لاکھ بھی ہو تب بھی ایک لاغر و نحیف بلی کو دیکھ کر سب مفرور ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوا تعداد کوئی چیز نہیں جرأت اور ہمت ہی اصل چیز ہے۔

بھیڑ اور بکریوں کی تعداد ہزاروں میں ہی کیوں نہ ہو لیکن قصاب کی ایک چھری کے سامنے اتنی بڑی اکثریت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ دن کا وقت ہو یا رات کا ملازمت کا مسئلہ ہو یا کاروبار کا انسان کے دل و دماغ پر ہزاروں پریشانیاں منڈلاتی رہتی ہیں ان افکار اور حواس کی کثرت پر نیند بیک وقت طاری ہو کر سب کو فنا کر دیتی ہے۔

جنگل میں بڑے بڑے سینگوں والے قد آور اور طاقت رکھنے والے جانور ہزاروں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں مگر اکیلا شیر کتنی دلیری سے حملہ کرتا ہے، اور ان پر غالب آ جاتا ہے اور جس جانور کو چاہے ہلاک کر دیتا ہے۔

درسِ حیات:

☆ جب نصرتِ الٰہی پر کامل یقین ہو جائے تو مومن کے دِل سے مخلوق کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔

☆ انسان دُنیا میں بہت سے برے کام مختلف قسم کے خوف کی وجہ سے کرتا ہے، اگر خدا کی مدد پر یقینِ کامل ہو جائے تو انسان لاتعداد برائیوں سے بچ سکتا ہے۔

حکایت نمبر۱۴:

دُنیائے فانی

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہ وبارک وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنی عمر کا زیادہ تر حصہ جنگوں میں شرکت کرتے ہوئے ہی گزارا اور آخر کار شہادت کا ایسا جام نوش کیا جس کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جوانی کے زمانہ میں جو جنگیں لڑیں ان میں جنگی طریقِ کار کے مطابق ہمیشہ زرہ پہن کر اپنی مردانگی کے جوہر دکھلائے۔ جب پختہ توانائی کے ایام تھے تو زرہ پہن کر جنگیں لڑیں جب ایامِ پیری شروع ہوئے۔ تو زرہ پہننا بالکل ترک کر دیا پھر جنگوں میں بغیر زرہ کے ہاتھ میں تلوار لئے شیروں کی طرح سینہ تانے شامل ہوتے تھے۔

دوست احباب نے جب آپ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل دیکھا تو حیران ہو کر عرض کرنے لگے۔ اے عمِ رسول اللہ! اے صف شکن مجاہد! اے جواں مردوں کے سردار رضی اللہ عنہ! ہم نے تو یہ حکم سنا ہے کہ جان بُوجھ کر تم ہلاکت میں نہ پڑو۔ آپ رضی اللہ عنہ لڑتے وقت احتیاط سے کام کیوں نہیں لیتے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ جوان اور مضبوط طاقتور تھے۔ اس زمانے میں آپ رضی اللہ عنہ کبھی زرہ کے بغیر لڑائی میں شامل نہیں ہوتے تھے۔ اب جب کہ آپ رضی اللہ عنہ بوڑھے اور کمزور ہو گئے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ اپنی جان کی حفاظت اور احتیاط کے تقاضوں سے کیوں بے پرواہ ہو گئے ہیں۔ بھلا تلوار کس کا لحاظ کرتی ہے، اور تیر کس کی رعایت کرتا ہے۔ ہم کو تو یہ پسند نہیں کہ

آپ رضی اللہ عنہ جیسا دلیر اور بہادر محض اپنی بے احتیاطی کی بدولت دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔

غرض حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے غمگسار دیر تک اس قسم کی باتیں کرتے رہے۔ جب وہ خاموش ہوئے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب میں جوان تھا تو میں سمجھتا تھا کہ موت انسان کو اس دنیا کے عیش و آرام سے محروم کر دیتی ہے۔ اس لیے کون خواہ مخواہ موت کی جانب رغبت کرے اور جانتے بوجھتے ہوئے اژدھے کے منہ میں جائے۔ یہی وجہ تھی کہ میں اپنی جان کی حفاظت کے لئے زرہ پہنتا تھا۔

لیکن جب اسلام قبول کیا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضِ مبارک سے حقیقت سامنے آئی تو میرے خیالات بدل گئے کہ اس دنیا کے رنگ و بُو تو عارضی ہیں جبکہ آخرت کی زندگی دائمی ہے۔ اب مجھ کو اس دنیائے فانی سے کوئی لگاؤ نہیں رہا اور موت مجھ کو جنت کی کنجی معلوم ہوتی ہے۔...... زرہ تو وہ پہنے جس کے لئے موت کوئی دہشت ناک چیز ہو۔

جس کو تم موت کہہ رہے ہو میرے لئے وہ ابدی زندگی ہے۔

مرگ ہریك اے پسر ہمرنگ اوست
آئینہ صافی یقین ہمرنگ دوست

اے فرزند! ہر انسان کی موت اس کے کردار کے مطابق ہوتی ہے۔ یہ تو ایک صاف وشفاف آئینہ ہے۔ جس میں اپنا ہی چہرہ نظر آتا ہے۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ○○

درسِ حیات:

☆ موت ایک تلخ حقیقت ہے، اسے شیریں حقیقت بنانے میں مصروفِ عمل رہو!

حکایت نمبر ۱۵:

عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دعوی مرغابی کردہ است جاں
کہ زطُوفانِ بلا دارد فغاں

جان نے جب مرغابی ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے تو پھر طوفانِ بلا سے اس کو کب گلہ وفریاد ہے۔ مرغابی طوفان سے مغلوب نہیں ہوتی بلکہ موجوں کے نشیب وفراز پر غالب رہتی ہے۔

اسی طرح جانِ عاشق طوفان وحوادث سے متاثر ہوئے بغیر اپنے دلبر کی یاد میں مست رہتی ہے۔ عاشقِ صادق، کشتہ محبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ ازلی سعادت مندوں میں سے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف نامی ایک یہودی کے غلام تھے۔ امیہ کی اسلام دشمنی یہ کب برداشت کر سکتی تھی کہ اس کا زر خرید...... غلام مسلمان ہو گیا ہو۔ میخانۂ وحدت کا یہ مستانہ کیف ومستی میں کھویا رہتا تھا۔ حق تعالیٰ کی محبت نے کلمۂ توحید ظاہر کرنے پر انہیں مجبور کر دیا۔ جانِ عاشق نے جب محبوب کے ہاتھ میں خنجرِ عشق دیکھ لیا تو بے خوف وخطر مقتل کی جانب دوڑ پڑی۔

خنجرش چو سوئے خود راغب بدید
سر نہادن آں زماں واجب بدید

اے محبوبِ حقیقی! آپ رضی اللہ عنہ کی یاد میں نعرہ ہائے عشق مجھے اچھے لگتے ہیں اور قیامت تک اے محبوب اسی طرح مستانے نعرے لگانا چاہتا ہوں۔

بر سر مقطوع اگر صد خندق است
پیش درد او مزاح مطلق است

سر بریدہ عشقِ حق کے سامنے اگر سو خندقیں بھی ہوں اس کے دردِ عشق کے سامنے ان کی حیثیت ایک مزاح سے زیادہ نہیں۔ اس کی ایک تڑپ تمام خندقوں کو عبور کر لیتی ہے اس کا دردِ باطن ظاہری تکالیف سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔
حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نعرۂ احد لگانا تھا کہ اس یہودی کا غیظ و غضب ان پر ظلم اور زدوکوب کی صورت میں برس پڑا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو اتنا مارا کہ لہولہان کر دیا پھر گرم ریت پر لٹا کر گھسیٹتا اور کہتا کہ آئندہ وحدانیت کا نعرۂ لگانے کی جرأت نہ کرنا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بزبانِ حال عرض کرتے۔

بجرم عشق تو ہم میکشند وغوغا ئیست
تو نیز برسر بام آکہ خوش تماشا ئیست

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے جرم میں یہ کفار مجھ کو قتل کر رہے ہیں اور شور برپا کر رہے ہیں۔
اے محبوبِ حقیقی! آپ بھی آسمانِ دنیا پر تشریف لایئے اور اپنے عاشق کے اس تماشہ کو دیکھئے کہ کیسا اچھا تماشہ ہے۔
ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کوچۂ یار، امتحان گاہِ عشق سے گزر رہے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ خستہ حال اور لہولہان حالت میں احد احد کا نعرۂ لگا رہے تھے۔ عاشق کی

آواز میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بوئے محبوبِ حقیقی محسوس ہوئی جس سے آپ رضی اللہ عنہ محوِ لذت ہو گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اس مظلومیت کو دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دل تڑپ گیا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

آپ رضی اللہ عنہ عاشقِ زار کو کہنے لگے کہ تم دل میں اللہ کو یاد کر لیا کرو اس موذی کے سامنے ظاہر مت کیا کرو یہ ملعون ناحق تجھے ستاتا ہے۔ چند دنوں کے بعد پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا دیکھتے ہیں کہ پھر وہی ماجرا ہے۔ یہودی ان کو بری طرح زدو کوب کر رہا ہے۔

تن بہ پیش زخم خار آن جہود
جانِ اُو مست و خراباں و دودر

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا جسم تو اس ظالم یہودی کے سامنے زخم خوردہ تھا۔ لیکن ان کی روح حق تعالیٰ شانہ، کی بارگاہِ قرب میں مست و خوابِ عشق ہو رہی تھی اور بہارِ لازوال لُوٹ رہی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھر نصیحت فرمائی کہ بھائی کیوں اس ظالم کے سامنے نعرۂ مست لگاتے ہو۔ دل میں خاموشی کے ساتھ احد احد کہتے رہا کرو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اچھا پھر میں توبہ کرتا ہوں کہ اب آپ رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے خلاف نہ کروں گا۔

اس مقام پر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

باز پندش داد باز او توبہ کرد
عشق آمد توبہ او را بخورد

جب پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو سکوت و اخفا کی نصیحت فرمائی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پھر توبہ کی لیکن جب عشق آیا تو ان کی توبہ کو کھا گیا یعنی توبہ ٹوٹ گئی۔ عاشق کو ذکرِ محبوب کے بغیر کب سکون ملتا ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہزارہا مصائب وآلام کے باوجود رازِ عشق کو مخفی نہ رکھ سکے۔

عشق خونی چوں کند زہ بر کماں
صد ہزاراں سر بپولے آں زماں

عشقِ خونی جب اپنا چلہ کمان پر چڑھاتا ہے اس وقت ہزاروں سر ایک پیسے کے عوض بک جاتے ہیں۔

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے متعدد بار نصیحت فرمانے کے باوجود جب ہر بار یہی ماجرا دیکھا کہ وہ یہودی ظلم کر رہا ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ احد احد کا نعرۂ مستانہ لگا رہے ہیں تو اس صورتِ حال کو رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مصائب سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں ...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضور اگر حکم ہو تو آپ کا یہ خادم انہیں خرید لے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی خریداری میں میری بھی شرکت ہوگی۔ اس کالے جسم میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا ایسا نور جلوہ گر ہو گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کے خریدار ہو گئے۔ ایمان اور عشق نے انہیں انمول بنا دیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کیف ومستی سے سرشار نیم مدہوشی کے عالم میں احد احد کے نعرے لگا رہے تھے، اور وہ ظالم یہودی آپ رضی اللہ عنہ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ کالے رنگ والا حبشی غلام مجھے دے یہ سفید فام اور خوبصورت غلام قسطاس جس کی قیمت کئی ہزار دینار ہے تم لے لو اس یہودی نے غلام کے ساتھ رقم بھی مانگی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے منہ مانگی رقم ادا کی ...... اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔

مصطفیٰ اش در کنار خود کشید
کس چہ داند لذتے کو را چشید

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عاشقِ زار کو آغوشِ رحمت میں لے لیا۔

ہجر و فراق کے لمحے بیت گئے بلال رضی اللہ عنہ کی پیاسی جان نے جو لطف اس وقت محسوس کیا......اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

دُکھ درد کے ماروں کو غم یاد نہیں رہتے
جب سامنے آنکھوں کے غم خوار نظر آئے

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں محبت کے آنسو تھے، اور فرمانے لگے:

توچرا تنہا خریدی بھر خویش
باز گو احوال اے پاکیزہ کیش
گفت اے صدیق آخر گفمت
کہ مرا انباز کن در مکرمت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے صدیق رضی اللہ عنہ کیا میں نے تجھے کہا نہیں تھا کہ مجھے بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کرانے کے شرف میں شریک کرنا تو نے اس کو کیوں تنہا خریدا اے پاکیزہ فطرت آدمی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان۔ میں اور بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادنی غلام ہیں، اور میرا سب کچھ تو ہے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبول فرمائیں۔

الٰہی! کیا شان ہے تیرے نام کی۔ کن نا قابلِ تسخیر قوتوں کا مخزن ہے تیری ذات پر ایمان۔ کیا عظمتیں ہیں تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طوقِ غلامی کی جن کو یہ سرمدی نعمتیں تُو ارزانی فرماتا ہے، وہ ذرے ہوں تو رشکِ آفتاب بن جاتے ہیں۔

وہ قطرے ہوں تو سمندر کی بیکرانیوں کے امین بن جاتے ہیں، وہ غلام ہوں تو دنیا کے کج کلاان کے باج گزار بن جاتے ہیں۔

بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی
کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی
غم زدوں کو رضا مژدہ دیجئے کہ ہے
بے کسوں کا سہارا ہمارا نبی

درسِ حیات:

☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اگر جان بھی چلی جائے تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں۔

☆ دین کے راستے میں جب مشکلات آئیں تو ہمیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسی ہستیوں کی زندگیوں پر نگاہ ڈال لینی چاہیے۔

حکایت نمبر ۱۶:

پختہ ایمان

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مہمان خانے میں چند مہمانوں نے کھانا کھایا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ دستر خوان شورے وغیرہ کے لگ جانے سے زرد فام ہو گیا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے خادمہ کو بلایا اور اسے دستر خوان دے کر فرمایا کہ اس کو جلتے ہوئے تندور میں ڈال دو۔ خادمہ نے حسبِ حکم ایسا ہی کیا۔ جملہ مہمانوں کو حیرت ہوئی اور دستر خوان کے جلنے اور اس سے دھواں اٹھنے کا انتظار کرنے لگے لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آگ نے دستر خوان کو چھوا تک نہیں۔ خادمہ نے اسے صحیح سلامت تندور سے نکالا اس وقت وہ نہایت سفید اور صاف ہو چکا تھا، اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے دھو کر اس کی میل نکال دی ہے۔

دوست احباب نے جب یہ ماجرا دیکھا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''اے صاحبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کیا وجہ ہے؟ کہ دستر خوان آگ سے محفوظ رہا اور پھر صاف بھی ہو گیا۔

گفت زانکه مصطفیٰ دست ودھاں
بس بمالید اندریں دستار خواں

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس

دستر خوان سے بارہا اپنے دستِ مبارک اور لبِ مبارک کو صاف کیا تھا اس لئے اسے آگ نہیں جلا سکی۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے دل ترسندہ از نار و عذاب
باچناں دست و لبے کن اقتراب

اے دل! اگر تجھے آتشِ دوزخ سے نجات پانے کی فکر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قُرب حاصل کر، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک لگنے سے بے جان چیز کو جلنے سے بچا لیا گیا تو جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عاشقِ زار ہوگا، جس کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہوگی وہ کیسے جلے گا۔

پھر مہمانوں نے خادمہ سے پوچھا کہ تُو نے بلا تامل حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کہنے پر بغیر سوچے سمجھے دستر خوان کو آگ میں ڈال دیا کیا تو ڈری نہیں کہ اتنا قیمتی دستر خوان جل جائے گا؟ اس نے جواب دیا میں حکم کی غلام ہوں اور مجھے یہ یقین ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ جو حکم فرمائیں گے وہ نقصان رساں نہ ہوگا۔

اے دل ترسندہ از نار و عذاب
باچناں دست و لبے کن اقتراب

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نصیحت فرماتے ہیں:
کہ وہ شخص جس کا دل جہنم کی آگ اور عذاب سے خوفزدہ ہو اس کو چاہیے کہ ایسے مبارک ہاتھوں اور لبوں کے قریب ہو جائے جن کا طریقہ......اتباعِ سنت ہو۔

چوں جمادے را چنیں تشریف داد
جان عاشق را چھا خواھد کشاد

خدا کے پیارے حبیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھ اور وضحیٰ کے مکھڑے

والے لب مبارک اگر کسی چیز کو مس کریں تو ان کو یہ شرف حاصل ہو جاتا ہے کہ انہیں آگ تک نہیں چھو سکتی۔ اور جو امتی سرکار ﷺ سے عقیدت ومحبت رکھے گا تو نہ جانے آپ ﷺ اس کو کیا کچھ عطا فرمائیں گے۔

اے عزیزم:
صدق اور ایمان کی پختگی میں عورت سے کم نہ ہو۔
مردانِ خدا کا دامن پکڑ جن کی۔
لمس سے کندن بن جاؤ گے۔

درسِ حیات:

☆ جس نے حضرت محمد ﷺ سے تعلق پیدا کر لیا، اس کی نجات ہو گئی۔ یاد رکھو! آپ ﷺ سے نسبت صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے جب آپ ﷺ کی کامل اطاعت کی جائے۔

حکایت نمبر ۱۷:

پشیمانی کے آنسو

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آرام فرما رہے تھے کہ اچانک کسی نے آپ رضی اللہ عنہ کو بیدار کر دیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اِدھر اُدھر دیکھا تو ان کو کوئی شخص نظر نہ آیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص دروازے کی آڑ میں اپنا منہ چھپائے کھڑا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: ''تُو کون ہے؟'' اُس نے جواب دیا: ''میرا نام ایک زمانہ جانتا ہے۔ میں بدبخت ابلیس ہوں۔'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے ابلیس تُو نے مجھے کیوں جگایا؟'' اس نے کہا: ''اے امیر! نماز کا وقت تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو مسجد کی طرف جلد دوڑ کر جانا چاہیے۔ قبل اس کے کہ وقت نکل جائے۔'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہرگز یہ غرض تیری نہیں ہو سکتی کہ تُو خیر کی طرف کبھی رہنمائی کرے۔ میرے گھر میں چور کی طرح گھس آیا اور کہتا ہے کہ میں پاسبانی کرتا ہوں بھلا میں چور کی بات پر کیسے یقین کر سکتا ہوں اور تُو میرا بہی خواہ کب ہو سکتا ہے۔''

ابلیس نے کہا ''ہم کبھی فرشتوں میں شامل رہے ہیں اور اطاعت کے راستے کو دل و جان سے طے کر چکے ہیں...... سفر کرتے ہوئے کوئی خواہ کہیں چلا جائے وطن کی محبت اس کے دل سے کب جا سکتی ہے۔ ہم بھی خدا کے دریائے رحمت سے پانی پی چکے ہیں اور اس کی رضا کے باغ کی سیر کر چکے ہیں کبھی ہم بھی اس کی درگاہ کے عاشق تھے۔ اگر اس کے

دریائے کرم نے مجھ پر عتاب کیا تو پھر کیا ہوا۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اے راہزن مجھ سے بحث مت کر تجھ کو میرے اندر گمراہ کرنے کا راستہ نہیں مل سکے گا۔ میرے اندر راستہ مت ڈھونڈ سچ سچ بتا کہ تُو نے مجھے نماز کے لئے کیوں بیدار کیا تیرا کام تو گمراہ کرنا ہے۔ اس خیر کی دعوت میں کیا راز ہے۔ جلد بتا!!!" ابلیس نے کہا: "بدگمان آدمی تو سچی بات کو سو دلیلوں کے باوجود تسلیم نہیں کرتا میرا قصور صرف یہ ہے کہ ایک بدی کر بیٹھا اور دنیا میں بدنام ہو گیا۔ حضور! اصل بات یہ ہے کہ اگر آپ رضی اللہ عنہ کی نماز فوت ہو جاتی تو دنیا آپ رضی اللہ عنہ کی نگاہوں میں تاریک ہو جاتی تو آپ رضی اللہ عنہ شدید غم اور صدمہ سے رو رو کر نڈھال ہو جاتے آپ رضی اللہ عنہ کی یہ آہ وزاری دل کا سوز وگداز اور درد و نیاز سو نمازوں کے ثواب سے بڑھ جاتا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے قربِ اعلیٰ کے خوف اور حسد نے مجھے آپ رضی اللہ عنہ کو بیدار کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ بھلا مجھ کو یہ کب گوارا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس قدر زیادہ ثواب حاصل کر لیں آپ رضی اللہ عنہ کو جگانے کا باعث میرا یہی جذبۂ حسد تھا۔ میں نے اسی خوف سے آپ رضی اللہ عنہ کو بیدار کر دیا تا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی آہ وبقاء مجھے جلا نہ دے۔ میں انسان کا حاسد ہوں میں اس کا بھلا کیسے سوچ سکتا ہوں اسی حسد سے میں نے ایسا کیا ہے۔ میں انسان کا دشمن ہوں میرا دل یہ کیسے گوارا کرے کہ اسے کوئی فائدہ پہنچے۔"

گفت اکنوں راست گفتی صادقی
از تو ایں آید تو ایں را لائقی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہاں اب تُو نے اصل بات بتائی۔ دراصل تُو نہیں چاہتا کہ میں خلوص اور درد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاؤں اور اپنی آنکھوں سے ندامت اور پشیمانی کے آنسو بہاؤں کیونکہ اس آہ وفغاں کا حق تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا درجہ ہے۔"

درسِ حیات:

☆ شیطان، انسان کا کھلا دشمن ہے اس لئے ہر لمحہ اس سے چوکنے رہو!

حکایت نمبر ۱۸:

امتحانِ وفا

آں دم کہ دل بعشق دھی خوش دمے بود
درکار خیر حاجت ھیچ استخارہ نیست

وہ وقت کتنا مبارک ہوتا ہے کہ جس وقت دل کو حق تعالیٰ کی محبت کا درد عطا ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ کی محبت میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ پر عجیب حالت طاری ہوگئی۔ ایسی شورش و دیوانگی طاری ہوگئی تھی کہ آپ کی آہوں سے لوگوں کے کلیجے منہ کو آجاتے تھے۔

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں می بایدم

محبت میں بجز نالہ وفریاد کے کچھ اچھا نہیں لگتا گریہ وزاری اور تضرع سے حق تعالیٰ کا راستہ بہت جلد طے ہوتا ہے۔ اس قدر قُرب ہوتا ہے کہ سالہا سال کے مجاہدے سے وہ بات نصیب نہیں ہوتی۔

حاکمِ وقت نے آپ کو قید میں ڈالنے کا حکم دے دیا۔ زندان جب آپ کو قید خانے کی طرف لے کر چلے تو آپ کے شاگرد اور مرید روتے ہوئے پیچھے پیچھے ہو لیے وہ کہتے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسے کامل ولی پر جنون کا غلبہ ہو اس میں کوئی ضرور راز پوشیدہ ہے۔

جب آپ کو قید خانہ میں ڈال کر دروازہ بند کر دیا گیا تو دوست احباب نے غور وفکر شروع کیا کہ آخر کیا ماجرا ہے کہ اتنا بڑا شیخ قید خانے میں محصور کر دیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مہتاب باطن کو ابر جنون سے چھپانا چاہتے ہیں، اور عوام کے شر سے بچنے کے لئے یہ صورت اختیار کی ہے۔ ایسی عقل وخرد سے پناہ جو ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے عشق وعرفان کی دولت کو جنون سمجھے۔

آخر کاران سب نے زندان کی سلاخوں کے قریب آ کر عرض کیا کہ ''حضور! ہم سب آپ کے چاہنے والے ہیں۔ آپ کے معتقد اور جانثار ہیں۔ آپ کی مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے ہیں، اور حیران ہیں کہ کس نے آپ پر جنون کا الزام لگا دیا۔ آپ تو دریائے عقل ہیں۔ یہ اہلِ ظاہر آپ کے مقامِ قرب اور رفعتِ باطن سے ناواقف ہیں، اور آپ کو مجنون و دیوانہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ آپ تو سچے عاشق ہیں۔ ہم لوگ آپ کے سچے محبّ اور دوست ہیں...... دونوں عالم میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو عزیز رکھتے ہیں۔ براہِ کرم ہم پر اس راز کا انکشاف فرما دیجئے...... آپ اس قید خانے میں اپنی جان کو کیوں مصائب وآلام میں مبتلا کر رہے ہیں۔ آپ کی ایسی حالت سے ہمارا دل کڑھتا ہے۔ راز کو اپنے دوستوں سے نہیں چھپایا کرتے۔''

حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی گفتگو میں بوئے اخلاص محسوس نہ کی ...... آپ نے دل میں کہا ''آؤ ان کی وفاداری اور محبت کو آزمائیں۔'' امتحانِ اخلاص کے لئے ان کی طرف پتھر اٹھا کر دوڑے جیسے پاگل وحشت میں لوگوں کو مارنے کے لئے دوڑتا ہے۔ یہ معاملہ دیکھتے ہی سب لوگ ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے۔ شیخ نے جب ان کو یوں بھاگتے ہوئے دیکھا تو ان کے اعتقاد ومحبت پر قہقہہ لگایا اور فرمایا کہ اس درویش کے دوستوں کو دیکھو۔ ان کی وفا اور اُلفت کے دعوے سنو!

ارے نادانو! تم محبت ودوستی کو کیا جانو۔

کے کراں گیرد زرنج دوست دوست
رنج مغز و دوستی او را چو پوست

سچا دوست دوست کے رنج و تکلیف سے کب کنارہ کشی کرتا ہے دوست کی دوستی تو پوست ہے اور دوست کی طرف سے رنج و تکلیف اصلی مغز ہے۔

دوست ھمچو زر بلا چوں آتش است
زر خالص در دل آتش خوش است

دوست مثل سونے کے ہے اور بلا و مصیبت مثل آگ کے ہے۔ خالص سونا آگ کی تکلیف میں اور چمکتا ہے، اور خوش ہوتا ہے، اور عاشقینِ خام کا یہ حال ہوتا ہے۔

تو بیك زخمے گریزانی زعشق
تو بجز نامے نمی دانی زعشق

اے مخاطب! جب ایک ہی زخم سے تُو عشق سے مستعفی ہو گیا اور راہِ فرار اختیار کر لی تو معلوم ہوا کہ تجھے ابھی عشق کی ہوا بھی نہیں لگی تُو نے صرف عشق کا نام سن رکھا ہے۔ پس محبت کا راستہ آسان نہیں۔

جو حادثے یہ جہاں میرے نام کرتا ہے
میرا شعور انہیں نذرِ جام کرتا ہے
فقیہہِ شہر نے تہمت لگائی صوفی پر
یہ شخص درد کی دولت کو عام کرتا ہے

درسِ حیات:

☆ جو مصیبت میں کام نہ آئے وہ دوست نہیں۔

حکایت نمبر ۱۹:

ندامت کے آنسو

ایک خوش الحان آدمی سارنگی بجایا کرتا تھا۔ اس کی آواز پر مرد وعورت بچے سبھی قربان تھے۔ کبھی مست ہو کر گاتا ہوا جنگل سے گزرتا تو چرند پرند اس کی آواز سننے کے لئے جمع ہو جاتے۔ ان بھول بھلیوں میں جب یہ عمر گزار بیٹھا اور بڑھاپے کے آثار نمودار ہو گئے تو آواز پیری کے سبب بھدی ہو گئی تو عُشاقِ آواز بھی رفتہ رفتہ کنارہ کش ہو گئے، اور نہ ہی اس کی سارنگی میں وہ سوز رہا۔ اب وہ جدھر سے گزرتا کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا۔

نام وشہرت سوئے رُخصت ہو گئے۔ ویرانی اور گمنامی میں فاقے پر فاقے گزرنے لگے۔ اس پر بے کسی کا عالم تھا۔ خلق کی اس خود غرضی کو دیکھ کر ایک دن بہت مغموم ہوا اور دل میں کہنے لگا: ''یا اللہ جب میں خوش آواز تھا تو مخلوق مجھ پر پروانہ وار گرتی تھی اور ہر طرف میری تواضع ہوتی تھی۔ اب بڑھاپے کی وجہ سے آواز خراب ہو گئی ہے تو یہ ہوا پرست اور خود غرض لوگ میرے سائے سے بھی گریزاں ہو گئے ہیں۔ ہائے! ایسی بے وفا مخلوق سے میں نے دل لگایا۔ یہ تعلق کس درجہ پُر فریب تھا۔ کاش! میں آپ کی طرف رجوع ہوا ہوتا، اپنے شب وروز تیری ہی یاد میں گزارتا اور تجھی سے ہی امیدیں وابستہ رکھتا تو آج یہ دن نہ دیکھتا۔''

سارنگی بجانے والا دل ہی دل میں نادم ہو رہا تھا، اور آنکھوں سے آنسو جاری

تھے۔اس نے ایک آہ بھری اور خلقِ خدا سے منہ موڑ کر دیوانہ وار مدینہ منورہ کے قبرستان کی طرف روانہ ہوگیا اور ایک پرانے غار نما گڑھے میں جا بیٹھا۔روتے ہوئے اس نے عرض کیا: ''اے اللہ! آج میں تیرا مہمان ہوں ساری مخلوق نے مجھے چھوڑ دیا ہے تو اب بجز تیری بارگاہ کے میرے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں۔اے اللہ آشنا بیگانے ہو چکے، اپنے پرائے ہو چکے اب سوائے تیرے میرا کوئی آسرا نہیں۔'' سارنگی بجانے والا اس طرح آہ وزاری میں مشغول تھا اور اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔بارگاہِ الٰہی میں اس کے یہ ندامت کے آنسو قبول ہو گئے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو الہام ہوا کہ میرا افلاں بندہ جو اپنی خوش آوازی کے سبب زندگی بھر مخلوق میں مقبول و محبوب رہا، اور اب بوجہ پیری آواز خراب ہو جانے سے ساری خلقت نے اسے چھوڑ دیا ہے۔اس کی یہ ناکامی میری طرف رجوع کا سبب بن گئی ہے۔اس کے پاس جا کر اس کی ضرورت کو پورا کریں۔ہم نے اپنے فضل کو اس کے لئے خاص کر دیا ہے۔اب اسے مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً اُٹھے اور ضرورت کا سامان لے کر اس کی طرف چل دیئے قبرستان کے نزدیک شکستہ غار نما گڑھے میں ایک بزرگ انہیں سوئے ہوئے نظر آئے جن کا چہرہ اور داڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔اسی اشکِ ندامت سے ان کو یہ مقام ملا تھا۔

پیر جنگی کے بود خاص خدا
حبذا اے سر پنہاں حبذا

سارنگی بجانے والا بڈھا کب خاص اور مقبول ہو سکتا تھا مبارک ہو اے راز پنہاں مبارک ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس غار کہنہ کے سامنے کھڑے ہو گئے، تاکہ بزرگ بیدار ہوں تو ان سے ملاقات کروں۔اسی اثنا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھینک آ گئی جس سے ان کی آنکھ کھل گئی۔خلیفۃ المسلمین رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر غلبۂ ہیبت سے وہ کانپنے لگے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ بزرگ لرزہ براندام ہیں تو ارشاد فرمایا کہ خوف مت کرو۔میں تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے لئے بہت بڑی خوش خبری لایا ہوں۔سارنگی والے کو جب آپ رضی اللہ عنہ کی

زبانِ مبارک سے حق تعالیٰ کے الطاف وعنایات کا علم ہوا تو اس مشاہدۂ رحمتِ الٰہی سے اس پر شکر وندامت کا حال طاری ہو گیا۔ اپنے ہاتھ کو ندامت سے چبانے لگا اور اپنے اوپر غصہ ہونے لگا اپنی غفلت اور حق تعالیٰ کی رحمت کا خیال کر کے ایک چیخ ماری اور کہا کہ اے میرے آقائے بے نظیر میں اپنی نالائقی اور غفلت کے باوجود آپ کی رحمتِ بے مثال کو دیکھ کر مارے شرم کے پانی پانی ہو رہا ہوں۔ جب سارنگی والا بزرگ خوب رو چکا اور اس کا درد حد سے گزر گیا تو اپنی سارنگی کو غصے سے زمین پر پٹخ کر ریزہ ریزہ کر دیا اور اس کو مخاطب کر کے کہا کہ تُو نے ہی مجھے حق تعالیٰ کی محبت ورحمت سے محجوب رکھا تھا۔ تُو نے شاہِ راہِ حق سے میری رہزنی کی تھی تُو نے ہی ستر سال تک میرا خونِ جگر پیا یعنی تیری ہی وجہ سے لہو ولعب اور نافرمانی کرتے کرتے بوڑھا ہو گیا۔ اس مردِ پیر کی گریہ وزاری اور آہ وبکا سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بھی اشکبار ہو گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے شخص تیری یہ گریہ وزاری اب تیرے قلب وباطن کی صفائی کی دلیل ہے۔

تیری جان اب حق تعالیٰ کے قرب سے زندہ اور روشن ہو گئی ہے۔ اللہ عزوجل کے حضور گنہ گار کے آنسوؤں کی بڑی قدر وقیمت ہے۔

که برابر می کند شا مجید
اشك را در وزن با خون شهید

حق تعالیٰ گنہ گار بندے کے ندامت سے نکلے ہوئے ایک آنسو کو شہید کے قطرۂ خون کے ہم وزن رکھتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحبتِ مبارکہ کے فیض سے اسے نئی زندگی ملی اور ندامت کے آنسوؤں کے سبب اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنا فضل فرما دیا۔

درسِ حیات:

☆ اپنی غلطیوں اور گناہوں پر نادم ہو کر تائب ہونے سے اللہ کریم معاف فرما دیتے ہیں۔

☆ ربّ تعالیٰ کے ہاں گناہگار کے آنسوؤں کی بڑی قدر وقیمت ہے۔

حکایت نمبر ۲۰:

نقاب پوش عاشق

یہ نقاب پوش بزرگ کسی خطۂ عرب کے بادشاہ تھے پہلے بڑے شاعر اور عشقِ مجازی میں مبتلا تھے۔ حکومت اور ملک کے حریص، نازک طبع اور صاحبِ جمال تھے...... عشقِ حقیقی کی طرف ان کی رغبت ہونے لگی اس کیف و مستی کا ان کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ حکومت وسلطنت تلخ محسوس ہونے لگی۔

دست در دیونگی باید زدن
زیں خرد جاهل همی باید شدن

عشقِ حق دل میں پیدا کرو۔ محض خرد سے حق تک رسائی نہ ہوگی بلکہ جو عقل نورِ وحی سے منور نہ ہو اس سے تو جاہل ہی رہنا بہتر ہے۔

بالآخر عشقِ حقیقی نے اس بادشاہ کو تخت و تاج سے بے نیاز کر کے آدھی رات کو جنگل کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا کوہ و دریا، دشت و دمن سے دیوانہ وار گزرتا ہوا وہ بادشاہ اپنی حدودِ سلطنت سے نکل کر سرحدِ تبوک میں داخل ہو گیا چہرہ پر نقاب ڈال لیا تا کہ...... جلالتِ شاہانہ سے لوگ نہ سمجھ لیں کہ یہ گدڑی پوش کسی ملک کا رئیس یا بادشاہ ہے، ملکِ تبوک میں اس بادشاہ پر جب کئی فاقے گزر گئے تو ضعف و نقاہت سے مجبور ہو کر

مزدوروں کے ساتھ اینٹیں بنانے لگا۔ اگرچہ وہ بادشاہ چہرے پر نقاب کئے ہوئے تھا لیکن اس کے رنگ وڈھنگ سے مزدوروں میں تذکرے ہونے لگے کہ یہ نقاب پوش کسی ملک کا سفیر یا بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ خبر شاہِ تبوک تک پہنچ گئی۔ شاہِ تبوک کو فکر لاحق ہوگئی کہ یہ ماجرا کیا ہے......؟ شاہِ تبوک نے فوراً سامانِ سفر باندھا اور اس مزدور بادشاہ کی جھونپڑی میں جا پہنچا، اور دریافت کرنے لگا۔ ''اے صاحبِ جمال! آپ اپنے صحیح حال سے مجھے آگاہ کریں۔ آپ کا یہ روشن چہرہ شہادت دیتا ہے کہ آپ کسی ملک کے بادشاہ ہیں۔ یہ فقر ومسکنت کا سبب کیا ہے؟ آپ نے اپنی راحت اور سلطانیت کو فقر کی ذلت پر قربان کیا۔ اے عالی حوصلہ! آپ کی ہمت پر میری یہ سلطنتِ تبوک ہی نہیں بلکہ صدہا سلطنتیں قربان ہوں مجھے جلد اپنے راز سے آگاہ کریں۔ اگر آپ میرے پاس مہمان رہیں تو یہ میری خوش نصیبی ہوگی اور آپ کے قرب سے میری جان بوجہ خوشی سو جان کے برابر ہو جائے گی۔'' اس طرح بہت سی ترکیبوں سے شاہِ تبوک اس لباسِ فقر میں ملبوس بادشاہ سے دیر تک باتیں کرتا رہا تاکہ اس کا راز منکشف ہو جائے راز و نیاز کی گفتگو کی بجائے اس نقاب پوش بادشاہ نے شاہِ تبوک کے کان میں دردِ عشق کی نہ جانے کیا بات کہہ دی کہ شاہِ تبوک نے درد بھری چیخ ماری گریبان چاک کر دیا......شاہانہ جاہ وجلال کا ہوش نہ رہا......حسنِ لازوال کے عشق ومحبت میں ماہیِ بے آب کی طرح تڑپنے لگا......آدھی رات کا وقت ہوا......دونوں بادشاہ اس ملک سے نکل کر مالک الملک کی طرف کسی اور علاقے میں چل دیئے تاکہ خلقت پریشان نہ کرے اور فراغِ قلب سے محبوبِ حقیقی کی یاد میں مشغولی نصیب ہو......اس نقاب پوش عاشق صادق کی بات میں نہ جانے کیسی لذت تھی کہ شاہِ تبوک پر سلطنت کی تمام لذتیں حرام ہوگئیں۔ سارے عیش اس لذت کے سامنے ہیچ ہوگئے اور دل میں عشقِ الٰہی کا ایک دریا موجزن ہوگیا۔ شاہِ تبوک نے اسی وقت اپنے سینے میں تعلق باللہ کی دولت محسوس کی۔

جزاك الله که چشم باز کر دی
مرا با جانِ جاں همراز کر دی

خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے ہماری آنکھیں کھول دیں اور

محبوبِ حقیقی سے ہمراز کر دیا۔ اس نقاب پوش صاحبِ نسبت بادشاہ سے عرض کیا کہ ہمیں بھی اپنے ہمراہ لے چلیں آپ کا قلب سرچشمۂ آتشِ عشق ہے۔ اس عشقِ حق کی آگ سے میرا سینہ بھی بھر دیجئے۔ سلطنت ترک کر کے آپ کا مزدوروں کے ساتھ اینٹیں بنانا اور لباسِ فقر میں خستہ حال رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ باطن میں کوئی دوسری سلطنت دیکھ چکے ہیں۔ جس کے سامنے ہفتِ اقلیم کی سلطنت بھی گرد ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صرف ان دو بادشاہوں کو ہی نہیں اور بھی بے شمار بادشاہوں کو عشق نے ان کے ملک اور خاندان سے جدا کر دیا جب عشق خونی کمان پر چلہ چڑھا لیتا ہے تو لاکھوں سر اس وقت ایک پیسے کے مُول بک جاتے ہیں۔

صد هزاراں سر به پولے آں زمان
عشق خونی چوں کنده زه بر کماں

درسِ حیات:

☆ جب حق سے آشنائی ہو جائے تو دُنیا کی ہر چیز ہیچ نظر آنے لگتی ہے۔

حکایت نمبر ۲۱:

سونے کی سوئی

جب حق تعالیٰ کی رحمت وعنایت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہوئی تو ان پر عشقِ حقیقی کا ایسا رنگ چڑھا کہ بلخ کی سلطنت چھوٹ گئی۔

مگر باطنی سلطنت ایسی ملی جس کے سامنے ہفتِ اقلیم کی سلطنت بلکہ زمین وآسمان کے خزانے بھی بے حقیقت ہو گئے۔ شاہ کو خود بھی خود کی خبر نہ تھی کہ سلطنت کا سرسبز وشاداب باغ آتشِ حقیقی کی نظر ہونے والا ہے...... کوڑیاں چھن کر جواہرات عطا ہونے والے ہیں۔ خارستان سوختہ ہو کر چمنستانِ بے خزاں بننے والا ہے۔ جب کسی کے بھلے دن آتے ہیں تو اسی طرح ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ رات کو بالا خانہ پر سو رہے تھے کہ اچانک پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ گھبرائے کہ رات کے وقت شاہی بالا خانہ پر کون لوگ ایسی جرأت کر سکتے ہیں۔ دریافت فرمایا: ''اے واردینِ کرام آپ کون لوگ ہیں؟'' یہ فرشتے تھے جو حق تعالیٰ کی طرف سے غفلت زدہ دل پر چوٹ لگانے آئے تھے۔ فرشتوں نے جواب دیا ''ہم یہاں اپنا اُونٹ تلاش کر رہے ہیں۔'' بادشاہ نے کہا: ''حیرت ہے کہ شاہی بالا خانہ پر اُونٹ تلاش کیا جا رہا ہے۔''

ان حضرات نے جواب دیا کہ ''ہمیں اس سے زیادہ حیرت آپ پر ہے کہ اس ناز پروری اور عیش میں خدا کو تلاش کیا جا رہا ہے۔''

پس بگفتندش کہ تو بر تخت شاہ
چوں ھمی جوئی ملاقات از اللہ

انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ تو شاہی تخت پر حق تعالیٰ کی ملاقات کو کیوں تلاش کر رہا ہے۔ یہ کہہ کروہ رجال الغیب تو غائب ہو گئے لیکن بادشاہ کے دل پر ایسی چوٹ لگ گئی کہ ملک وسلطنت سے دل سرد ہو گیا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے لوگو! سلطنت کو مثل ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے جلد خیر باد کہدو تا کہ ان کی طرح تم بھی سلطنتِ باطنی سے مشرف ہو جاؤ۔ عشقِ حقیقی جب اغلب ہوا تو حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سلطنت ترک کرنے پر مجبور ہو گئے۔ عشق، کائنات کی تمام لذتوں سے دل کو بے زار کر دیتا ہے۔

آدھی رات کا وقت ہوا بادشاہ اُٹھا۔ کمبل اوڑھا اور اپنی سلطنت سے نکل پڑا۔ سوزِ عشق کی ایک آہ نے زندانِ سلطنت کو پھونک دیا اور دستِ جنون کی ایک ضرب نے گریبانِ ہوش کے پرزے اڑا دیئے سلطنتِ بلخ ترک کر کے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نیشا پور کے صحرا میں ذکرِ حق میں مشغول ہو گئے۔

حزبہ ذکر خویش مشغولم مکن
از کرم از عشق معزولم مکن

اے محبوبِ حقیقی! اپنے ذکر کے علاوہ مجھے کسی کام میں مشغول نہ کیجئے اور اپنے کرم کے صدقے میں اپنے عشق سے مجھے معزول نہ فرمائیے۔

حق تعالیٰ کا ذکر ہی اس روح کی غذا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت سے زخمی دل کے لئے ذکرِ حق ہی مرہم ہے۔ آپ دس برس تک صحرائے نیشا پور میں دیوانہ وار عبادت میں مصروف رہے۔ سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنے باطن میں نسبت اور تعلق باللہ کا بدرِ کامل روشن دیکھ لیا تو تمام خواہشاتِ نفسانیہ اور ظاہری آرائشوں سے مستغنی ہو گئے۔ کہاں تاج وتختِ شاہی اور کہاں اب دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے گدڑی سی رہے ہیں۔ سلطنتِ بلخ کا وزیر اس طرف سے گزر رہا تھا۔ اس نے بادشاہ کو اس حال

میں دیکھ کر......اس کورِ باطن نے دل میں سوچا یہ کیا حماقت ہے ہفتِ اقلیم کی سلطنت ترک کر کے مثل گداگروں کے گدڑی سی رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہو گیا کہ یہ کیا سوچ رہا ہے آپ نے فوراً اپنی سوئی دریا میں پھینک دی اور باآواز بلند دعا فرمائی کہ اے اللہ تعالیٰ میری سوئی مجھے واپس عطا فرمائی جائے۔ دریا سے فوراً ہزاروں مچھلیوں نے اپنے لبوں میں ایک ایک ''سونے کی سوئی'' لے کر پانی سے منہ باہر نکالا۔ جب اس امیر نے یہ کرامت دیکھی تو اپنے فاسد خیالات پر اور اپنی بے خبری پر سخت نادم ہوا۔

شرمندگی اور ندامت سے ایک آہ کھینچی اور کہنے لگا کہ افسوس مچھلیاں اس مردِ کامل کے مقام سے آگاہ ہیں اور میں انسان ہو کر ناواقف ہوں میں بدبخت اس دولت سے محروم ہوں مگر مچھلیاں اس معرفت سے آگاہ ہیں۔

اس کے بعد سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اے امیر! یہ سلطنت دل کی بہتر ہے یا وہ حقیر فانی سلطنت بلخ کی۔

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را
عاشقم من بر فنِ دیوانگی
سیرم از فرہنگ و از فرزانگی

عقل اور دور اندیشی کو بہت آزمایا لیکن جب اس سے کام نہ بن سکا تو اس وقت میں نے خود کو دیوانہ بنا لیا اور کام اسی سے بنا۔ جب دیوانگی ہی کام آئی اور اسی سے محبوبِ حقیقی تک رسائی ہوئی تو میں اس فنِ دیوانگی پر عاشق ہو گیا، اور عقل و ہوش کو خیر باد کہہ دیا۔

درسِ حیات:

☆ جو خدا کو ہو جاتا ہے، خدا اُس کا ہو جاتا ہے۔

حکایت نمبر۲۲:

شیطانی وسوسہ

ایک نیاز مند کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا رہتا تھا۔حتیٰ کہ ایک دن اس پُر خلوص ذکر سے اس کے لب شیریں ہو گئے ......شیطان نے اسے وسوسے میں مبتلا کر دیا۔ بے فائدہ ذکر کی کثرت کر رہا ہے۔تو اللہ اللہ کرتا رہتا ہے۔جبکہ اللہ کی طرف سے لبیک کی آواز ایک بار بھی نہیں آئی اور نہ ہی اللہ کی طرف سے کوئی جواب ملتا ہے، پھر یک طرفہ محبت کی پینگ بڑھانے سے کیا فائدہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تیرا ذکرِ الٰہی اللہ کے ہاں مقبول نہیں ......شیطان کی ان پُر فریب باتوں سے صوفی نے ذکر کرنا چھوڑ دیا۔شکستہ دل اور افسردہ ہو کر سو گیا۔آنکھ سو گئی اور قسمت جاگ گئی۔

عالمِ خواب میں دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے دریافت کیا کہ ذکرِ الٰہی سے غفلت کیوں کی۔اے نیک بخت! تُو نے ذکرِ حق کیوں چھوڑ دیا۔آخر تو اس ذکرِ پاک سے پشیمان کیوں ہو گیا ہے......؟اس نے کہا بارگاہِ الٰہی سے مجھے کوئی جواب ہی نہیں ملتا۔اس سے دل میں خیال آیا کہ میرا ذکر قبول ہی نہیں ہو رہا......

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا تمہارے لئے اللہ عزوجل نے پیغام بھیجا ہے کہ تمہارا اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہونا اور دوسرا تمہارا پہلی دفعہ اللہ کہنا قبول ہوتا ہے تب دوسری بار تجھے اللہ کہنے کی توفیق ملتی ہے اور تمہارے دل میں یہ جو سوز و گداز ہے اور میری

چاہت محبت اور تڑپ ہے یہی تمہارے ذکر کی قبولیت کی نشانی ہے۔اے بندے! میری محبت میں تیری یہ تدبیریں اور محنتیں سب ہماری طرف سے جزب وکشش کا ہی عکس ہیں۔
اے بندے! تیرا خوف اور میری ذات سے تیرا عشق میرا ہی انعام ہے،اور میری ہی مہربانی ومحبت کی کشش ہے کہ تیری ہر بار یااللہ کی پکار میں میرا لبیک شامل ہوتا ہے۔
تمہارے ذکر کی قبولیت کی نشانی یہی ہے کہ تمہیں ذکرِ حق میں مشغول کر دیا ہے۔

جان جاهل زین دعا جز دور نیست
زانکه یارب گفتش دستور نیست

ایک جاہل اور غافل ذکرِ حق اور دعا مانگنے کی توفیق سے محروم رہتا ہے۔
اللہ عزوجل کے ذکر کا اجر خود اس ذکر میں ہی پوشیدہ ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کی اور یاد کی توفیق اسی کو عطا کرتے ہیں جس سے خوش ہوتے ہیں اور یہی اس کی قبولیت کی دلیل ہے۔

درسِ حیات:

☆ نیکی کرنے کی توفیق بھی اللہ ہی دیتا ہے۔
☆ شیطان ہر دَم اس کوشش میں رہتا ہے کہ کسی طرح انسان اللہ تعالیٰ کے ذِکر سے باز آ جائے۔

حکایت نمبر ۲۳:

دِل کی صفائی

چینی ماہرین نے کہا ''تعمیرات میں نقش ونگار کے ہم ماہر ہیں۔'' رومی ماہرین نے کہا ''ہم زیادہ شان وشوکت والا نقش بناتے ہیں۔'' چینیوں کا دعویٰ تھا کہ ''ہم زیادہ جادو قلم ہیں۔ نقاشی میں ہماری کوئی نظیر نہیں۔'' رومی کہنے لگے ہاتھ کی صفائی میں کوئی ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

چینیاں گفتند مانقاش تر
رومیاں گفتند مارا کرّ و فر

سلطانِ وقت نے کہا ''ہم دونوں کا امتحان کر لیتے ہیں کہ کس کو فنِ نقاشی میں برتری حاصل ہے۔'' پھر یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ دعوے میں کون سچا ہے۔ چینیوں نے کہا ''بہت بہتر ہم خوب محنت کریں گے۔'' رومیوں نے کہا: ''ہم بھی اپنا کمال دکھانے میں اپنی جان لڑا دیں گے۔'' اہلِ چین نے بادشاہ سے کہا: ''ہمیں ایک دیوار نقش ونگار بنانے کے لئے دے دی جائے اور اس کو پردے سے مخفی کر دیا جائے تاکہ اہلِ روم ہماری نقل نہ کر سکیں۔'' اہلِ روم نے کہا: ''ٹھیک اسی دیوار کے سامنے والی دیوار ہمیں دی جائے تاکہ ہم اس پر اپنے فن کا مظاہرہ کریں۔''

دیواروں کے درمیان پردہ حائل کر کے دونوں طرف کے ماہرین کو کہا گیا کہ اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کریں۔ چینیوں نے مختلف رنگ وروغن کی آمیزش سے دلفریب نقش ونگار بنانے شروع کر دیئے نقاشی کا ایسا بہترین اور بے نظیر کام کیا کہ وہ نقش ونگار والی دیوار پھولوں کا گلدستہ معلوم ہونے لگی۔ اہلِ روم نے بھی پردے کے اندر مخفی کام شروع کیا۔ انہوں نے کوئی نقش ونگار نہ بنائے اور نہ ہی کسی دلفریب رنگ وروغن کا استعمال کیا۔ دیوار کو میل کچیل سے صاف کر کے خوب صیقل اور صفائی کرتے رہے یہاں تک کہ پوری دیوار مثل آئینہ چمکنے لگی...... چینی ماہر نقش ونگاری میں جاں فشانی کرتے رہے انہوں نے طرح طرح کے مناظر بنائے۔

بوقتِ امتحان اور مقابلہ جب درمیان سے پردہ ہٹایا گیا تو اہلِ چین کے تمام نقش ونگار کا عکس جب رومیوں کی صیقل شدہ دیوار پر پڑا تو چینیوں کے بنائے ہوئے سحر انگیز مناظر آئینے میں اور خوبصورت نظر آنے لگے۔

شہہ در آمدید آنجا نقشہا
می ربود آں عقل را و فہم را

بادشاہ آیا اور اس نے پہلے ان نقوش کو دیکھا جو اہلِ چین نے بنائے تھے۔ بادشاہ ان کے جوہر دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ پھر وہ رومیوں کی کاریگری کی طرف متوجہ ہوا۔ صیقل شدہ دیوار میں دلفریب منظر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ رومیوں کی دیوار نے ایسا دلآویز منظر پیش کیا کہ آنکھیں اس کو دیکھ کر سیر نہ ہوتیں تھیں۔ بادشاہ محوِ حیرت ہو گیا۔

انچہ آنجا دید اینجا بہ نمود
دیدہ راہ از دیدہ خانہ می ربود

بادشاہ نے وہاں جو دیکھا تھا۔ یہاں اس سے بہتر نظر آیا۔ حتیٰ کہ کمال حسنِ نقاشی کی کشش سے آنکھیں حلقۂ چشم سے نکل پڑتی تھیں۔

رومیاں آں صوفیانند ای پسر
بے زتکرار و کتاب و بے ھنر

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے رومیوں کی مثال سے صوفیوں کا مقام بیان فرمایا ہے کہ یہ حضرات بھی دل کی صفائی کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور اسی کی برکت سے کتاب اور ہنر کے اخلاقِ حمیدہ سے منقش ہو جاتے ہیں، اور سینے کی صفائی کرنے سے حرص ...... بخل اور کینے سے پاک ہوتے ہیں۔

''حسن آئینہ حق اور دل آئینہ حسن''

رفع زنگ سے وہی بات پیدا ہو جاتی ہے جو حسنِ رنگ نے پیدا کی تھی۔ صیقلی سے دل نہ صرف مظاہرِ آفاق کا آئینہ بن جاتا ہے بلکہ اس میں حقائقِ باطن بھی منعکس ہوتے ہیں۔ جو حکمتِ آفاق سے ماورا نہیں۔

درسِ حیات:

☆ دِل کی صفائی (نیت کا صاف ہونا) کامیابی کی ضمانت ہے۔

حکایت نمبر ۲۴:

خزانہ

ایک فقیر بہت مفلس و کنگال تھا۔ اس کی دُعا رب تعالیٰ سے یہی تھی کہ تُو نے مجھے بغیر مشقت کے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح بغیر مشقت کے مجھے روزی بھی دے، وہ مسلسل یہی مانگا کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ عزوجل نے اس کی دُعا قبول کر لی، اسے خواب آیا کہ تُو ردی والے کی دکان پر جا وہاں بوسیدہ کاغذوں میں سے تجھے ایک کاغذ ملے گا۔ اسے لے آ اور تنہائی میں پڑھ۔ صبح اُٹھ کر وہ ردی والے کی دکان پر گیا۔ ردی میں سے وہ تحریر (گنج نامہ) تلاش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گنج نامہ اس کے سامنے آ گیا جو اسے خواب میں نظر آیا تھا۔ اس نے وہ کاغذ دکاندار سے لیا۔ تنہائی میں اس کاغذ کو پڑھا۔ اس پرچے میں تحریر تھا کہ شہر سے پار ایک مزار ہے ادھر ہی خزانہ دفن ہے۔ مزار کی طرف پشت اور منہ قبلہ کی طرف کر کے تیر کو کمان میں رکھ۔ جہاں پر تیر گرے وہاں خزانہ دفن ہوگا۔ فقیر نے تیر کمان لے کر اپنے جوہر دکھانے شروع کر دیئے۔ جہاں تیر پھینکتا وہاں جلدی سے بیلچے پھاوڑے لے کر زمین کھودنا شروع کر دیتا...... بیلچہ۔ پھاوڑا اور وہ فقیر کند ہو گئے مگر خزانے کا نام و نشان بھی نہ ملا...... وہ روزانہ اسی طرح عمل کرتا تیر پھینکتا جس جگہ تیر گرتا اسے کھودتا مگر خزانہ نہ ملاتا۔ فقیر کے اس پروگرام کا بادشاہِ وقت کو پتا چلا۔ بادشاہ نے اسے طلب کیا۔ اس نے ساری کہانی کہہ سنائی،

اور کہنے لگا جب سے خزانے کا پتہ پایا ہے، تلاش میں ہوں، خزانہ تو نہ ملا، سخت تکلیف اور مشقت میرا مقدر بن گئی ہے۔

بادشاہ نے فقیر سے وہ گنج نامہ لے لیا۔ خزانہ پانے کے لئے بادشاہ نے بھی تیر چلانے شروع کر دیئے۔ چھ ماہ تک بادشاہ بھی تیر چلاتا رہا مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔

بادشاہ سلامت نے بھی ناامید ہو کر وہ گنج نامہ فقیر کو واپس کر دیا۔

فقیر نے پھر اللہ عزوجل کی طرف رجوع کیا عاجزی، انکساری اور آنکھیں اشک بار کر کے دُعا کی اے اللہ تعالیٰ میری سمجھ سے یہ عقدہ بالاتر ہے میں راز کو نہ پا سکا۔ تُو خود ہی کمال مہربانی سے اسے حل کر دے اور مجھے خزانے تک پہنچا دے، جب وہ عاجز ہو کر بارگاہِ الٰہی میں سچے دل سے گر پڑا تو آواز آئی۔ میں نے تجھے تیر کو کمان میں رکھنے کو کہا تھا۔ تجھے تیر چلانے اور کمالات دکھانے کا نہیں کہا تھا۔ خزانہ تیرے پاس تھا۔ تیرے قریب تھا۔ تو تیر اندازی کے سفر میں اس سے دُور ہوتا گیا۔ خدا کی ذات کو اپنے اندر اپنے دل میں تلاش کر جو شہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔ اپنے من میں ڈوب تُو خزانے تک پہنچ جائے گا۔

درسِ حیات:

☆ اس کے کرم سے گنج نامہ تو مل جاتا ہے۔ مگر انسان جلد بازی، چالاکی، ہوشیاری سے پانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ جوہر عاجزی، انکساری اور من میں تلاش کرنے سے ملتا ہے۔

حکایت نمبر ۲۵:

عبرت حاصل کرنا

شیر، بھیڑیا اور لومڑی اکٹھے مل کر شکار کو نکلے ان کو شکار میں نیل گائے، جنگلی بکرا اور خرگوش ہاتھ آئے۔ شیر نے دیکھا کہ بھیڑیا اور لومڑی بھی اس شکار میں اپنے حصے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اس نے ان کی نیتوں کو بھانپ کر پہلے بھیڑیئے کو بلایا کہ وہ انصاف سے تقسیم کرے۔ بھیڑیئے نے کہا ''بادشاہ سلامت آپ بڑے ہیں۔ نیل گائے آپ کا حصہ جنگلی بکرا درمیانہ ہے۔ وہ میرا حصہ ہے۔ جب کہ خرگوش لومڑی کا حصہ ہے۔ شیر نے کہا: ''میرے آگے تیری کیا ہستی ہے کہ میرے ہوتے ہوئے تُو انصاف کرے۔'' اس نے بھیڑیئے کو قریب بلا کر اس زور سے پنجہ مارا کہ وہ فوراً ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے لومڑی کو بلایا اور تقسیم کے لئے کہا۔ لومڑی نے باادب ہو کر کہا: ''جناب تقسیم کیسی یہ نیل گائے آپ کے صبح کا ناشتہ ہے۔ جنگلی بکرا دوپہر کو اور خرگوش رات کو تناول فرما لیجیے گا۔'' شیر اس سے خوش ہوا اور اس کی انصاف پسندی کی داد دیتے ہوئے اس سے پوچھا کہ ''یہ انصاف کی تقسیم تم نے کہاں سے سیکھی۔'' لومڑی نے کہا: ''جناب بھیڑیئے کے انجام سے۔'' چنانچہ شیر نے خوش ہو کر وہ تینوں شکار لومڑی کو بخش دیئے۔

درسِ حیات:

☆ دوسروں کے انجام سے عبرت حاصل کرنا عقلمندوں کا شیوہ ہے۔
یہ ان کو انجامِ بد سے بچا لیتا ہے۔

حکایت نمبر ۲۶:

ہُد ہُد کی خوبی

حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں سے ہم کلام ہونے کی قدرت رکھتے تھے۔ پرندوں نے جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو زبان دان اور محرم راز پایا تو انہوں نے اپنی چوں چوں ترک کی اور پیغمبرِ خدا کی صحبت اختیار کر لی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں کیا چرند کیا پرند سبھی حکمت و دانائی کی باتیں کرتے۔

ایک دن دربار لگا ہوا تھا معمول کے مطابق حاضرین، دربار میں اپنی اپنی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ تجربے اور دانائی کی نہریں رواں تھیں، اس روز پرندے اپنی صفات اور ہنر بیان کر رہے تھے۔ آخر میں ہُد ہُد کی باری آئی اس نے کہا: ''اے علم و حکمت کے بادشاہ! مجھ میں ایک خوبی ہے جو عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ داناؤں نے کہا ہے مختصر کلام ہی فائدہ مند ہوتا ہے۔ میں اُڑتے ہوئے بلندی سے زیرِ زمین پانی کا اندازہ لگا لیتا ہوں کہ کتنی گہرائی میں ہے۔ پانی کی خاصیت کیا ہے۔ زمین سے نکل رہا ہے یا پتھر سے رِس رہا ہے۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُد ہُد کی اس خوبی کی بہت تعریف کی اور اجازت عطا فرمائی کہ ''بے آب و گیاہ صحراؤں میں سفر کے دوران تُو ہمارے ہراول کے ساتھ رہا کرتا کہ پانی کا کھوج لگاتا رہے۔''

زاغ بدنیت نے جب سنا کہ ہُد ہُد کو ہراول میں شریک رہنے کا اعزاز عطا ہوا ہے تو مارے حسد کے انگاروں پر لوٹنے لگا۔ فوراً پیغمبرِ خدا علیہ السلام کے سامنے آ کر کہنے لگا "ہُد ہُد نے آپ علیہ السلام کے حضور سخت گستاخی کی ہے اور جھوٹا دعویٰ کیا ہے۔ اسے اس کذب بیانی کی سزا دی جائے۔ اس سے پوچھیے کہ تیری نظر ایسی تیز ہے کہ پاتال میں چھپے ہوئے پانی کی خبر دیتی ہے۔ تو پھر تجھے زمین پر بچھا ہوا جال کیوں نہیں نظر آتا، جو شکاری تجھے پھانسنے کے لیے لگاتا ہے۔ ایسا ہنر رکھتا ہے تو جال میں گرفتار کیوں ہو جاتا ہے۔ آسمان کی بلندیوں سے وہ جال کیوں نہیں دیکھ لیتا۔" زاغ بدنیت (کوے) کی بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُد ہُد سے دریافت کیا: "دعوے کی صداقت کا ثبوت پیش کر۔"

ہُد ہُد نے بے خوف ہو کر عرض کیا:

"اے بادشاہ سلامت! اگر میرا دعویٰ صحیح نہ ہو تو یہ گردن حاضر ہے۔ یہ صفت مجھے قدرت نے عطا کی ہے۔ جب قدرت ہی یہ صفت سلب کر لے۔ جب فرمانِ قضا و قدر جاری ہو اور میرا آخیر وقت آ جائے تو نگاہ کی خوبی کیا کرے۔ ایسے موقع پر عقل کام نہیں کرتی۔ چاند سیاہ ہو جاتا ہے، اور سورج گہن میں آ جاتا ہے۔"

درسِ حیات:

☆ اللہ تعالیٰ اپنی مصلحت کے مطابق تدبیروں کو توڑ دیتا ہے۔ قضا کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔

حکایت نمبر ۲۷:

اژدہا

ایک سپیرا دن رات نت نئے اور زہریلے سانپوں کی تلاش میں جنگل بیاباں، کوہ وصحرا میں مارا مارا پھرتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ سخت سردی کے موسم میں پہاڑوں میں سانپ تلاش کر رہا تھا۔ اس نے ایک مردہ اژدھا دیکھا جو بھاری بھرکم اور قوی الجثہ تھا۔ اسے خیال آیا اگر اس مردہ اژدھے کو کسی طریقے سے شہر لے جاؤں تو دیکھنے والوں کا ہجوم اکٹھا ہو جائے گا۔ لوگوں کے جمع ہو جانے سے میں خوب مال کماؤں گا۔ اژدہا کیا تھا ستون کا ستون تھا۔ سپیرا اسے بڑی مشکل سے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر گھسیٹ کر شہر لے آیا۔ غرض سپیرے کے اس کارنامے سے شہر بغداد میں اودھم مچ گیا۔ تُو چل میں چل جس کے کانوں میں یہ خبر پہنچی کہ سپیرا ایک نادر قسم کا اژدھا پکڑ کر لایا ہے۔ وہی سب کام چھوڑ کر اسے دیکھنے چل پڑا سینکڑوں ہزاروں لوگ جمع ہو گئے۔

بے پناہ سردی اور برف باری کی وجہ سے اژدہے کا جسم سُن ہو چکا تھا۔ برف سے ٹھٹھرنے کے باعث وہ مردہ دکھائی دے رہا تھا۔ ہجوم کی گرمی اور سورج کی روشنی سے اچانک اژدہے کے جسم میں تھرتھری پیدا ہوئی اور اس نے اپنا منہ کھول دیا، اژدہے کا منہ کھولنا تھا کہ قیامت برپا ہو گئی۔ بدحواسی اور خوف سے جس کا جدھر منہ اُٹھا اسی طرف کو بھاگا۔ جوں جوں آفتاب کی گرم دھوپ اژدھے پر پڑتی تھی توں توں اس کے جوڑ جوڑ اور

بند بند میں زندگی نمودار ہوتی تھی۔ مارے دہشت کے سپیرے کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اس نے جی میں کہا غضب ہو گیا یہ پہاڑ سے میں کس آفت کو اٹھا لایا۔ اپنے ہاتھوں اپنی موت بُلا لی۔ ابھی وہ بھاگنے بھی نہ پایا تھا کہ اژدھے نے اپنا غار سا منہ کھول کر اس کو نگل لیا۔ پھر وہ رینگتا ہوا آگے بڑھا، اور ایک بلند عمارت کے ستون سے اپنے آپ کو لپیٹ کر ایسا بل کھایا کہ اس سپیرے کی ہڈیاں بھی سرمہٗ ہو گئیں۔

درسِ حیات:

☆ اے عزیزو! ہمارا نفس بھی اژدھے کی مانند ہے۔ اسے مُردہ مت سمجھیں ذرائع اور وسائل نہ ہونے کے باعث ٹھٹھرا ہوا نظر آتا ہے...... اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غفلت اور دنیاداری کی حرارت سے وہ حرکت میں آ جاتا ہے۔

حکایت نمبر ۲۸:

دانا پرندہ

ایک شکاری نے بڑی ترکیبوں اور مشکل کے ساتھ ایک نادر اور خوبصورت چڑیا پکڑی۔ جب وہ چڑیا جال میں پھنس گئی اور آزاد ہونے کی کوئی صورت نہ پائی۔ تب چڑیا شکاری سے کہنے لگی: ''اے عقل مند انسان! تُو مجھ جیسی ننھی سی چڑیا کو پکڑ کر کیا کرے گا۔ اگر تُو مجھے ذبح کرے گا تو میرے ذرا سے گوشت اور گنتی کی چند نرم و نازک ہڈیوں سے تیرا کیا بنے گا۔ مجھے فروخت کر کے بھلا تجھے کتنا مال ملے گا۔ میری بات سن اگر تُو مجھے آزاد کر دے گا تو میں تجھے تین ایسی بیش بہا نصیحتیں کروں گی جو ہمیشہ تیرے کام آئیں گی۔ ان میں سے پہلی نصیحت تو تیرے ہاتھ پر بیٹھ کر کروں گی وہ نصیحت ایسی ہوگی جسے سن کر تیرا خون بڑھ جائے گا۔ دوسری نصیحت دیوار پر بیٹھ کر کروں گی۔ جو اعلیٰ درجے کی ہوگی۔ تیسری نصیحت درخت کی شاخ پر بیٹھ کر کروں گی۔ اس لئے تیری دانائی، جواں مردی اور دُور اندیشی کا تقاضا یہی ہے کہ تُو مجھے آزاد کر دے۔ ان تینوں نصیحتوں پر عمل کر کے تو دنیا میں بڑا نام پائے گا۔''

شکاری تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد راضی ہو گیا۔ چڑیا اُڑ کر شکاری کے ہاتھ پر آن بیٹھی۔

''پہلی نصیحت یہ ہے کہ ناممکن بات خواہ کیسا ہی شخص کہے اس پر یقین نہ کر۔'' یہ کہہ کر چڑیا پھُرّ سے اُڑی اور دیوار پر جا بیٹھی۔ اس نے دوسری نصیحت یہ کی ''گزری ہوئی بات کا غم نہ کر۔'' اس کے بعد چڑیا نے کہا ''میرے وجود میں دس درہم وزن کا ایک ایسا قیمتی

موتی ہے۔ جس کی قیمت ہفت اقلیم میں کہیں نہیں۔ یہ موتی پا کر تُو اور تیری اولاد عیش وعشرت سے زندگی بسر کرتے۔ مگر افسوس! کہ تُو نے مجھے آزاد کر کے یہ بیش بہا موتی ہاتھ سے کھو دیا۔ یہ تحفہ تیرے مقدر میں نہ تھا۔"

اتنا سننا تھا کہ شکاری رونے چلّانے اور ماتم کرنے لگا جیسے اس کا کوئی عزیز مر گیا ہو۔ بار بار ٹھنڈی آہیں بھرتا اور سینہ پیٹ کر کہتا کہ ہائے! میں تو برباد ہو گیا مجھ بے وقوف نے ایسی نادر چڑیا کو کیوں آزاد کر دیا۔ ننھی سی جان نے مجھے ہتھیلی میں جنت کی جھلک دکھلا کر لُوٹ لیا۔ شکاری جب رو دھو چکا۔ تب چڑیا نے کہا "اے بے وقوف میں نے پہلے ہی تجھے نصیحت کر دی تھی کہ گزری ہوئی بات کا غم نہیں کرنا چاہیے۔ جب یہ بات ہو گئی تو کفِ افسوس مَلنا کس کام کا؟" دوسرا چڑیا نے کہا "ارے نادان تُو نے میری پہلی بات غور سے نہیں سنی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ ناممکن بات کا ہرگز یقین نہیں کرنا چاہیے۔ خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ ذرا سوچ تو سہی مجھ ننھی سی جان کا پورا وجود تین درہم وزن سے زیادہ نہیں ہے۔ بھلا دس درہم وزن کا موتی میرے وجود میں کہاں سے آ گیا۔" یہ بات سُن کر شکاری رونا دھونا بھول گیا۔ حیرت سے چڑیا کو تکنے لگا اور کہنے لگا بے شک تُو ٹھیک کہتی ہے۔ پھر شکاری کہنے لگا: "اے نازک بدن چڑیا مہربانی کر کے وہ تیسری نصیحت بھی کرتی جا۔" چڑیا نے کہا: "ارے بھائی تُو نے میری دو نصیحتوں پر کون سا عمل کیا جو تیسری نصیحت بھی مجھ سے سننا چاہتا ہے وہ قیمتی نصیحت تجھ جیسے بے مغز انسان کے لیے نہیں ہے۔"

درسِ حیات:

پند گفتن باجھول خواب ناك

تخم افگندن بود در شور خاك

ترجمہ: خرد ماغ اور جاہل کو کوئی نصیحت کرنا ایسا ہے جیسے بنجر زمین میں بیج ڈالنا۔

حکایت نمبر ۲۹:

اللہ والوں کی عبادت

ایک ولی اللہ امامت کے لئے کھڑے ہوئے۔ چند ہم عصر ساتھی بھی ان کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ جیسے ہی وہ حضرات تکبیروں سے وابستہ ہوئے قربانی کی طرح اس دنیا فانی سے باہر نکل گئے۔ تکبیر کے معنی ان کے نزدیک یہ تھے کہ اے اللہ ہم تیرے نام پر قربان ہوئے جیسے ذبح کے وقت اللہ اکبر پڑھی جاتی ہے۔ انہوں نے اللہ اکبر پڑھی اور اپنے نفس کا سر کاٹ دیا۔ جسم شہوتوں اور حرص سے چھُوٹ گیا۔ بسم اللہ کے ذریعے نماز میں بسمل ہو گیا اس کے بعد انہوں نے قیامت کے دن کی طرح اللہ کے حضور کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ دیئے پھر اللہ عزوجل پوچھتے میرے لئے کیا لایا۔ میں نے ایک عمر تمہیں عطا کی، روزی دی، طاقت دی تُو نے کس کس کام میں لگائی۔ بینائی، سماعت اور دیگر حواس کی دولت دی تُو نے کس طرح استعمال کی۔ ہاتھ پاؤں تجھے کام کرنے کے لئے دیئے ان سے تُو نے کیا کام لیا۔

قیام کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے متعدد سوال ہوتے رہے۔ چونکہ انسان کا دامن خالی تھا۔ لہٰذا وہ سوالوں کی تاب نہ لا سکا اور فوراً رکوع میں چلا گیا۔

شرم سے رکوع میں اللہ عزوجل کی عظمت کی بڑائی کرنے لگا۔ اللہ کا حکم ہوتا ہے رکوع سے اُٹھ اور جواب دے۔ وہ سر اٹھاتا ہے۔ پھر طاقتِ گویائی نہ پا کر سجدہ میں منہ کے

بل گر پڑتا ہے۔ پھر سجدے سے سر اٹھانے کا حکم ہوتا ہے۔

پھر سر اٹھا کر گر پڑتا ہے۔ پھر اللہ اکبر کا نعرۂ بلند کرتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ یہی عمل دہرایا جاتا ہے۔ دوسری رکعت مکمل کرنے کے بعد۔ کھڑے ہونے کی تاب نہ پا کر قعدہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ اس میں اللہ عزوجل پھر فرماتے ہیں۔ میں نے تجھے بے شمار نعمتیں دیں تُو نے کیسے خرچ کیں۔ مجھے حساب دے چونکہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ جواب نہیں دے پاتا۔ داہنے طرف سلام کہتا ہے اور انبیائے کرام کو مخاطب کر کے اپنی مدد کے لئے بلاتا ہے۔ پھر بائیں جانب اپنے اہل خاندان اور دوست احباب کو سلام کہہ کر مدد کے لئے بلاتا ہے۔ دونوں طرف سے مایوس ہو کر رحیم کریم آقا کے حضور دعا کے لئے ہاتھ بلند کر لیتا ہے۔

پھر آہ وزاری سے اپنے خدا کی خوشنودی کے حصول کے لئے کوشش کرتا ہے۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

درسِ حیات:

☆ نماز اس طرح پڑھو گویا تم اللہ تعالیٰ کے حضور دست بستہ کھڑے ہو۔

حکایت نمبر ۳۰:

جانوروں کی زبان سمجھنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک آدمی نے درخواست کی کہ اُسے جانوروں کی زبان سکھا دیں تا کہ وہ ان کی باہمی گفتگو سمجھ سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''اس بات کو چھوڑ دے کیونکہ اس میں کئی خطرات پوشیدہ ہوتے ہیں۔ قاعدہ ہے کہ جس بات سے منع کیا جائے، اس کی طرف رغبت اور بڑھتی ہے۔'' عرض کرنے لگا: ''سرکار آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں میری استدعا قبول فرمائیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ نہ ہو کہ کل تُو پچھتائے کیونکہ تُو یہ نہیں جانتا کہ تیرے لئے کون سی چیز بہتر ہے اور کون سی چیز مضر......''

بارگاہِ الٰہی سے حکم ہوا اے موسیٰ علیہ السلام اس کی تمنا پوری کر دے۔ اس شخص نے کہا: ''اچھا سارے جانوروں کی زبان نہ سہی صرف میرے گھریلو پالتو جانور کتے اور مرغ کی زبان سکھا دیں۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''جا آج سے ان دونوں جانوروں کی بولی پر تجھ کو قدرت حاصل ہو گی''۔ وہ شخص یہ سُن کر خوش خوش اپنے گھر چلا گیا۔ صبح ہوئی تو خادمہ نے دستر خوان جھاڑا اس میں سے رات کا بچا ہوا روٹی کا ٹکڑا زمین پر گرا مرغ وہ ٹکڑا اٹھا کر لے گیا۔ کتے نے کہا ''دوست تُو تو دانہ دنکا کھا کر بھی اپنا پیٹ بھر لے گا۔ اگر روٹی کا ٹکڑا مجھے دے دے تو میرا گزارا چل جائے گا۔'' مرغ نے کہا: ''میاں صبر کرو خدا تجھے بھی

دے گا۔کل ہمارے مالک کا گھوڑا مر جائے گا۔تم پیٹ بھر کر کھائیو۔" وہ شخص ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔وہ فوراً اٹھا اس نے گھوڑا کھولا اور جا کر منڈی بیچ آیا اور نقصان سے اپنے آپ کو بچالیا۔

دوسرے دن بھی روٹی کا ٹکڑا مرغ لے اُڑا۔ کتے نے غصے میں آکر مرغ سے کہا "اے فریبی یہ دروغ گوئی کب تک چلے گی تُو جھوٹا ہے۔ارے اندھے نجومی تُو سچائی سے محروم ہے۔" مرغ نے جواب دیا "وہ گھوڑا دوسری جگہ مر گیا مالک نے نقصان سے بچنے کے لئے گھوڑا بیچ ڈالا تھا...... فکر نہ کر کل اس کا اُونٹ مر جائے گا،اور تُو خوب پیٹ بھر کر کھانا۔" یہ سُن کر مالک اٹھا اور اُونٹ بھی بیچ آیا۔اس طرح اس نے اس کے مرنے کے غم اور نقصان سے اپنی جان بچالی۔تیسرے دن پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا تو کتے نے مرغ سے کہا "ارے کمبخت تُو تو جھوٹوں کا بادشاہ ہے۔آخر کب تک تُو مجھے فریب دیتا جائے گا۔"

مرغ نے کہا: "بھائی اس میں میرا کوئی قصور نہیں مالک نے اُونٹ بیچ ڈالا اور اپنے آپ کو نقصان سے بچالیا۔" مرغ نے کتے کو تسلی دیتے ہوئے کہا "فکر نہ کر کل اس کا خچر مر جائے گا۔اسے صرف کتے ہی کھا سکتے ہیں تم بھی جی بھر کر کھانا۔" مالک نے جب یہ سنا تو اس نے خچر بھی فروخت کر دیا۔

مالک اپنی ہوشیاری پر بے حد خوش تھا کہ وہ یکے بعد دیگرے تین حادثوں سے بچ گیا،اور کہنے لگا جب سے میں نے مرغ اور کتے کی زبان سیکھی ہے۔"قضا و قدر کا رُخ پھیر دیا ہے"۔

چوتھے دن کتے نے مرغ سے کہا: "اے مرغ وہ تیری پیشن گوئیاں کیا ہوئیں یہ تیری مکاری اور جھوٹ کب تک چلے گا۔" مرغ نے کہا: "توبہ توبہ یہ غیر ممکن ہے کہ میں یا میرا کوئی ہم جنس جھوٹ بولے ہماری قوم تو مؤذن کی طرح راست گو ہے۔ہم اگر غلطی سے بے وقت اذان دے بیٹھیں تو مارے جائیں۔مالک نے اپنا مال تو بچالیا۔لیکن اس نے اپنا خون کر لیا۔ایک نقصان سو نقصان کو دفع کرتا ہے جسم اور مال کا نقصان جان کا صدقہ بن جاتا ہے۔بادشاہوں کی عدالت سے سزا ملے تو مال کا جرمانہ ادا کر کے جان بچ جاتی ہے۔لیکن قضائے الٰہی کے بھید سے بے خبر ہوتے ہوئے بھی جو آدمی اپنا مال بچاتا ہے وہ محض نادان

ہے۔ اگر وہی مال اس پر سے صدقہ ہو جاتا تو شاید اس سے بلا ٹل جاتی۔ اب کل یقیناً مالک خود مر جائے گا اس کے وارث اس کی وفات پر گائے ذبح کریں گے بس پھر تمہارے وارے نیارے ہیں۔ گھوڑے، اُونٹ اور خچر کی موت اس نادان کی جان کا صدقہ تھا وہ مال کے نقصان سے تو بچ گیا لیکن اپنی جان گنوا بیٹھا۔''

مالک مرغ کی باتیں غور سے سُن رہا تھا جب اس نے اپنی موت کی پیشین گوئی سنی تو مارے خوف کے تھر تھر کانپنے لگا۔ گرتا پڑتا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور روتے ہوئے عرض کیا کہ اے خدا کے پیغمبر علیہ السلام میری دستگیری فرمایئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سُن کر فرمایا کہ میں نے تمہیں کہا تھا اس ہوس کو چھوڑ دے کیونکہ اس میں کئی خطرات پوشیدہ ہیں۔ مگر تُو نہ مانا۔ اے عزیزم اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اس کا لوٹ کر آنا فطرت کے خلاف ہے۔ اب میں تیرے لئے سلامتی ایمان کی دُعا کر سکتا ہوں۔ یہ سُن کر اس نوجوان کی طبیعت دفعتاً بگڑ گئی۔ اور وہ قے کرنے لگا۔ یہ اس کی قے موت کی علامت تھی۔ اس کو گھر لے جایا گیا گھر پہنچتے ہی وہ مر گیا۔

درسِ حیات:

☆ انسان کو نہ کسی بیماری میں مایوس ہونا چاہیے اور نہ ہی کسی مادی نقصان پر زیادہ غم کرنا چاہیے۔ ہر بیماری اور نقصان میں کوئی بھید ہوتا ہے۔ جسم کی بیماری یا مال کا نقصان کسی بڑی مصیبت کا صدقہ بن جاتا ہے، اور اس کو ٹال دیتا ہے۔

حکایت نمبر ۳۱:

فنکار درزی

ایک شیریں زبان آدمی رات کو دوستوں کی محفل میں بیٹھ کر درزیوں کے بارے میں مزے دار قصے سنا رہا تھا۔ داستان گو اتنی معلومات رکھتا تھا کہ باقاعدہ اچھا خاصا درزی نامہ مرتب ہوسکتا تھا۔ جب اس آدمی نے درزیوں کی چوری اور مکاری سے گاہکوں کا کپڑا غائب کردینے کے اَن گنت قصے بیان کرڈالے۔

سننے والوں میں ملکِ خطا کا ایک ترک جسے اپنی دانش اور ذہانت پر بڑا ناز تھا کہنے لگا۔ ''اس علاقے میں سب سے گرو درزی کون ہے؟'' داستان گو نے کہا: ''یوں تو ایک سے ایک ماہرِ فن اس شہر کے گلی کوچوں میں موجود ہیں۔ لیکن پورش نامی درزی بڑا فنکار ہے۔ اس کے کاٹے کا منتر ہی نہیں۔ ہاتھ کی صفائی میں ایسا استاد کہ کپڑا تو کپڑا آنکھوں کا کاجل تک چرالے اور چوری کا پتہ نہ لگنے دے۔'' ترک کہنے لگا: ''لگالو مجھ سے شرط میں اس کے پاس کپڑا لے کر جاؤں گا، اور دیکھوں گا کہ وہ کیونکر میری آنکھوں میں دھول پھونک کے کپڑا چراتا ہے۔ میاں کپڑا تو درکنار ایک تار بھی غائب نہ کرسکے گا۔''

دوستوں نے جب یہ سنا تو کہنے لگے ''ارے بھائی زیادہ جوش میں نہ آ۔ تجھ سے پہلے بھی بہت سے یہی دعویٰ کرتے آئے اور اس درزی سے چوٹ کھا گئے۔ تُو اپنی عقل وخرد پر نہ جا۔ دھوکا کھائے گا۔'' محفل برخاست ہونے کے بعد ترک اپنے گھر چلا گیا اسی پیچ

وتاب اور فکر واضطراب میں ساری رات گزاری صبح ہوتے ہی قیمتی اطلس کا کپڑا لیا اور پورش درزی کا نام پوچھتا پوچھتا اس کی دکان پر پہنچ گیا۔

درزی اس ترک گاہک کو دیکھتے ہی نہایت ادب سے کھڑا ہو کر تسلیمات بجا لایا۔ درزی نے خوش اخلاقی اور تعظیم وتکریم کا ایسا مظاہرہ کیا کہ ترک بے حد متاثر ہوا۔ دل میں کہنے لگا۔ یہ شخص تو بظاہر ایسا عیار اور دغا باز نظر نہیں آتا۔ لوگ بھی خواہ مخواہ رائی کا پہاڑ بنا دیتے ہیں۔ یہ سوچ کر قیمتی استمبولی اطلس درزی کے آگے دھر دی اور کہنے لگا "اس اطلس کی قبا مجھے سی دیں۔"

درزی نے دونوں ہاتھ ادب سے سینے پر باندھے اور کہنے لگا: "حضور قبا ایسی سیوں گا جو نہ صرف آپ کے جسم پر زیب دے گی بلکہ دنیا دیکھے گی۔" اس نے کپڑا گز سے ناپا پھر کاٹنے کے لئے جا بجا اس پر نشان لگانے لگا۔ ساتھ ساتھ ادھر اُدھر کے پرلطف قصے چھیڑ دیئے ہنسنے ہنسانے کے باتیں ہونے لگیں۔ جن میں ترک کو بے حد دلچسپی ہوگئی۔ جب درزی نے اس کی دلچسپی دیکھی تو ایک مزاحیہ لطیفہ سنایا جسے سُن کر ترک ہنسنے لگا اس کی چندھی چندھی آنکھیں اور بھی مچ گئیں درزی نے جھٹ پٹ کپڑا کاٹا اور ران تلے ایسا دبایا کہ سوائے خدا کی ذات کے اور کوئی نہ دیکھ سکا۔

غرض درزی کی اس پُر لطف داستان سرائی میں ترک اپنا اصل مقصد اور دعویٰ فراموش کر بیٹھا، کدھر کی اطلس، کہاں کی شرط، ہنسی مذاق میں سب سے غافل ہو گیا۔ ترک درزی سے کہنے لگا کہ ایسی ہی مزیدار کوئی اور بات سناؤ واللہ میرا جی خوش ہو گیا۔ درزی نے دیکھا کہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے تو ایک قصہ اس سے بھی زیادہ پُر لطف سنایا۔ ترک کا مارے ہنسی کے یہ حال تھا کہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپے قہقہے پر قہقہے لگا رہا تھا۔ درزی نے پھر اپنے ہاتھ کی صفائی دکھائی اور ایک اور پیس کاٹ کر ران تلے دبا لیا۔ ترک نے بے تاب ہو کر پھر کہا کہ کوئی اور بات سناؤ۔ درزی نے پھر چرب زبانی کا مظاہرہ کیا۔ ترک اتنا ہنسا کہ اس کی آنکھیں بالکل بند ہو گئیں۔ ہوش وحواس رُخصت، عقل وخرد الوداع، اس مرتبہ درزی نے پھر کپڑا کاٹ کر ران تلے دبا لیا۔ ترک نے جب چوتھی بار مذاق کا تقاضا کیا تو درزی کو کچھ حیا آ گئی اور کہنے لگا۔ مزید تقاضا نہ کر اگر ہنسی کی اور بات کہوں گا تو تیری

قبا تنگ ہو جائے گی۔

درسِ حیات:

وہ ترکی کون ہے؟

دغاباز درزی کون ہے؟

اطلس کیا ہے اور ہنسی مذاق کیا ہیں؟

قینچی کیا ہے اور وہ قبا کیا چیز ہے؟

وہ غافل ترک تیری ذات ہے۔ جسے اپنی عقل وخرد پر بڑا بھروسا ہے۔

وہ عیار دھوکہ باز درزی یہ دنیائے فانی ہے ہنسی مذاق نفسانی جذبات ہیں۔

تیری عمر کی اطلس پر دن رات، درزی کی قینچی کی مانند چل رہے ہیں دل لگی کا شوق تیری غفلت ہے۔

اطلس کی قبا تجھے تقویٰ بھلائی اور نیکی کے لئے سلوانی تھی۔

وہ فضول مذاق اور قہقہوں میں تباہ وبرباد ہوگئی۔

اے عزیز! اپنے ہوش وحواس درست کر ظاہر کو چھوڑ، باطن کی طرف توجہ کر، تیری قیمتی عمر کی اطلس لیل ونہار کی قینچی سے دُنیا کا مکار درزی ٹکڑے ٹکڑے کر کے چرائے جا رہا ہے اور تُو ہنسی مذاق میں مشغول ہے۔

حکایت نمبر۳۲:

روحانی بیماری

حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانے میں ایک آدمی اکثر یہ کہتا رہتا تھا کہ ''مجھ سے بے شمار گناہ اور جرم سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ کے کرم سے مجھے کچھ نہیں ہوتا۔'' حضرت شعیب علیہ السلام نے جب اس کی یہ باتیں سنیں تو فرمانے لگے: ''ارے بے وقوف تو صراطِ مستقیم سے بھٹک گیا ہے۔ تیری مثال اس سیاہ دیگ کی سی ہے۔ جس پر اسی کا رنگ چڑھتا رہتا ہے۔ اسی طرح تیرے اعمالِ بد نے تیری روح کی پیشانی بے نور کر دی ہے۔ تیرے قلب پر زنگ کی اتنی تہیں چڑھ گئی ہیں کہ تجھے خدا کے بھید دِکھائی نہیں دیتے۔ جو بدنصیب گناہ میں آلودہ ہو اور اوپر سے اس پر اصرار کرے تو اس کی عقل پر خاک پڑ جاتی ہے۔ اسے کبھی توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اسے گناہ کے کاموں میں لذت ملنے لگتی ہے۔ وہ شخص گمراہ اور بے دین ہو جاتا ہے۔ اس میں حیا اور ندامت کا احساس ہی باقی نہیں رہتا۔''

حضرت شعیب علیہ السلام کی یہ باتیں سُن کر اس شخص نے کہا ''آپ علیہ السلام نے بجا فرمایا۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کا مواخذہ کرتا ہے تو اس کی علامت کیا ہے۔''

بارگاہِ خداوندی سے ارشاد ہوا میں ستار العیوب ہوں۔ البتہ اس کی گرفت کی ایک واضح علامت یہ ہے، یہ نماز، روزے کی پابندی کرتا ہے، زکوۃ بھی ادا کرتا ہے۔ لمبی لمبی

دعائیں بھی مانگتا ہے اور نیک عمل بھی دکھاوے کے لئے کرتا ہے۔ لیکن اس کی روح کو ان عبادتوں اور نیکیوں سے ذرہ برابر بھی لذت نہیں ملتی۔ ظاہر میں اس کی عبادات اور نیکیاں خشوع وخضوع سے لبریز ہیں لیکن باطن میں پاک نہیں۔ اس کو کسی عبادت میں بھی روحانی سکون حاصل نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے درخت میں اخروٹ تو اَن گنت لگے ہوں۔ مگر ان میں مغز نہ ہو عبادت اور نیکیوں کا پھل پانے کے لئے ذوق درکار ہے۔ جب اس شخص کو اپنے باطن کا پتہ چلا اور اپنی روحانی بیماری معلوم ہوئی تو وہ بہت حیران و پریشان ہوا۔

درسِ حیات:

☆ انسان اس خوش فہمی میں نہ رہے کہ اس کی بدعملی اور غلط کاری پر اس کی گرفت نہیں ہوتی۔ گرفت کا انداز مختلف قسم کا ہوتا ہے۔

حکایت نمبر ۳۳:

سخت گیر اُستاد

ایک مکتب کا استاد بڑا محنتی تھا۔ مکتب کے بچے استاد کی طرف سے مسلسل محنت اور پڑھائی کی وجہ سے تھک گئے تھے۔ انہوں نے کچھ دن رخصت حاصل کرنے کی تدبیر کی۔ ایک دن سب طالب علموں نے بیٹھ کر پروگرام بنایا کہ جب استاد صاحب کلاس میں آئیں تو ......سلام لیتے وقت باری باری یہ کہیں گے کہ استاد جی اللہ خیر کرے آپ کا چہرہ زرد محسوس ہو رہا ہے۔ سب بچوں نے اس پر اتفاق کیا اور قسمیں کھائیں کہ راز فاش نہیں کریں گے۔

دوسرے دن مکتب میں جب استاد صاحب تشریف لائے سلام لیتے وقت ایک بچے نے بڑی ذمہ داری سے ہمدردانہ طور پر عرض کیا "استاد جی اللہ خیر کرے آج آپ کا چہرہ کیوں زرد سا محسوس ہو رہا ہے؟" استاد نے کہا "میں تو اچھا بھلا ہوں تُو یوں ہی بک بک کر رہا ہے۔ جا اپنی جگہ پر بیٹھ اور اپنا کام کر۔" اسی طرح دوسرے طالب علم نے سلام عرض کرتے وقت کہا: "استاد جی نصیبِ دشمناں آپ کچھ بیمار سے محسوس ہوتے ہیں۔" استاد صاحب کے دل میں کچھ وہم سا پیدا ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے تیسرا طالب علم آیا اس نے بھی جھک کر سلام عرض کیا اور کہا کہ: "آپ کچھ بیمار ہیں۔ اللہ خیر کرے اور ہمارے استاد جی کو بہ خیریت رکھے۔" الغرض ساری کلاس نے استاد کو بیمار بتایا اس کا وہم بڑھتے بڑھتے یقین کے درجے تک پہنچ گیا۔ اُستاد جی کو صحیح سر میں درد محسوس ہونے لگا۔

جس تن لگے وہی تن جانے
دکھیا کی کوئی نہ مانے

استاد صاحب بیماری کے وہم سے سست ہو گئے۔ چادر اوپر لے کر آہستہ آہستہ گھر چلے گئے اور بچوں کو کہا کہ مجھے گھر آ کر سبق سنا دینا۔ استاد صاحب جب گھر پہنچے تو بیوی پر خفا ہونے لگے کہ تُو میرا خیال نہیں رکھتی دیکھ میرا چہرہ زرد ہو رہا ہے۔ جب کہ بچوں نے میری بیماری کی نشاندہی کی ہے۔ بیوی کہنے لگی ''آپ تو بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ بیمار نہیں ہیں۔'' استاد صاحب نے اسے جھڑک دیا اور کہا جا میرا بستر ا بچھا دے استاد صاحب بستر پر لیٹے۔ ان کے شاگرد بھی آن پہنچے چارپائی کے گرد اونچا اونچا سبق پڑھنے لگے لڑکوں نے گھر سر پر اٹھا لیا۔ استاد صاحب نے کہا ''کم بختو! تمہیں پتا نہیں میں بیمار ہوں اور تم شور مچا رہے ہو۔ میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔ جاؤ اب چھٹی کرو جیتا رہا تو پڑھاؤں گا۔'' لڑکے دل ہی دل میں ہنستے ہوئے گھروں کو بھاگ گئے۔ گھر والوں نے پوچھا تم بے وقت کیوں آ گئے۔ انہوں نے کہا ہمارے استاد صاحب بیمار ہو گئے ہیں۔

دوسرے دن بچوں کے والدین استاد صاحب کی بیمار پرسی کرنے کے لئے ان کے گھر آئے تو کہنے لگے صبح تو آپ چنگے بھلے تھے۔ استاد صاحب بولے: ''میری بیوی نے مجھے نہ بتایا کہ میں بیمار ہوں، خدا لڑکوں کا بھلا کرے مجھے وقت پر بتا دیا۔ بس اب آپ دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے شفا عطا فرمائے۔'' والدین لاحول پڑھتے پڑھتے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور کہنے لگے ایسی بیماری کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ سچ ہے کہ وہم کا کوئی علاج نہیں۔

درسِ حیات:

☆ وہم کا کوئی علاج نہیں۔ توہم پرست سے جو عقیدہ چاہیں منوالیں۔

حکایت نمبر ۳۴:

حضرت عزرائیل علیہ السلام کے دل میں رحم آنا

ایک دفعہ اللہ عزوجل نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ تجھے کسی کی جان قبض کرتے وقت کبھی رحم بھی آیا۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ الٰہی میرا ہر ایک کی روح قبض کرتے وقت دل دُکھتا ہے مگر تیرے حکم کی سرتابی کی مجال کہاں۔ ہاں ایک واقعہ ایسا گزرا ہے جس کا دکھ میں ابھی تک نہیں بُھلا سکا وہ غم ایسا ہے جو تنہائی میں بھی میرے ساتھ رہتا ہے۔

ایک جہاز سمندر میں سفر کر رہا تھا۔ وہ تیرے حکم سے ایک بھنور میں پھنس گیا۔ اس طرح تھوڑی دیر بعد وہ جہاز تباہ و برباد ہو گیا۔ جہاز میں سوار کئی مرد و زن غرق ہو گئے جو مسافر بچے ان میں ایک ماں تھی اور دوسرا اس کا نوزائیدہ بچہ جو تباہ شدہ جہاز کے ایک تختے پر سمندر کی لہروں میں تیرے رحم و کرم پر بہے جا رہے تھے۔ تیز ہوا نے انہیں آناً فاناً سینکڑوں میل دُور سمندر کے کنارے پر پہنچا دیا۔ میں ماں اور بیٹے کے بچ جانے سے بہت خوش ہوا اسی لمحے تیرا حکم ہوا ماں کی روح قبض کر لو۔ میں نے مولا کریم تیرے حکم کی تعمیل کی باری تعالیٰ تُو خوب جانتا ہے کہ یہ حکم پا کر میرا کلیجہ کانپ گیا تھا اور جب میں نے اس طفلِ شیر خوار کو ماں سے الگ کیا تو مجھے کس قدر تکلیف پہنچی تھی اب یاد آئی ہے تو آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں ہیں۔ پھر حکمِ الٰہی ہوا کیا تجھے پتا ہے کہ بعد میں وہ بچہ کہاں اور کس طرح پرورش پاتا

رہا؟

عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے ظاہر اور باطن اسی پر عیاں ہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہم نے موجِ سمندر کو حکم دیا کہ اس لاوارث بچے کو اٹھا کر ساحل پر ڈال دے۔ ساحل کے قریب ایک سرسبز وشاداب جزیرہ تھا۔ ہم نے پھولوں کو حکم دیا کہ بچے کے نیچے سیج بچھا دیں۔ سورج سے کہا اپنی تیز شعاعوں سے بچے کو محفوظ رکھنا۔ بادل کو کہا بچے سے ذرا فاصلے پر برسے، درختوں کی شاخیں خود بخود جھک کر پھل اور ان کا رس اس کے منہ میں ڈال دیتی تھیں۔ جزیرے میں ایک شیرنی کی ہم نے ڈیوٹی لگا دی وہ روزانہ اسے دودھ پلاتی شیرنی کے خوف سے کوئی جانور بچے کے پاس نہیں آسکتا تھا۔ اس جزیرے میں ہم نے خوش نوا اور حسین پرندے بھیجے جو ہر وقت چہچہاتے تا کہ بچے کا دل پریشان نہ ہو۔ ہوا کو حکم دیا کہ اس پر سے آہستہ آہستہ گزرے تا کہ اس کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

اے عزرائیل علیہ السلام! وہ تنہا اور بظاہر بے یار و مددگار بچہ پرورش پا کر خوب صحت منداور بہادر ہو گیا۔ ہم نے اس کے پاؤں میں کبھی کانٹا بھی نہ چبھنے دیا۔ دنیا جہان کی نعمتیں اسے عطا کیں۔

اب اے ملک الموت علیہ السلام تُو جانتا ہے وہ بچہ کہاں اور کیا کر رہا ہے؟ ایک بادشاہ شکار کھیلتے ہوئے ادھر آنکلا وہ خوبصورت صحت مند بچے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اسے اٹھا کر اپنے محل میں لے گیا۔ ان کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ انہوں نے اسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ بادشاہ کے مرنے کے بعد وہ اکیلا تاج وتخت کا مالک بن گیا۔ غرور اور تکبر سے ہمارے بندوں پر ظلم کرنے لگا۔ ایسا سرکش نکلا کہ خود خدا بن بیٹھا۔ اپنے بت بنوا کر انہیں سجدے کرانے لگا۔ خاک کا فانی پتلا ہمارا شریک بن بیٹھا آخر ہم نے اس کی بہتری کے لئے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو اس کے پاس بھیجا اس ظالم نے ہمارے پیارے کو بھی آگ میں پھینک دیا۔

عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا اے مخلوقات کے خالق تیرے بھید تُو ہی جانے میں اس سرکش بچے کی حالت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے دل میں خیال اور ملال لاتا رہا۔

اے عزرائیل علیہ السلام! اس بچے نے میرا کیا شکریہ ادا کیا؟ دوسروں کے لئے تو

ماں باپ کی پرورش حجاب بن جاتی ہے۔ مگر اس نالائق نے تو بلاواسطہ اپنی جیب میں بہت سے موتی ہم سے پائے تھے۔

"وہ بچہ نمرود بن کر اس وقت ایک بڑے ملک کا بادشاہ ہے اور اسی نے میرے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے الاؤ میں جھونکا ہے اور اب خدائی کا دعویٰ کر کے لوگوں کو میری راہ سے ہٹاتا ہے اور حکم نہ ماننے والوں کو سخت سزا دیتا ہے"۔

درسِ حیات:

☆ اے خدا کے بندے تُو اپنی اصلاح کر لے، زنجیر کتے کی گردن سے مت بحال کر یعنی نفس کو قید و بند میں رکھ۔ نفس یقیناً ایک خونی درندے کی مانند ہے اگر یہ احسان فراموش ہو جائے۔ تو مثلِ نمرود بن جاتا ہے۔

حکایت نمبر ۳۵:

سبحان تیری قدرت

اب ایک ایسی حکایت پیش کی جاتی ہے۔ جس کا ظاہر کچھ اور ہے اور باطن کچھ اور ......ایک گاؤں میں ایک مؤذن تھا۔ اس کی دل خراش آواز سے سب نالاں تھے۔ مگر مؤذن کو خوش فہمی تھی کہ اس کی آواز بے حد سریلی اور میٹھی ہے۔ جب وہ اذان دیتا سننے والے اپنا سر تھام لیتے معصوم بچے اپنی ماؤں سے لپٹ جاتے۔ راہ گیر کانوں میں انگلیاں دے لیتے۔ غرض مرد، عورت بڈھے جوان اور بچے اس کی کرخت آواز سے پریشان ہو جاتے تھے......
اہلِ محلّہ نے بارہا اسے نرمی سے سمجھایا کہ تیری آواز اس قابل نہیں کہ تُو اذان دے، ایسی بھیانک آواز سے اذان دینا شریعت میں منع کیا گیا ہے۔ محلے والوں کی جان اس سے عذاب میں تھی سننے والوں کی نیند حرام ہو جاتی تھی۔ سَروں میں درد ہونے لگتا تھا۔ آخر تنگ آ کر سب نے صلاح و مشورہ کیا کہ کسی طریقے سے اسے مسجد سے فارغ کرنا چاہیے۔ سب نے دل کھول کر مؤذن صاحب کی مالی خدمت کی اور عرض کرنے لگے ہم آپ کے ''لحنِ داؤدی'' سے بہت مستفیض ہوئے۔ آپ نے بہت خدمت کی اب کچھ عرصہ آرام کیجئے۔

ایک قافلہ مکہ معظّمہ جا رہا تھا مؤذن صاحب حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے اس قافلے میں شامل ہو گئے۔ سفر کی پہلی منزل میں قافلہ ایک ایسی بستی کے قریب جا کر رکا جس میں زیادہ آبادی کافروں کی تھی۔ عشاء کی نماز کا وقت ہوا تو اس مؤذن نے اللہ کا نام

لے کر اذان دینی شروع کر دی، آواز ایسی کرخت نکالی کہ قبروں سے مُردے بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ قافلے والے ڈرنے لگے کہ کہیں کوئی فتنہ نہ برپا ہو جائے۔ تھوڑی دیر بعد ایک کافر ہاتھ میں شمع لئے مٹھائی اور قیمتی جوڑا کپڑوں کا لے کر آیا اور قافلے کے اندر آتے ہی پوچھنے لگا: ''وہ مؤذن کہاں ہے؟ جس کی آواز سے ہمیں حیاتِ نو ملی ......'' قافلے والوں کو اس کی یہ بات سُن کر حیرت ہوئی۔ کافر مسکرا کر کہنے لگا: ''میں شکریہ ادا کرنے حاضر ہوا ہوں۔''

کافر کہنے لگا: ''میری اکلوتی لڑکی ہے نہایت ہی حسین و جمیل اور نازک دماغ ہے، مدت سے اس کی آرزو تھی کہ مسلمان ہو جائے۔ ہم اسے برابر سمجھاتے رہے کہ یہ خیال چھوڑ دے۔ اپنے باپ دادا کا مذہب نہ چھوڑ مگر اسے کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی تھی۔ اسلام کی محبت اس کے دل میں جاگزیں ہو چکی تھی۔ اس سبب سے میں ہمیشہ پریشان اور خوف زدہ رہتا تھا۔ مگر آج اس مؤذن کی آواز نے وہ کام کر دکھایا جو ہزار نصیحتیں بھی نہ دکھا سکیں۔ لڑکی نے مؤذن صاحب کی آواز سُن کر پوچھا یہ مکروہ آواز کیسی ہے جو کانوں میں آرہی ہے اور دماغ پر ہتھوڑے کی طرح بج رہی ہے۔ اس کی ماں نے جواب دیا یہ اذان کی آواز ہے۔ مسلمانوں میں نماز کی اطلاع دینے کا یہی طریقہ مقرر ہے۔ اس کے بعد میری لڑکی نے مجھ سے یہی سوال کیا میں نے بھی یہی جواب دیا کہ واقعی یہ مسلمانوں کی اذان کی آواز ہے اسے یقین آتے ہی خوف سے اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور ہمارا دل سرد ہو گیا۔ اس نے اسی وقت طے کر لیا کہ وہ اسلام قبول نہیں کرے گی۔ ہم تشویش و عذاب سے چھوٹ گئے ہمیں واقعی اس کی آواز سے راحت پہنچی اب میں اس مؤذن کا احسان مند ہوں اور شکریے کے طور پر یہ نذرانہ اس کیلئے لایا ہوں۔'' کافر مؤذن سے بغلگیر ہو کر دعائیں دینے لگا اور کہنے لگا جناب آپ میرے محسن ہیں آپ نے آج وہ احسان مجھ پر کیا ہے کہ ساری زندگی آپ کا غلام رہوں گا۔ اگر میرے قبضے میں کسی ملک کی بادشاہت ہوتی تو آپ کو اشرفیوں میں تول دیتا۔

درسِ حیات:

☆ آوازِ حق بلند کرنا یعنی تبلیغ دین کیلئے بھی مناسب لوگوں کا انتخاب ہونا چاہئے۔

حکایت نمبر ۳۶:

دائمی زندگی

ایک دانا و بینا شخص نے بطور تمثیل کہا کہ برصغیر کے علاقے میں ایک ایسا درخت ہے، جس کے سائے کا پھیلاؤ کئی کوس تک ہے...... اس کی جڑ پاتال کی خبر لاتی ہے اور اونچائی آسمان تک پہنچتی ہے۔ اس سے مخلوقِ خدا فائدہ اٹھاتی رہتی ہے۔ اس کے پتوں کے متعلق لوگوں کا یقین ہے کہ وہ نہایت ہی تلخ ہوتے ہیں۔ مگر جس شخص کو قسمت سے کوئی پتہ ہاتھ لگ جائے اور وہ اس پتے کو کھالے تو اسے حیاتِ ابدی نصیب ہو جاتی ہے۔

اس درخت کے نیچے مردانِ خدا سالہا سال جھولیاں پھیلائے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں کہ کب کوئی پتہ جھڑے اور ان کے ہاتھ آئے ...... یہ حکایت ایک بادشاہ نے سنی اور جی میں کہا کہ اگر اس شجر کا میوہ ملے تو کیا کہنے ...... بادشاہ نے اپنے مصاحبوں اور وزیروں سے اپنی اس خواہش کا ذکر کیا۔ سب نے ہاں میں ہاں ملائی۔

الغرض بادشاہ نے برصغیر پاک و ہند میں اپنے ایک ہوشیار آدمی کو اس درخت کے پھل کے لئے روانہ کر دیا۔ وہ بے چارہ مدتوں جنگل جنگل صحرا صحرا مارا مارا پھرتا رہا، لیکن گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آیا جس کسی سے ایسے درخت اور پھل کا پوچھتا وہ اس کا مذاق اڑاتا، کیوں دربدر خاک چھان رہے ہو، ٹھنڈے ٹھنڈے جدھر سے آئے ہو اُدھر کو لوٹ جاؤ۔ وہ آدمی تھا، من کا پکا، اِرادے میں خم نہ آنے دیا اور برابر کوہ و دشت کی خاک چھاننے لگا۔ جب برسہا برس گزر چکے پورے ہندوستان کے گوشے گوشے، چپے چپے میں پھر چکا، بقائے دوام کے شجر کا کہیں نشان نہ ملا۔ اس قدر محنت اور تکلیف اکارت جانے سے اس کے رنج و غم کی کوئی

انتہا نہ تھی۔ بدقسمتی پر آنسو بہانے لگا۔ بے چارہ قاصد مایوس ہو گیا اور بصد حسرت و یاس وطن کو واپس چل پڑا۔

''سچ کہتے ہیں کہ کسی کی محنت رائیگاں نہیں جاتی'' چلتے چلتے اس کا گزر ایک ایسے مقام سے ہوا جہاں ایک خدا رسیدہ بزرگ رہتے تھے۔ ان کے علم و فضل اور کشف و کرامات کی بڑی شہرت تھی۔ قاصد نے دل میں سوچا مجھے اس بزرگ کی خدمت میں جانا چاہیے۔ ممکن ہے شیخ کی نگاہِ التفات سے بگڑا کام بن جائے اور مایوسی راحت میں بدل جائے۔ یہ سوچ کر چشمِ پُر آب لے کر شیخ کے پاس حاضر ہوا۔ ان کی نورانی صورت دیکھتے ہی اپنے آپ پر اختیار نہ رہا ضبط کا دامن ہاتھ سے نکل گیا اور روتا ہوا ان کے قدموں میں جا گرا۔ اس قدر آنسو بہائے کہ سارا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ شیخ نے اُٹھا کر شفقت سے گلے لگایا اور پوچھا: ''کیا بات ہے؟ پریشانی کا سبب کیا ہے۔'' اس نے عرض کیا: ''جس کام کے لئے برسوں پہلے وطن سے نکلا تھا۔ وہ کام نہیں ہوا۔ اب سوچتا ہوں واپس جا کر بادشاہ کو کیا جواب دوں گا۔ بادشاہ نے مجھے بقائے دوام کے شجر کی تلاش میں یہاں بھیجا تھا۔ میں نے اس کی جستجو میں اس ملک کا چپہ چپہ چھان مارا مگر ''ناکامی اور مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا''۔

شیخ نے سُن کر کہا: ''سبحان اللہ! بھائی تُو نے بھی سادہ لوحی کی حد کر دی، ارے اتنا وقت خواہ مخواہ ضائع کیا۔ تم لوگوں نے اصل بات کو نہیں سمجھا۔ لفظوں کو لے لیا معنی پر غور نہیں کیا...... وہ شجر علم و ہنر ہے، جس کا ثمر حیاتِ جاوداں کا اثر رکھتا ہے اور اس درخت کا پتہ، معرفتِ خداوندی ہے، جس کو علم حاصل کر کے خدا کی معرفت مل جائے وہ زندۂ جاوید ہو جاتا ہے اور اسے ہی دائمی زندگی کہتے ہیں''۔

درسِ حیات:

☆ اے عزیز! صرف الفاظ پر غور نہ کر معنی کے اندر غوطہ لگا۔ صورت کے پیچھے مت بھاگ سیرت دیکھ ظاہر پر نہ جا باطن دیکھ صفت پر نظر رکھ تا کہ تجھے ذات کی طرف لے جائے...... یہ نام ہی کا جھگڑا ہے جس نے مخلوق کے اندر اختلاف کی گرہیں ڈال دی ہیں جہاں معنی پر نگاہ کی جاتی ہے وہاں اختلاف نہیں رہتا۔

حکایت نمبر ۳۷:

خوشنما اور قیمتی موتی

دربارِ شاہی لگا ہوا تھا۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔

تمام وزراء اور امراء حاضرِ خدمت ہیں بادشاہ سلامت کے ہاتھ میں ایک موتی تھا۔

اس نے وہ ہیرا وزیرِ دربار کو دکھا کر پوچھا: ''اس موتی کی کیا قیمت ہوگی؟'' وزیر نے اچھی طرح دیکھ بھال کر عرض کی حضور نہایت قیمتی چیز ہے۔ غلام کی رائے میں ایک من سونے کے برابر اس کی مالیت ہوگی۔ ''بہت خوب''! ہمارا اندازہ بھی یہی تھا۔ سلطان نے حکم دیا۔ اسے توڑ ڈالو۔ وزیرِ دربار نے حیرت سے سلطان کی طرف دیکھا اور ہاتھ باندھ کر بولا ''جہاں پناہ اس موتی کو کیسے توڑوں میں تو حضور کے مال و منال کا نگران اور خیر خواہ ہوں۔''

سلطان نے کہا: ''ہم آپ کی اس خیر خواہی سے خوش ہوئے......'' تھوڑی دیر بعد سلطان نے وہی موتی نائب وزیر کو دیا اور اس کی قیمت دریافت کی، وزیر نے عرض کیا۔ ''حضور عاجز ہوں اس کی قیمت کا اندازہ کرنے سے''۔ حکم دیا ''اچھا!!!! اسے توڑ دو''۔ وہ عرض کرنے لگا ''قبلۂ عالم!!! ایسے بیش بہا قیمتی موتی کو کیوں تڑوانا چاہتے ہیں۔ جس کا ثانی ملنا محال ہے۔ ذرا اس کی آب و تاب اور چمک دمک تو ملاحظہ فرمایئے، سورج کی روشنی اس کے سامنے ماند پڑ رہی ہے۔'' میں شاہی خزانے کا نگہبان ہوں اسے توڑنے کی کیسے جرأت

کر سکتا ہوں۔ سلطان نے اس کی...... فہم وفراست کی تعریف فرمائی۔"

پھر چند لمحوں...... کے بعد وہی موتی امیر الامراء کو دیا اور کہا: "اسے توڑ ڈالیے"۔ اس نے بھی عذر پیش کر کے توڑنے سے معذرت کر لی۔ بادشاہ نے سب کو انعام واکرام دیا اور ان کی وفاشعاری اور اخلاص کی تعریف کی، بادشاہ جوں جوں درباریوں کی تعریف کر کے ان کا مرتبہ بڑھاتا گیا۔ توں توں وہ ادنیٰ درجے کے لوگ صراطِ مستقیم سے بھٹک کر اندھے کنویں میں گرتے گئے۔ وزیرِ دربار کی دیکھا دیکھی امیروں اور وزیروں نے ظاہر کیا کہ وہ دولتِ شاہی کے وفادار اور نگران ہیں۔

"آزمائش اور امتحان کے لمحوں میں تقلید کرنے والا ذلیل وخوار ہوتا ہے"۔ سلطان نے تمام درباریوں اور خیر خواہانِ دولت کی آزمائش کر لی۔ آخر میں سلطان نے وہ موتی ایاز کو دیا اور فرمایا:

"اے نگہ باز! اب تیری باری ہے بتا اس موتی کی کیا قیمت ہوگی۔

ایاز نے عرض کیا اے آقا! میرے ہر قیاس سے اس کی قیمت زیادہ ہے۔" اچھا ہمارا حکم ہے تُو اسے توڑ دے ایاز نے فوراً اس ہیرے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

وہ غلام آقا کے طریقِ امتحان سے آگاہ تھا۔ اس لئے کسی دھوکے میں نہ آیا۔ موتی کا ٹوٹنا تھا کہ سب درباری کیا امیر کیا وزیر بُری طرح چلاّ اُٹھے ارے بے وقوف تیری یہ جرأت کہ ایسا نادر ونایاب موتی توڑ ڈالا ذرا خیال نہ کیا کہ کس قدر نقصان کیا ہے۔ ان کا واویلا سُن کر ایاز نے کہا:

"اے صاحبو! ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ موتی کی قیمت زیادہ ہے یا حکمِ شاہی کی؟ تمہاری نگاہ میں سلطانی فرمان زیادہ وقعت رکھتا ہے یا یہ حقیر موتی، تم نے ہیرے کو دیکھا اس کی قیمت اور چمک کو دیکھا مگر اس حکم دینے والے کو نہ دیکھا۔ وہ روح ناپاک اور بد خصلت ہے جو ایک حقیر پتھر کو نگاہ میں رکھے اور فرمانِ شاہی کو نظر انداز کر دے"۔ جب ایاز نے یہ بھید سرِ عام کھولا تب تمام ارکانِ دولت ومنصب کی آنکھیں کھلیں۔ ندامت اور ذلت سے یہ حال تھا کہ کسی کی گردن اوپر نہیں اٹھتی تھی...... سلطان کے سامنے یہ عذر پیش کرنا چاہا کہ وہ خیر خواہیِ مال میں شاہی فرمان کی اہمیت کو بھول گئے تھے۔

سلطان نے کہا:

معمولی پتھر کے مقابلے میں تم میرا حکم توڑنا زیادہ ضروری سمجھتے ہو۔ یہ کہہ کر شاہی جلاد کو حکم صادر کر دیا کہ ان سب نافرمانوں کی گردنیں اُڑا دو۔ ارکانِ دولت خوف سے تھر تھر کانپنے لگے۔

ایاز کو ان کی بے بسی پر رحم آیا، ہاتھ باندھ کر سلطان سے عرض کرنے لگا۔ ''اے آقا! اور اے معاف کر دینے والے، ان بدبختوں کی غفلت اور نادانی کا سبب محض تیرا کرم اور صفتِ عفو کی زیادتی ہے۔ آپ کی ناراضگی ان کے لیے سو موتیوں سے بھی بدتر ہے۔ تیری مہربانیاں ہم پر غالب ہیں اور ہم ان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں میری کیا حیثیت اور کیا حقیقت مگر اتنا عرض کرتا ہوں کہ ان مجرموں کے سر بھی تیری ہی دیوار سے لگے ہیں۔ بے شک یہ بازی ہار گئے، مگر اتنا تو ہوا کہ اپنی خطا اور اپنے جرم سے آگاہ ہوئے۔ اس لئے انہیں معاف کر دے''۔ بادشاہ نے ایاز کی سفارش قبول کی اور سب کو معاف کر دیا۔

درسِ حیات:

☆ ایاز مزاجِ شاہی کا رمز شناس تھا۔ اس نے ہیرے کی ظاہری چمک دمک سے آگے دیکھا اور حکمِ شاہی کو ہیرے پر ترجیح دی اسی سبب سے وہ مقرب ٹھہرا۔ وزراء اور امراء نے ہیرے کی چمک دمک دیکھی وہ اس میں کھو گئے اور حکمِ شاہی کو نظر انداز کر دیا۔

انسان غفلت اور گمراہی میں پڑ کر صناعِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے جس کا نتیجہ ذلت و خواری کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔

حکایت نمبر ۳۸:

سحرِ عشق

سلطان محمود غزنوی کے محبوب وزیر ایاز نے اپنے پرانے کپڑے اور جوتے ایک کمرے میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ روزانہ اس کمرے میں جاتا، اور اپنے پرانے کپڑوں اور جوتوں کو دیکھ کر کہتا ''اے ایاز'' ......

......''قدر خود بشناس'' اے ایاز اپنی قدر پہچان، بادشاہ کی خدمت میں آنے سے پہلے تیری یہ اوقات تھی۔ پیوند لگے ہوئے یہ کپڑے اور جوتے تُو پہنتا تھا۔ اپنے موجودہ مرتبے پر نازاں ہو کر اپنی اصل کو نہ بھول جانا۔

دیکھنے والے بھی قیامت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کا روزانہ اس کوٹھڑی میں جانا بھلا کب تک پوشیدہ رہ سکتا تھا۔ دوسرے امراء و وزراء اس سے حسد کرتے تھے۔ انہوں نے محمود کے دل میں شبہ ڈالنے کی کوشش کی اور کہا کہ ایاز نے ایک کمرہ زبردست تالوں سے بند کر رکھا ہے۔ کسی کو اس کے اندر جانے نہیں دیتا اور نہ ہی کسی کو بتاتا ہے کہ اس میں کیا بند ہے...... ہو سکتا ہے شاہی خزانے سے بیش بہا جواہر چرا چرا کر اس میں رکھتا ہو۔ اس کے کمرے کی تلاشی لی جائے۔ اس کی وفاداری کا بھرم کھل جائے گا...... بادشاہ ایاز کی وفاداری اور پاکبازی پر پورا یقین رکھتا تھا۔ بادشاہ نے کہا مجھے اس غلام پر حیرت ہے اور حکم دے دیا کہ اس کمرے کے قفل کھولے جائیں اور جتنا مال و دولت اس نے ذخیرہ کیا ہوا ہے اس کے

متعلق مجھے آگاہ کیا جائے۔

''ایسے گندم نما جوفروش کا پردہ ضرور چاک کرنا چاہیے''۔ بادشاہ کا حکم پاتے ہی حاسدین نے قفل توڑ ڈالا اور یوں اندر گھسے جیسے چھاچھ سے بھرے ہوئے گھرے برتن میں مکھی مچھر گھس جاتے ہیں۔ انہوں نے کوٹھڑی کا گوشہ گوشہ چپہ چپہ چھان مارا سوائے بوسیدہ کپڑوں اور جوتوں کے کچھ نہ ملا۔ آپس میں کہنے لگے ایاز بہت چالاک ہے ضرور اس نے زرو جواہر دفن کر رکھے ہوں گے۔ انہوں کے کدالیں اور پھاوڑے لے کر سارے کمرے کا فرش کھود ڈالا مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ پھر جھنجھلا کر کوٹھڑی کی دیواریں توڑنے لگے شاید وہ خزانہ اینٹوں کے اندر چھپا ہوا ہو۔ ہر اینٹ سے لاحول کی آواز آنے لگی۔ آخر ندامت اور پشیمانی کا پسینہ ان کی پیشانیوں سے بہہ بہہ کر چہرے پر آنے لگا۔ ان کی گمراہیوں اور بے ہودگیوں کا ثبوت وہ گڑھے اور ٹوٹی ہوئی دیواریں تھیں۔ جنھیں ان حاسدین نے حسد کی آگ میں اندھے ہو کر گرایا تھا۔ اس بے ہودہ کارروائی کے بعد انہیں یہ خوف دامن گیر ہوا کہ...... بادشاہ کو کیا جواب دیں گے۔ آخر کار اپنی جان سے مایوس ہو کر روتے اور چہروں پر گردوغبار ملتے، بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے پوچھا: ''تم نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے اور وہ مال ودولت کہاں ہے جو تم ایاز کے کمرے سے لُوٹ کر لائے ہو۔ تمہاری صورتوں پر وحشت کیوں برس رہی ہے اور تمہارے رُخساروں کا خون کون چرا کر لے گیا ہے۔'' بادشاہ کے ان کلمات کی تاب نہ لا کر سب کے سب حاسد بادشاہ کے قدموں میں گر پڑے۔ ان میں اتنی ہمت نہ رہی کہ بادشاہ کے رُوبرو کھڑے رہتے سلطان نے ارشاد فرمایا: ''میں نہ تمہیں چھوڑوں گا نہ سزا دوں گا۔ یہ معاملہ ایاز کی صوابدید پر ہے۔ کیونکہ تم اس کی آبرو سے کھیلے ہو۔ گہرے گھاؤ اسی نیک دل کی رُوح پر لگے ہیں۔'' سلطان محمود نے ایاز کو طلب کر کے فرمایا: ''اے نیک بخت تُو اس امتحان میں سُرخرو نکلا۔ یہ مجرم تیرے ہیں اور تجھے پورا اختیار ہے۔ انہیں جو چاہے سزا دے۔''

ایاز عرض کرنے لگا: ''اے بادشاہ حکمرانی تجھی کو ہی زیبا ہے۔ جب آفتاب اپنا رُخِ روشن دکھاتا ہے تب ستارے نابود ہو جاتے ہیں۔'' سلطان محمود بادشاہ کہنے لگا: ''یہ تو بتاؤ تم ہر روز اس کمرے میں اکیلے داخل ہو کر کیا کرتے ہو۔ اس بھید سے ہمیں بھی تو آگاہ کر۔

تجھے ان پرانے کپڑوں اور بوسیدہ جوتوں سے کیا وابستگی ہے تم کیوں ان کے سحرِ عشق میں گرفتار ہو۔ انہیں مخاطب کر کے باتیں کرتے ہو۔ انہیں کوٹھڑی میں چھپا رکھا ہے۔ کیا وہ قمیص حضرت یوسف علیہ السلام کا پیراہن ہے؟ اور وہ جوتے کس عظیم ہستی کے ہیں؟ جنھیں تُو چھاتی سے لگاتا ہے۔ یہ کیا جنوں اور حماقت ہے۔ یہ تو نہایت ادنیٰ قسم کی بُت پرستی معلوم ہوتی ہے۔"

ایاز کی آنکھوں سے موتیوں کی لڑی جاری تھی، عرض کرنے لگا۔ "اے شاہ ذی جاہ! میرا موجودہ مرتبہ آپ ہی کے لطف وکرم کا مرہونِ منت ہے ورنہ میں تو حقیقت میں ایک مسکین اور بے نوا آدمی ہوں اور یہی پرانے کپڑے اور جوتے پہننے کے لائق ہوں۔" "یہ میری غریبی کے دنوں کی یادگار ہیں"۔ ان کی حفاظت کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ اپنے بلند منصب اور شان پر مغرور ہو کر کہیں اپنی حقیقت کو نہ بھول جاؤں۔ اصل میں میں ان کی حفاظت نہیں کرتا بلکہ اپنی اصلی ذات کی حفاظت کرتا ہوں۔"

درسِ حیات:

☆ انسان کو ہر دَم اپنی حقیقت سے آگاہ رہنا چاہئے۔ ورنہ بعض لوگ اپنی حقیقت کو فراموش کر کے خدا بننے کی کوشش کرتے ہیں جس کا نتیجہ خسارے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

حکایت نمبر ۳۹:

ایاز کی فراست

آدمی کی خوبیاں ہی بعض اوقات اس کی دشمن بن جاتی ہیں۔ ایاز کی ذہانت، دیانت وامانت اور اپنے آقا کے ساتھ وابستگی، کامل فرمانبرداری ایسے اعمال تھے جنھوں نے تمام ارکانِ دولت کو اس کا دشمن بنا دیا تھا۔ ایاز کے خلاف ان کے دلوں میں کدورت، بغض اور حسد کا مادہ روز بروز بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اُدھر سلطان کا لطف وکرم اور جو دوسخا ایاز کے حق میں بڑھ رہا تھا۔ ایک دن بد باطن امراء نے بادشاہ سے عرض کی کہ ہم غلاموں کی ناقص عقل میں یہ بات نہیں آ رہی کہ آپ ایک معمولی غلام ایاز کی عقل وبصیرت پر کیوں کر یقین رکھتے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

سلطان نے اس وقت کوئی جواب نہ دیا اور مسلسل اس معاملے میں خاموش رہا۔ چند دنوں بعد دربار کے ان حاسد امراء کو ساتھ لے کر جنگل اور پہاڑوں کی طرف نکلا۔ کوسوں میل دُور ایک قافلہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ سلطان نے ایک امیر کو حکم دیا گھوڑے پر تیزی سے جاؤ اور قافلے والوں سے پوچھو کہ کہاں سے آئے ہو؟ وہ امیر سلطان کے حکم کی تعمیل میں گیا اور کچھ دیر بعد واپس آ کر بتایا کہ قافلہ شہر ''رے'' سے آیا ہے۔ سلطان نے پوچھا قافلے والوں کی منزلِ مقصود کیا ہے۔؟ اس کا جواب امیر نہ دے سکا۔ سلطان نے

دوسرے امیر سے کہا۔ ''اب تم جاؤ اور پوچھو کہ کارواں کدھر جائے گا۔؟ دوسرا امیر جواب لایا کہ ان کا ارادہ یمن کا ہے۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا ان کا ساز و سامان کیا ہے۔ اس بات کا جواب وہ نہ دے سکا۔ وزیر حیران ہوا کہ یہ تو اس نے معلوم ہی نہیں کیا۔ بادشاہ نے ایک اور امیر کو بھیجا اور حکم دیا کہ دریافت کر کے آؤ کہ ان کے پاس کیا سامان ہے؟ اس نے واپس آ کر کہا کہ ان کا سامان ''رے'' کے برتن ہیں۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا وہ قافلہ ''رے'' شہر سے کب نکلا تھا۔؟ وہ امیر اس سوال کا جواب دینے سے عاجز رہا۔ بادشاہ نے ایک اور وزیر کو بھیجا تا کہ وہ معلوم کرے کہ انہوں نے سفر کب شروع کیا۔؟ اس نے واپس آ کر بتایا کہ ساتویں رجب کو یہ قافلہ ''رے'' سے روانہ ہوا۔ اور ساتھ ہی بادشاہ نے یہ بھی پوچھا کہ ''رے'' شہر میں اشیاء کا بھاؤ کیا ہے۔ وہ سلطان کے سوال کا جواب دینے سے عاجز رہا۔ اسی طرح بادشاہ نے تیس سرداروں کو بھیجا اور ایک ایک سوال دریافت کیا ان میں سے ہر ایک نے اسی ایک ہی سوال کا جواب معلوم کیا اور واپس آ گیا۔

غرض سب امیر ناقص العقل اور پریشان ذہن ثابت ہوئے قافلے والوں کا پورا حال کسی نے جاننے کی زحمت گوارا نہ کی۔ اس مشاہدے کے بعد سلطان نے ان بد باطن امراء سے کہا تم لوگ ایاز پر اعتراض کرتے ہو کہ وہ اتنا منظورِ نظر کیوں ہے۔ سلطان نے ان پر ایک معنی خیز نظر ڈالی اور کہا میں تم سے پہلے ایاز کا امتحان لے چکا ہوں میں نے اس کو یہ دریافت کرنے کیلئے بھیجا کہ قافلہ کہاں سے آیا ہے۔ وہ گیا اور قافلے کا سارا حال دریافت کر کے واپس آیا میں نے اس سے جو سوال کیا اس نے تسلی بخش جواب دیا جو معلومات تم تیس آدمیوں نے تیس پھیروں میں فراہم کیں۔ اب تمھیں پتا چل گیا کہ میں اس کی اتنی قدر کیوں کرتا ہوں۔ یہ سُن کر سب امیروں کے چہرے شرم سے پانی پانی ہو گئے۔ انہوں نے اپنی گستاخی کی معافی چاہتے ہوئے کہا کہ بے شک ہم ایاز کی برابری نہیں کر سکتے۔

ایاز کی فراست، قابلیت، ذہانت خداداد تھی۔

درسِ حیات:

☆ حسد ایک بیماری ہے اس سے ہمیشہ بچنا چاہئے۔

حکایت نمبر ۴۰:

چوروں کا گروہ

سلطان محمود غزنوی اکثر رات کو بھیس بدل کر اپنی رعایا کے حال احوال سے باخبر رہتا اور ان کی تکالیف دُور کرتا۔ ایک رات حسبِ عادت رعایا کا حال معلوم کرنے کے لیے بادشاہ سلامت بھیس بدل کر محل سے نکلے۔ گشت کرتے ہوئے ایک ویرانے سے گزرے۔ وہاں چند آدمی بیٹھے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ سلطان بھی ان کے قریب جا بیٹھا دعا سلام کے بعد پوچھا تم لوگ کون ہو اور رات گئے یہاں کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا ہم چور ہیں اور اب یہ بتاؤ تم کون ہو؟ سلطان نے کہا: ''بس میں بھی تمھی میں سے ہوں''۔ یہ سُن کر وہ خوش ہوئے اور خوش آمدید کہا۔ وہ آپس میں اپنے اپنے ہنر اور کمال کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ پہلے نے کہا: ''میرے کانوں میں یہ کمال حاصل ہے کہ رات کو جب کُتا بھونکتا ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے''۔ سب نے سُن کر کہا: ''بھئی واہ! یہ تو بڑے کمال کی بات ہے''۔ دوسرا کہنے لگا: ''اے مال و زر کے پجاریو! میری آنکھوں میں یہ خوبی ہے کہ رات کو کیسا ہی کیوں نہ گھپ اندھیرا ہو میں جس کسی کو اس اندھیرے میں ایک مرتبہ دیکھ لوں دن کی روشنی میں دیکھتے ہی پہچان لیتا ہوں۔'' تیسرے نے کہا: ''میرے بازو میں اتنی قوت ہے کہ مضبوط سے مضبوط دیوار میں نقب لگا لیتا ہوں''۔ چوتھے نے کہا: ''میں سونگھ کر بتا دیتا ہوں کہ خزانہ کس جگہ دبا ہوا ہے''۔ پانچواں کہنے لگا: ''میرے پنجے میں وہ زور

ہے کہ اونچی سے اونچی جگہ پر کمند پھینک سکتا ہوں"۔

پھر انہوں نے سلطان کی طرف دیکھ کر کہا: "ہاں بھائی اب تُو بھی بتا تجھ میں کیا کمال ہے"۔ سلطان نے جواب دیا: "یارو میرا کیا پوچھتے ہو۔ اللہ کی مہربانی سے میری داڑھی میں ایک خاص وصف ہے۔ وہ مجرموں کو قید سے رہا کرا دیتی ہے۔ یا جن کو قتل کی سزا ہو جائے اس وقت اگر میں داڑھی ہلا دوں تو انھیں باعزت رہا کر دیا جاتا ہے۔"

ان عقل کے اندھوں نے یہ سُن کر خوشی سے نعرہ لگایا: "تیرا کمال تو سب سے بڑا ہے آج سے تُو ہمارا سردار ہے۔ اب ہمیں کسی پریشانی کا خوف نہیں"۔ اس کے بعد چوری کا پروگرام طے کیا اور پھر چل پڑے۔ بادشاہ کے محل کی جانب نکلے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ جو چور کتوں کی بولی سمجھنے کا دعویٰ کرتا تھا۔ ہراساں ہو کر دبی زبان میں بولا غضب ہو گیا۔ "یہ کُتا کہہ رہا ہے کہ بادشاہ تمہارے دائیں بائیں ہی موجود ہے"۔ یہ سُن کر دوسرے چور ہنس پڑے اور بولے "ابے! تجھے کیا ہو گیا ہے۔ بادشاہ کا یہاں کیا کام۔ وہ اس وقت محل میں اپنے آرام دہ بستر پر خراٹے لے رہا ہوگا"۔ اتنے میں دوسرے چور نے کہا: "دوستو! شاہی خزانہ قریب ہی آ گیا ہے اور بس اب تم اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرو"۔ کمند پھینکنے والے نے محل کی چھت پر کمند پھینکی پھر وہ سب آہستہ آہستہ کمند کے ذریعے محل کی چھت پر جا پہنچے نقب زن نے نقب لگائی اور اس کمرے میں ساتھیوں کو لے گیا۔ جہاں شاہی خزانہ موجود تھا۔ جس کے جو ہاتھ لگا۔ جی بھر کر سمیٹا۔ اشرفیاں ہیرے جواہر سونے چاندی کے برتن وہاں سے نکال کر سارا مال ایک محفوظ جگہ پر چھپا دیا اور خود اپنی جائے پناہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ سلطان موقع پا کر وہاں سے کھسک آیا دوسرے دن بادشاہ نے سپاہیوں کو اس جائے پناہ کا پتہ دے کر چوروں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ سپاہی دوڑے گئے اور سب چوروں کو آناً فاناً گرفتار کر لیا۔ جب انہیں بادشاہ کی عدالت میں پیش کیا گیا تو موت کے خوف سے چہرے زرد اور بدن خشک تنکے کی طرح کانپ رہے تھے۔ ان میں سے وہ آدمی جو رات کی تاریکی میں کسی کو دیکھ کر دن میں پہچان لینے کا دعویٰ کرتا تھا۔ اس کی نظر جونہی سلطان کے چہرے پر پڑی تو اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کی "ہم سب تو اپنا اپنا کمال دکھا چکے ہم میں سے کسی کا فن ہماری جان بچانے کے کام نہ آیا۔ بے شک ہمارا ہر کمال بدبختی اور آفت ہی

ڈھاتا رہا۔ یہاں تک کہ ہمارے ہاتھ اور پاؤں بندھ گئے۔ جلاد ہماری گردنیں اڑا دینے کے لیے کھڑا ہے۔ ہمارے ہنر ہمیں موت کے پنجے سے نہیں چھڑا سکتے۔ اے ہمارے رات کے ساتھی اب وقت آ گیا ہے کہ آپ اپنے فن کا مظاہرہ کریں۔ اب آپ اپنی داڑھی ہلائیں تا کہ ہماری جان بچ جائے''۔ سلطان محمود کو اس کی باتیں سُن کر رحم آ گیا۔ اس نے اپنی گردن ہلا کر حکم دیا کہ ان کو رہا کر دیا جائے۔

درسِ حیات:

☆ اچھا ہنر مصیبت میں کام آتا ہے جبکہ برا ہنر ایسے وقت کھجور کی بٹی ہوئی رسی کی مانند ثابت ہوتا ہے۔

حکایت نمبر ۱۴۱:

نقلی ہیرا

ایک یہودی کے پاس ایک مسلمان ہیرے تراشنے کا کام کرتا تھا۔ جو اپنے کام میں ہنرمند اور حد سے زیادہ ایماندار تھا۔ یہودی اس سنار کی کاری گری سے بے تحاشہ نفع کمانے کے باوجود اسے مناسب معاوضہ ادا نہ کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ بمشکل اپنے گھر کا خرچہ پورا کرتا تھا۔ یونہی کام کرتے کرتے اس نے عمر گزار دی۔ اس کی بیٹی جوان ہوگئی وہ اپنی قلیل آمدنی میں سے کچھ بھی جمع نہ کرسکا تھا۔ بیٹی کی شادی کے لیے سنار کاریگر نے یہودی سے کچھ رقم بطور ادھار مانگی کروڑ پتی یہودی نے رقم ادھار دینے سے معذوری ظاہر کردی۔ سنار اپنی قسمت کو بُرا بھلا کہتا ہوا گھر لوٹ آیا۔ رقم ادھار نہ ملنے پر بیوی نے سخت ناراضگی اور طعنوں کے تیر برسا کر الگ استقبال کیا۔ پریشان حال بے چارہ ساری رات سوچتا رہا اب کیا ہوگا۔ دوسرے دن وہ دکان پر کام کے لئے نہ گیا۔ بعد میں یہودی سنار کے بلانے پر جب وہ دکان پر پہنچا تو اس کے ہاتھ میں ایک پوٹلی تھی۔ جو اس نے یہودی کے سامنے کھول کر رکھ دی۔ اس میں قیمتی ہیرا دیکھ کر یہودی سوالیہ نگاہوں سے کاریگر سنار کی طرف دیکھنے لگا۔

کاریگر بولا مالک یہ ہمارا خاندانی ہیرا ہے۔ اسے بیچنے کی اجازت نہیں آپ اسے گروی رکھ کر مجھے کچھ رقم دے دیں۔ میں آپ کو رقم لوٹا کر اپنا ہیرا واپس لے لوں گا۔ یہودی

راضی ہوگیا۔

مسلمان کاریگر نے قرضے کی رقم سے بیٹی کی شادی کر دی۔ پھر دن رات کام کر کے قرضے کی رقم آہستہ آہستہ ادا کرنے لگ گیا۔ قرضے کی آخری قسط ادا کرنے کے بعد مسلمان کاریگر نے اپنے ہیرے کا مطالبہ کیا۔ یہودی نے وہ ہیرا لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ ہیرا تراشنے والے کاریگر نے ہیرا لے کر پانی میں رکھ دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہیرا گھل کر ختم ہوگیا۔ ہیرا تراشنے والے کاریگر نے کہا مالک یہ مصری کی ڈلی تھی۔ جسے میں نے اپنے فن سے ہیرے کا اس طرح سے روپ دے دیا کہ آپ جیسا سنار بھی دھوکہ کھا گیا۔ آپ نے میری عاجزی اور درخواست پر قرضہ نہ دیا۔ جس کی وجہ سے مجھے یوں آپ سے رقم نکلوانی پڑی میں مسلمان ہوں اس لیے بھاگا نہیں آپ کی پائی پائی ادا کر کے سرخرو ہوگیا۔ افسوس کہ آپ نے میری قدر نہ کی۔ اس لیے میں ملازمت چھوڑ کر جا رہا ہوں کاریگر، یہودی کو پریشان چھوڑ کر چل دیا۔

درسِ حیات:

☆ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ضرورت مندوں کی ضروریات کو پورا کیا جائے، ایسا کرنے سے معاشرے سے برائیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

حکایت نمبر۴۲:

بے چینی اور اس کا حل

عظیم فرمانروا خلیفہ ہارون الرشید کا دل شدید رنج والم کا کچھ اس طرح شکار ہوا کہ دن کا چین اور راتوں کی نیند اُڑ گئی۔ بے سکونی اتنی بڑھی کہ اپنے وزیر فضل بن ربیع کو بلا بھیجا اور اسے اپنی اتنے دنوں کی بے چینی کا حل تلاش کرنے کو کہا۔ کوئی روحانی عامل تلاش کرو کہ کسی طرح طبیعت کو قرار آئے۔ بے شمار عامل اور کئی عالم فاضل لوگوں سے رجوع کیا گیا۔ انہوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق جان توڑ کوششیں کیں۔ لیکن خلیفہ کی طبیعت کو چین نہ ملا بلکہ بے چینی کم ہونے کی بجائے بڑھتی گئی۔ آخر وزیر باتدبیر نے گزارش کی کہ: ''ظلِ الٰہی اب ایک ہی بزرگ ہستی رہ گئی ہے میرا یقین ہے کہ وہی ہستی آپ کے غم کا مداوا ہوگا''۔ ہارون الرشید نے بے تابی سے پوچھا: ''وہ کونسی ہستی ہے جو میرے لیے باعثِ رحمت ہوسکتی ہے''۔ وزیر نے عاجزی سے عرض کیا: ''وہ صوفی بزرگ ہیں۔ جنہوں نے دنیا کی تمام نعمتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ اور کسی کی جاہ وحشمت کو خاطر میں نہیں لاتے۔'' ہارون الرشید نے بے تابی سے کہا: ''ایسا ہے تو ابھی چلتے ہیں''۔ بادشاہ سلامت وزیر کے ہمراہ رات کے اندھیرے میں اپنے محل سے نکل کر فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے سادہ سے حجرے میں پہنچ گئے۔

وزیر نے دروازہ کھٹکھٹایا اندر سے ایک کمزور سی آواز آئی، ''کون؟''، ''میں ہوں

وزیر اور میرے ساتھ بادشاہ سلامت ہارون الرشید ہیں''۔ فضیل رحمۃ اللہ علیہ کو بادشاہ کی آمد کا سن کر افسوس ہوا۔ بادشاہ کی اطاعت کرنے پر مجبور تھے۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا بادشاہِ وقت خود چل کر میرے غریب خانے تشریف لائے ہیں۔ ان کی فرمائش سنے بغیر دروازے پر کھڑا رکھنا مناسب نہیں۔ انہوں نے چراغ بجھا دیا اور دروازہ کھول دیا۔ اور خود حجرے کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ ان کا طریقہ دنیا کے طریقوں سے یقیناً مختلف تھا۔ لوگ تو آرزو کرتے ہیں کہ کوئی بڑا آدمی صاحبِ اقتدار ملے تا کہ ان کے اثر ورسوخ میں اضافہ ہو۔ لیکن فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ بادشاہِ وقت کا یوں استقبال کر رہے تھے۔ جیسے ان کے آنے سے انہیں شرمندگی ہو رہی ہو۔ انہیں بادشاہ کے مال وزر اور حیثیت سے کیا غرض تھی جو اس سے متاثر ہوتے۔

ہارون الرشید گھپ اندھیرے میں اندر داخل ہوا اور فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا نام لے کر پکارا۔ جواب خاموشی۔ اندھیرے میں خلیفہ اور وزیر دیواروں کو ٹٹو لتے اِدھر اُدھر ہوئے اچانک ہارون الرشید کا ہاتھ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر جا لگا۔ اس نے کہا...... ''یا حضرت......'' پھر سرکار خاموش رہے۔ البتہ اتنا ہوا کہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ہاتھ خلیفہ کے ہاتھ میں دیا ہارون الرشید مصافحہ کر کے بہت خوش ہوا۔ اور اپنے بدن کے اندر ٹھنڈک محسوس کرنے لگا۔ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ بولے فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے میری امت کے بدترین علماء وہ ہیں جو حکمرانوں کے دروازوں پر جاتے ہیں اور بہترین حکمران وہ ہیں جو علماء کے درِ دولت پر حاضری دیتے ہیں......

ان کلمات نے ہارون الرشید کا دل اپنی مٹھی میں جکڑ لیا اور اسے جاہ وحشمت کے جہان سے روحانی دنیا میں محوِ پرواز کر دیا۔ پھر فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ بولے...... ''ہارون الرشید تیرا ہاتھ کتنا نرم و نازک ہے'' ''کاش یہ جہنم کی آگ سے بچ جائے۔'' ان کلمات نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ ہارون الرشید کی آنکھوں سے آنسو بے اختیار بہنے لگے۔ پھر حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی آواز اُبھری ''ہارون الرشید اپنے پاؤں کو ڈگمگانے سے محفوظ رکھو اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے گا۔ وقتِ آخر کوئی وزیر کوئی مشیر تیرا راہنما نہ ہوگا۔ فقط تیرے اعمال تیرے کام آئیں گے۔'' ہارون الرشید پر رقت طاری ہوگئی۔ وزیر نے جب یہ

حال دیکھا تو خوفزدہ ہوگیا۔ اور کانپتے ہوئے بولا: ''سرکار نرمی فرمائیں ان کے حال پر ترس کھائیں دیکھیں ان کی حالت کیا ہو رہی ہے۔''

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اب وزیر کی طرف رُخ کیا اور بولے: ''تم اور تمہارے ساتھی دربار میں ایسے حالات بناتے ہو کہ یہ گناہ پر گناہ کرتا جائے۔ کبھی تم لوگوں نے اسے کسی غیر شرعی فعل سے ٹوکا ہے۔ تم ایسا کر بھی کیسے سکتے ہو۔ تمہیں تمہاری وزارت عزیز ہے۔'' فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ دوبارہ ہارون الرشید کی طرف متوجہ ہوئے ''اے حسین چہرے والے (ہارون الرشید کا رنگ گورا اور نقوش دل آویز تھے) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھ سے اپنی مخلوق کے بارے میں باز پرس کرے گا۔ اگر تُو اپنے چہرے کو آگ سے بچانا چاہتا ہے تو بچالے۔ تُو ہرگز دیر نہ کر...... کل کس نے دیکھا ہے تیرے دل میں رعایا کے کسی فرد کے لیے بھی بے انصافی...... کدورت یا بغض ہے تو فوراً اپنی اصلاح کرلے......''

ہارون الرشید نے وقتِ رخصت ہزاروں دینار ہدیہ دینے کی کوشش کی۔ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ یہ ہدیہ قبول کرنے کو قطعی تیار نہ ہوئے اور فرمانے لگے ''حکمرانوں کے تحائف رشوت ہوتے ہیں۔ ان کو قبول کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ ہارون الرشید! میں تمھیں نجات کا راستہ بتاتا ہوں اور تم اس کے بدلے مجھے معاوضہ دینے کی کوشش کرتے ہو۔ خدا تمھیں عقلِ سلیم دے۔'' اس کے بعد فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے چپ سادھ لی اور ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا...... اب بادشاہ اور وزیر نے سمجھ لیا کہ اس رُخصت پر ہمیں چلنا چاہیے۔ وہ چلے تو آئے مگر درویش باوا کی باتیں ان کے دلوں میں جگہ کرگئی تھیں۔ ہارون الرشید نے اپنے دل میں ان کے لیے انوکھی محبت محسوس کی جس نے اس کے ایمان و یقین کو جلا بخشی۔ آج کی نشست نے اس کی زندگی کا دھارا بدل دیا تھا۔

درسِ حیات:

☆ واقعی روحانی بیماری کا علاج اللہ والوں کے پاس ہی ہوتا ہے۔

حکایت نمبر۴۳:

شیخی خور کی مونچھیں

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک سفلے اور شیخی خور آدمی کو کہیں سے دنبے کی چکی کا ایک ٹکڑا مل گیا۔ وہ روزانہ صبح اُٹھتے ہی اپنی مونچھیں دنبے کی چکتی سے چکنی کر کے اکڑاتا اور امیروں اور دولت مندوں کی محفل میں جا کے بیٹھتا اور بڑے اکڑ کر بار بار کہتا ''آج تو بڑے مرغن کھانے کھائے ہیں۔۔۔ بہت مزا آیا۔'' لوگ اس کی بات کا یقین کر لیتے۔

جب جب وہ شخص اپنی جھوٹی امیری کا ڈھنڈورا پیٹتا، اس کا معدہ اللہ سے دُعا کرتا کہ ''یا اللہ اس شیخی خور کی حقیقت لوگوں پر ظاہر کر دے۔'' آخر اللہ نے اس کے معدے کی فریاد سُن لی اور ایک روز اس کمینے شخص کے مکان میں ایک بلی گھس آئی اور دنبے کی چکی کا ٹکڑا منہ میں دبا کر بھاگ گئی۔ اس شخص کے بچے نے دولت مندوں کی محفل میں جا کر اونچی آواز میں باپ کو اطلاع دی کہ ''دنبے کی چکی کا وہ ٹکڑا جس سے آپ روزانہ اپنی مونچھیں چکنی کیا کرتے تھے، ایک بلی منہ میں دبا کر لے گئی ہے۔ میں نے اسے پکڑنے کی بہت کوشش کی مگر وہ بھاگ گئی۔''

بچے کے یہ کلمات سننے تھے کہ اس آدمی کا رنگ فق ہو گیا۔ محفل میں بیٹھے تمام لوگ بڑے حیران ہوئے، بعض تو بے اختیار ہنس پڑے۔ مگر کسی نے اس سے کچھ نہ کہا۔ وہ خود ہی

اتنا شرمندہ تھا کہ کسی سے آنکھیں نہ ملا سکا۔ ان لوگوں نے اس کی ندامت دُور کرنے کے لئے اس کی خوب دعوتیں کیں اسے خوب کھلا پلا کر اسکا پیٹ بھرا۔ اس نے لوگوں کا ایسا رویہ دیکھا تو شیخی چھوڑ کر سچائی کو اپنالیا۔

درسِ حیات:

☆ جھوٹ بہت بڑی لعنت ہے۔

حکایت نمبر ۴۴:

پوشیدہ حکمت

خود کو عقل و دانش کا گہوارہ سمجھنے والا، خود پسند، خوشامد پسند عقلِ کل کا مالک ایک بادشاہ تھا۔ جب کہ اس کا وزیر باتدبیر پڑھا لکھا تحمل مزاج اور سمجھ دار تھا۔ ایک دن چھری کانٹے کے ساتھ پھل کھاتے ہوئے بادشاہ سلامت کی انگلی زخمی ہوگئی۔ دلیر بادشاہ سلامت اپنا خون بہتا ہوا دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ وزیر نے کہا: ''ظلِ الٰہی فکر کی کوئی بات نہیں اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکمت پوشیدہ ہوگی۔''

نازک مزاج بادشاہ سلامت چلّا اٹھے میری انگلی کٹ گئی ہے اور اسے اس میں کوئی بہتری نظر آرہی ہے۔ داروغہ...... داروغہ...... اسے جیل میں ڈال دو۔ وزیر کو جیل میں ڈالنے لگے تو وہ بولا اس میں بھی میری کوئی بہتری ہوگی۔ کچھ دنوں بعد بادشاہ کی انگلی ٹھیک ہوگئی۔ وزیر ابھی تک جیل میں ہی تھا۔

بادشاہ سلامت ایک دن اکیلے ہی جنگل کی طرف نکل گئے۔ واپسی پر راستہ بھٹک گئے اور کسی دوسرے علاقے میں پہنچ گئے وہاں کے وحشی لوگ بادشاہ سلامت کو پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے گئے۔ سردار نے کہا: ''اسے کمرے میں بند کر دو ہفتے کے دن اس کی قربانی ہوگی''۔ مقررہ دن بادشاہ سلامت کو جب قربانی کے لیے چبوترے کی طرف لے کے جارہے تھے۔ تو ان کے مذہبی پروہت کی نظر اس کی انگلی پر پڑی جہاں اسے کٹ کا نشان نظر

آیا۔ پروہت نے جنگلیوں کے سردار کو مخاطب کر کے کہا۔ سردار اس کی قربانی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ داغی ہے۔ اس وقت نا صرف بادشاہ کو آزاد کر دیا گیا۔ بلکہ بادشاہ کو وہ وحشی لوگ ملک کی سرحد تک چھوڑ گئے۔ جب بادشاہ محل میں پہنچا تو اس نے فوراً وزیر باتدبیر کو رہا کر دیا۔ اور کہنے لگا تم ٹھیک کہتے تھے کہ انگلی کے کٹنے میں اللہ کی طرف سے کوئی حکمت پوشیدہ ہو گی۔ زخم کے اس داغ کی وجہ سے میری جان بچ گئی وزیر بولا بادشاہ سلامت آپ کی تو جان بچی انگلی کٹنے سے میری جان بچی مجھے جیل میں ڈالے جانے سے خدانخواستہ میں آپ کے ساتھ ہوتا تو ان لوگوں نے میری قربانی کر دینی تھی۔ دونوں کی زبان سے بے اختیار نکلا سچ ہے اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔

درسِ حیات:

☆ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔

حکایت نمبر ۴۵:

مکمل سبق

ایک شہزادہ اپنے استادِ محترم سے سبق پڑھ رہا تھا۔ استادِ محترم نے اسے دو جملے پڑھائے۔ جھوٹ نہ بولو اور غصہ نہ کرو۔ کچھ دیر کے وقفے کے بعد شہزادے کو سبق سنانے کے لیے کہا۔ شہزادے نے جواب دیا کہ ابھی سبق یاد نہیں ہو سکا۔ دوسرے دن استادِ محترم نے پھر سبق سنانے کو کہا پھر شہزادہ بولا استادِ محترم ابھی سبق یاد نہیں ہو سکا۔ تیسرے دن چھٹی تھی۔ استادِ محترم نے کہا کل چھٹی ہے سبق ضرور یاد کر لینا۔ بعد میں میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گا۔

چھٹی کے بعد اگلے دن بھی شاگردِ خاص ''سبق نہ سنا سکا۔'' استادِ محترم یہ خیال کیے بغیر کہ شاگرد ایک شہزادہ ہے، غصے سے چلّا اٹھے اور طیش میں آ کر ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ یہ بھی کوئی بات ہے کہ اتنے دنوں میں ابھی تک دو تین جملے یاد نہیں کر سکے۔

تھپڑ کھا کر شہزادہ ایک دفعہ تو گُم سُم ہو گیا اور پھر بولا استادِ محترم سبق یاد ہو گیا! استاد کو بہت تعجب ہوا کہ پہلے تو سبق یاد نہیں ہو رہا تھا۔ اب تھپڑ کھاتے ہی یکدم سبق یاد ہو گیا۔ شہزادہ عرض کرنے لگا۔ استادِ محترم آپ نے مجھے دو باتیں پڑھائی تھیں ایک جھوٹ نہ بولو اور دوسری بات غصہ نہ کرو۔

جھوٹ بولنے سے تو میں نے اسی دن توبہ کر لی تھی۔ مگر غصہ نہ کرو بہت مشکل کام تھا۔ بہت کوشش کرتا تھا، غصہ نہ آئے مگر غصہ آ جاتا تھا۔ جب تک میں غصے پر قابو پانا نہ سیکھ

جاتا کیسے کہہ دیتا کہ سبق یاد ہو گیا۔ آج جب آپ نے مجھے تھپڑ مارا اور یہ تھپڑ بھی میری زندگی کا پہلا تھپڑ ہے، اسی وقت میں نے اپنے دل و دماغ میں غور کیا کہ مجھے غصہ آیا کہ نہیں غور کرنے پر مجھے محسوس ہوا کہ مجھے غصہ نہیں آیا۔ آج میں نے آپ کا بتایا ہوا دوسرا سبق ''غصہ نہ کرو'' بالکل سیکھ لیا ہے اور آج مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل سبق یاد ہو گیا ہے۔

درسِ حیات:

☆ اے عزیز! ہمیں بھی چاہیے کہ جو قولِ زریں ہم لکھتے پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں ان پر عمل کریں۔ عمل سے ہی انسان کی اصلاح ہوتی ہے۔ عمل سے ہی زندگی بنتی ہے۔

حکایت نمبر ۴۶:

حکمتِ لقمان

زمانۂ جنگ میں حکیم لقمان گرفتار ہو گئے۔ ایک امیر تاجر نے آپ کو خرید لیا۔ آپ بظاہر شکل وصورت کے سادے اور سیاہ فام تھے۔ امیر کے دوسرے غلام اچھی صورت شکل والے تھے اور وہ ہمیشہ لقمان کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور مالک سے ان کی بے جا شکایتیں کرتے رہتے، اپنے حصّے کا کام بھی ان پر لاد دیتے۔ حکمت کا خزانہ رکھنے والا کبھی بھی شکایت کا ایک لفظ زبان پر نہ لاتا تھا۔ اگرچہ سر سے پاؤں تک جسم کا رنگ سیاہ تھا۔ مگر باطن کے انتہائی روشن، دانا اور عقلمند تھے۔ دانائی کی ایسی ایسی باتیں کرتے جو سنتا آپ کو دیکھ کر دانتوں تلے انگلی دبا لیتا۔ مالک کے پھلوں کے کئی باغ تھے۔ جب درختوں پر پھل پک جاتے تو وہ غلاموں کو پھل توڑنے کے لیے بھیجتا۔ بعض اوقات غلام جتنے پھل جمع کرتے ان میں سے اکثر خود کھا جاتے تھے۔

ایک دفعہ مالک کو خبر ہو گئی کہ غلام اکثر پھل ہڑپ کر جاتے ہیں۔ دوسرے غلاموں نے اپنی جان بچانے کی خاطر سارا الزام لقمان پر رکھ دیا۔ مالک، لقمان پر بے جا ناراض ہونے لگا اور پہلے سے زیادہ سختی کرنے لگا اور خوب ڈانٹا آخر حکمت کدہ مجبور ہو کر بول اٹھا: ”اے آقا! یہ جھوٹ بولتے ہیں میں نے آج تک امانت میں خیانت نہیں کی۔ ”اللہ تعالیٰ کے حضور بے ایمان شخص کی بخشش ہی نہیں“ اب مناسب یہی ہے کہ تو ہم سب کا

امتحان لے۔ ہم سب غلاموں کو پیٹ بھر کر گرم پانی پلا اور خود گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کی طرف چل غلاموں کو حکم دے کہ گھوڑے کے ساتھ ساتھ دوڑیں خدا نے چاہا تو سارا بھید کھل جائے گا میں سچ کہتا ہوں یا جھوٹ"۔ امیر کو لقمان کی یہ بات پسند آئی اس نے سب غلاموں کو زبردستی گرم پانی پلایا۔ لقمان نے بھی پیا۔ امیر نے اپنا گھوڑا دوڑایا اور ساتھ ساتھ سب غلاموں کو بھی دوڑنے کو کہا، تھوڑی دیر بعد غلاموں کا جی متلانے لگا۔ سب نے قے کر کے جو کھایا پیا تھا باہر اُگل دیا۔ لقمان نے جو قے کی وہ بالکل صاف تھی۔ یہ دیکھ کر امیر کو لقمان کی سچائی اور حکمت پر یقین آ گیا۔ مالک نے دوسرے غلاموں کو سزا دی اور لقمان سے معذرت کرنے لگا اور کہنے لگا میں نے آپ کو نہ پہچانا یہ میری خطا تھی۔ آئندہ گھر کا سارا انتظام آپ کے سپرد، آپ سیاہ وسفید کے مالک ہونگے اور لقمان کو دوسرے غلاموں کا سردار بنا دیا۔

لقمان کی حکمت یہ حیرت انگیز کرشمہ دکھا سکتی ہے تو وہ فاعلِ حقیقی جس نے لقمان کو پیدا کیا کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کرنے میں کس کا محتاج ہو سکتا ہے۔ ہمیں خود ہی اپنی اصلاح کر لینی چاہیے، تاکہ کہیں ہمارا بھرم بھی نہ کھل جائے۔

درسِ حیات:

☆ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت کردہ حکمت و دانائی سے ایک شخص جھوٹ اور سچ کو ظاہر کرنے کا کام لے سکتا ہے تو کیا وہ مالک حقیقی تمام انسانوں کے جھوٹ اور سچ کے فریب کو ظاہر نہیں کر سکتا جو کہ سراسر حکمت کا مالک و مختار ہے۔

حکایت نمبر ۴۷:

محبت اور کڑوی چیز

لقمان اگر چہ سادہ صورت اور سیاہ فام غلام تھے لیکن خدا کے احکامات سے کبھی غافل نہ ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کی روشنی ان کے چہرے پر ہالہ کئے رہتی۔ ان کا آقا ان سے بے حد متاثر تھا۔ اس لیے ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ کیونکہ اس پر لقمان کی خوبیاں واضح ہوگئی تھیں۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ غلام حرص و ہوا سے پاک ہے۔ اس کے دل میں کھوٹ نہیں، اس کی زبان سچ کے سوا کچھ نہیں کہتی۔ بظاہر وہ امیر، لقمان کا آقا تھا۔ لیکن حقیقت میں وہ ان کا غلام ہو چکا تھا۔ جب خواجہ نے لقمان کے اسرار پالئے تو وہ کوئی شے نہیں کھاتا تھا جب تک لقمان نہ کھائے۔

ایک دن امیر کے کسی دوست نے ایک بڑا ہی خوش رنگ خربوزہ تحفے میں بھیجا۔ خواجہ نے لقمان کو بلایا اور خود اپنے ہاتھ سے خربوزہ کاٹ کاٹ کر ان کو دینے لگا۔ لقمان، خواجہ کے ہاتھ سے خربوزے کی کاش لیکر شہد اور شکر کی طرح کھانے لگے۔ اسی طرح ہر قاش بڑی رغبت سے کھا رہے تھے۔ خربوزہ کی آخری قاش خواجہ نے اپنے منہ میں ڈالی۔ جونہی اس نے یہ قاش منہ میں ڈالی سارا منہ حلق تک کڑوا ہو گیا۔ پھر جلدی سے تھوک دیا پانی منگایا اور خوب کُلیاں کیں، گلے سے دیر تک اس کی کڑواہٹ نہ گئی اور منہ کا مزا خراب ہو گیا۔ پھر خواجہ نے نہایت تعجب سے حضرت لقمان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا: ''عزیزم! نہایت ہی

ترش کڑوے اور زہریلے خربوزے کی غالباً سترہ قاشیں تُو نے بڑے مزے اور رغبت سے کیونکر کھالیں اپنی جان کا کیوں دشمن بنا اگر تُو اس کے کھانے میں کوئی عذر کر دیتا تو کیا حرج تھا؟ نہ ہی تم نے کوئی بہانہ کر کے ٹالنے کی کوشش کی جب کہ اس کی کڑواہٹ سے میرا منہ اور حلق جل گیا۔ اور میرا منہ بدذائقہ ہو گیا۔"

لقمان کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہو گئے حکیمانہ انداز سے یوں عرض کرنے لگے: "آقا! اتنے پیارے ہاتھوں سے محبت کے ساتھ آپ مجھے کھانے کو دے رہے تھے کہ مجھے تلخی کا احساس تک نہ ہوا۔ یہ سوچ کر تلخ قاشیں کھائیں کہ ساری عمر اس ہاتھ سے انواع و اقسام کی لذیز نعمتیں کھاتا رہا ہوں تو صد حیف ہے مجھ پر کہ صرف ایک کڑوا خربوزہ کھا کر اُودھم مچانے لگوں اور ناشکری کا اظہار کروں۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرے شیریں ہاتھ نے اس خربوزے کی تلخی چھوڑی ہی کہاں تھی کہ میں لفظِ شکایت سے اپنی زبان آلودہ کرتا۔"

"محبت" سے کڑوی چیز میٹھی ہو جاتی ہے۔ محبت سے تانبا سونے میں ڈھل جاتا ہے۔ محبت سے خار گل بن جاتے ہیں۔ محبت سے سرکہ شراب بن جاتا ہے۔ چنانچہ شُکر گزاری کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جس مقام سے انسان پر احسانات کی بارش ہو اگر تکلیف آ جائے تو صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

درسِ حیات:

☆ انسان کو ہر حال میں مالکِ حقیقی کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ معمولی معمولی تکلیفوں پر شور و غوغا اور لعن طعن نہیں کرنا چاہیے۔

حکایت نمبر ۴۸:

غلام کا بلند مرتبہ

کسی دُنیادار نے حضرت لقمان سے پوچھا:
''آپ فلاں خاندان کے غلام رہے ہیں تو پھر یہ مرتبہ یہ عزت اور ناموری، وہ کونسے عوامل تھے جن کی وجہ سے آپ کو یہ بلند مرتبہ ملا؟''
آپ نے فرمایا:
''راست گوئی امانت میں خیانت نہ کرنا ایسی گفتگو اور ایسے عمل سے گریز کرنا جس سے مجھے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر حرام فرما دیا ہے۔ ان سے قطعی گریز کرنا۔ لغو باتوں سے پرہیز کرنا۔ حلال رزق پیٹ میں ڈالنا۔ جوان سادہ باتوں پر مجھ سے زیادہ عمل کرے گا۔ وہ مجھ سے زیادہ عزت پائے گا اور جو آدمی میرے جتنا عمل کرے گا۔ وہ مجھ جیسا ہوگا۔''

درسِ حیات:

☆ احکاماتِ خداوندی پر عمل کرنے سے دُنیا و آخرت میں مرتبۂ بلند حاصل ہوتا ہے۔

حکایت نمبر ۴۹:

اللہ تعالیٰ سے محبت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اللہ عزوجل سے محبت کرنے والا ایک مجذوب بکریاں چرایا کرتا تھا۔ بالکل تنہا الگ تھلگ پہاڑوں ویرانوں میں دنیاوی خرافات سے دور رہ کر اللہ تعالیٰ سے محبت کی یک طرفہ باتیں کرتا رہتا تھا۔

''اے میرے مالک تُو میرے پاس ہو تو میں تیری خدمت کروں تیری جوئیں نکالوں تیرا سر دھوؤں، تیرے سر میں کنگھی کروں تیرے سر میں تیل لگاؤں، رات کو سوتے وقت تیرے پاؤں دباؤں تیرے سونے کی جگہ کی صفائی کروں تیرے کپڑے دھوؤں، تجھے دودھ پیش کروں اگر تُو بیمار ہو تو تیرا غم خوار بنوں۔ اگر تیرا گھر دیکھ لوں تو صبح و شام میں دودھ اور گھی لے کر تیرے دروازے پر آؤں۔ اے میرے سوہنے اللہ بکریوں کو اِدھر اُدھر پھرانے کا تو محض بہانہ ہے۔ میں تو تیری تلاش، تیری محبت میں مارا مارا پھرتا رہتا ہوں۔'' وہ سادہ مزاج چرواہا اسی طرح جو منہ میں آیا بولتا چلا جارہا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس کے قریب سے گزر ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس کی یہ باتیں سنیں تو آپ نے اس سے پوچھا: ''تُو کس سے مخاطب ہے؟'' وہ کہنے لگا: ''اس سے جس نے مجھے اور تجھے اور اس ساری کائنات کو بنایا۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''او عقل سے پیدل چرواہے! اللہ عزوجل کو ان چیزوں کی محتاجی کہاں، اے جاہل!

اس پاک ذات کو ان خدمات کی ضرورت نہیں۔ تیرے کفر نے دین کے قیمتی لباس کو گدڑی بنا دیا۔ اے بد بخت خبردار! آئندہ سے ایسی فضول باتیں منہ سے نکالیں۔ اگر تُو نے اپنی زبان بند نہ کی تو غیرتِ حق آتش بن کر کائنات کو جلا ڈالے گی۔"

اس معصوم چرواہے نے جب موسیٰ علیہ السلام کی یہ باتیں سنیں تو بے حد شرمندہ ہوا۔ اس کے اوسان خطا ہو گئے، خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ چہرہ زرد پڑ گیا۔ پھر بولا: "اے خدا کے جلیل القدر نبی تُو نے ایسی بات کہی کہ میرا منہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔" یہ کہتے ہی چرواہے نے ٹھنڈی آہ بھری اپنا گریبان تار تار کر دیا۔ دیوانوں کی طرح روتا ہوا جنگل کی طرف بھاگ گیا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔ تو خدا نے فرمایا: "اے موسیٰ! تُو نے ہمارے بندے کو ہم سے جدا کیوں کیا؟ تُو دنیا میں جدائی ڈالنے کے لیے آیا ہے یا ملانے کے لیے۔ خبردار! اس کام میں احتیاط رکھ۔ ہم نے اپنی مخلوق میں سے ہر شخص کی فطرت الگ بنائی ہے اور ہر فرد کو دوسروں سے جدا عقل بخشی ہے۔" ایک بات ایک کے حق میں زہر کا اثر رکھتی ہے تو دوسرے کے حق میں تریاق کا۔ جو شخص جس زبان میں بھی ہماری حمد وثنا کرتا ہے، اس سے ہماری ذات میں کچھ بھی کمی بیشی واقع نہیں ہوتی۔

ہم کسی کے قول و فعل اور ظاہر پر نگاہ نہیں کرتے ہم تو باطن دیکھتے ہیں اے موسیٰ دیوانوں، دل جلوں اور ہارے ہوؤں کے آداب اور ہی ہوتے ہیں۔"

ملتِ عشق از همه دیں ها جدا است
عاشقاں را مذهب و ملت خداست

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سُن کر پشیمان ہوئے۔ پھر اسی اضطراب اور بے چینی کی حالت میں اس چرواہے کو ڈھونڈنے جنگلوں ویرانوں میں چلے گئے۔ صحرا و بیاباں کی خاک چھان ماری لیکن اس دیوانے کا کہیں پتا نہ چلا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تلاش جاری رکھی یہاں تک کہ آپ اسے پالینے میں کامیاب ہو گئے۔ چرواہے نے انہیں دیکھ کر کہا: "اے موسیٰ علیہ السلام! اب مجھ سے کیا خطا ہوئی کہ تُو یہاں بھی آن پہنچا؟" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

فرمایا ''اے خدا کے بندے تجھے مبارک ہو تجھے کسی ادب و آداب اور قاعدے ضابطے کی ضرورت نہیں تُو اصل دین پر ہے۔ تجھے سب کچھ معاف ہے۔'' پیغمبرِ خدا کی یہ باتیں سُن کر چرواہے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور عرض کرنے لگا اب میں ان باتوں کے قابل کہاں؟ میرے ''دل کا خون ہو چکا'' اب تو میری منزل سدرۃ المنتھیٰ سے بھی آگے ہے۔ اس دن سے اب تک میں ہزاروں لاکھوں برس کی راہ طے کر چکا ہوں۔

تُو نے میرے اَسپ تازی (گھوڑے) کو ایسی مہمیز لگائی کہ ایک ہی جست میں ہفت آسمان سے بھی آگے نکل گیا۔ میرا حال اب بیان کے قابل نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام چرواہے کی اس بات پر حیران رہ گئے اور حق تعالیٰ کی حمد و ثناء میں مصروف ہو گئے۔

درسِ حیات:

☆ حق تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے کا طریقہ ہر شخص کی فطرت کے مطابق ہے۔ یاد رکھ اے شخص تمہارا حال اس چرواہے سے مختلف نہیں۔ تو ابتدا سے انتہا تک ناقص اور تیرا حال و قال بھی ناقص! یہ تو مالکِ حقیقی غفور الرحیم پر منحصر ہے کہ وہ تیرے ناقص تحفے کو کیسے قبول کرتا ہے۔

حکایت نمبر ۵۰:

خدا سے عہد کرنا

ایک درویش دُور اندیش دنیا سے منہ موڑ کر اپنے مالک سے ناتا جوڑ کر دشوار گزار پہاڑیوں میں رہا کرتا تھا۔ تنِ تنہا عبادتِ الٰہی کی خوشبو میں دن رات مست رہتا اور دُنیا پرست لوگوں کے نفس کی بد بُو سے پریشان دماغ ہو جاتا۔ جنگل میں ہزار ہا درخت پھلوں اور میووٴں کے تھے۔ اس درویش خدا مست کی خوراک یہی جنگلی پھل اور میوے تھے۔ ان چیزوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کھاتا تھا۔ ایک دن بیٹھے بٹھائے نہ جانے کیا خیال آیا کہ خدا سے ایک عجیب و غریب عہد کر بیٹھا کہ اے میرے اللہ میں آئندہ ان درختوں سے نہ خود میوہ توڑوں گا۔ نہ کسی اور کو کہوں گا کہ مجھے پھل توڑ کے دے۔ میں وہ پھل نہ کھاؤں گا جسے ڈالیاں زمین سے اونچا رکھیں۔ میں وہ پھل اور میوہ کھاؤں گا جو ہوا کے جھونکوں سے خود جھڑ کر زمین پر آن گرے۔ غرض اس طرح کا عہد اس مردِ درویش نے خدا سے کر لیا اور مدتوں اس پر قائم رہا۔

ایک دفعہ قدرت خدا کی پانچ دن گزر گئے کسی درخت سے کوئی پھل نہ گرا۔ بھوک کی آگ نے درویش کو بے قرار اور مضطرب کر دیا کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔ اسی عالم میں جنگل سے گزرتے ہوئے امرود کا ایک درخت دیکھا جس کی ڈالیاں زرد زرد اور بڑے بڑے امرودوں سے بھری ہوئی تھیں۔ درویش وہاں کھڑا ہو کر حسرت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ درویش نے بڑا صبر کیا اور خود کو قابو میں رکھا۔ یکا یک زور کی ہوا چلی درویش کو کچھ سہارا ہوا۔ مگر کافی دیر تک پھل ٹوٹ کر زمین پر نہ گرا۔ صبر حد سے گزر گیا۔ درویش کا

نفس بے قابو ہو گیا۔ معدے کے اندر سے ہُوک اٹھی اور خدا سے جو عہد استوار کیا تھا وہ توڑ بیٹھا فوراً ہاتھ بڑھا کر امرود توڑ لیا۔ اور پیٹ کی آگ بجھالی۔ ''عہد ٹوٹ گیا۔''

غیرتِ خداوندی حرکت میں آئی ان دشوار گزار پہاڑوں میں چوروں اور قزاقوں کا ایک گروہ آ گیا۔ راتوں کو وہ گروہ شہروں اور بستیوں میں جا کر لُوٹتا اور دن کو واپس آ کر وہاں رہتا۔ کوتوال کو ان قزاقوں کے بارے میں اطلاع ہو گئی۔ کوتوال نے سپاہیوں کی ایک بڑی جماعت بھیجی۔ انھوں نے اس پہاڑی اور جنگل کا گھیراؤ کر لیا۔ اس درویش کا مسکن بھی قریب ہی تھا۔ سپاہیوں نے تمام چوروں کو گرفتار کر لیا۔ درویش باوا کو بھی ان کا ساتھی سمجھ کر پکڑ لیا۔ کوتوال نے حکم دیا، انھیں جیل میں بند کر دو۔ چند دنوں کے بعد عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ بعد میں یہ فرمان جاری ہوا کہ ہر ایک کا بایاں پاؤں اور دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ جلّاد نے کوتوال کا حکم ملتے ہی تلوار چلانی شروع کر دی۔ وہ ساری جگہ نالہ وشیون سے گونج اٹھی درویش کا دایاں ہاتھ کٹ گیا۔

جلّاد ان کا بایاں پاؤں کاٹنے کے لیے تیار ہو رہا تھا کہ یکا یک ایک گھڑ سوار تیزی سے وہاں نمودار ہوا اور جلّاد سے للکارا، ''ارے مردود! ذرا دھیان کر یہ شخص بہت بڑا شیخ اور ابدالِ وقت ہے۔ تُو کیا ظلم ڈھا رہا ہے۔ اب خدا کے عذاب کا انتظار کر۔'' گھڑ سوار کی یہ بات سنتے ہی جلّاد کے ہاتھ سے تلوار چُھوٹ گئی۔ عالمِ وحشت میں بھاگا سیدھا کوتوال کے پاس گیا اور اسے اس حادثے سے آگاہ کیا۔ کوتوال کے ہوش اُڑ گئے۔ لرزاں وترساں برہنہ سر اور برہنہ پاؤں درویش کی خدمت میں ہاتھ باندھے حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: ''اے خدا کے مقبول بندے! مجھے خبر نہ تھی آپ کون ہیں؟ میں نے آپ پر سخت زیادتی کی، لاعلمی میں یہ خطا سرزد ہو گئی ہے، خدا کے لیے آپ ہمیں بخش دیجیے۔''

درویش نے کہا: ''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں جس گناہ کی پاداش میں میرا ہاتھ کاٹا گیا ہے اس کو میں جانتا ہوں۔ تجھے ان حالات کی کیا خبر لہٰذا تم بے فکر رہو۔ لوگوں میں اب اس درویش کا نام ہتھ کٹا شیخ مشہور ہو گیا۔''

ایک دفعہ ایک آدمی بے وقت اور بغیر اجازت لئے جھونپڑی میں گھس آیا۔ آگے کیا دیکھتا ہے کہ مردِ قلندر اپنے دونوں ہاتھوں سے خرقۂ درویشی میں پیوند لگا رہا ہے۔ اس

نے حیرت سے دانتوں میں انگلی دے کر کہا: ''حضرت میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں؟ آپ کے تو دونوں ہاتھ صحیح سلامت ہیں، لوگ خواہ مخواہ کہتے ہیں کہ آپ کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا ہے۔''

درویش نے کہا ''ارے او میری جان کے دشمن تُو جھونپڑی میں بغیر اجازت کیوں آ گیا؟''

اس نے ندامت سے عرض کیا: ''حضرت مجھے آپ کی زیارت کا بے حد اشتیاق تھا اس شوقِ ملاقات سے مغلوب ہو کر یہ غلطی کر بیٹھا۔'' درویش نے اس کی محبت اور خلوص دیکھ کر کہا کہ: ''اب تُو آ گیا ہے تو اِدھر بیٹھ جا۔ لیکن خبردار! جو کچھ تُو نے دیکھا اس کا ذکر میری زندگی میں ظاہر نہ کرنا۔''

انسان کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ان کی گفتگو کے دوران ملاقات کے لیے جھونپڑی کے باہر کافی لوگ اکٹھے ہو چکے تھے۔ انھوں نے بھی کسی سوراخ سے شیخ کو دونوں ہاتھوں سے پیوند لگاتے دیکھ لیا تھا۔ ان سب پر درویش کی کرامت کا راز کھل گیا۔ درویش نے دل میں کہا: ''اے میرے اللہ! اس حکمت سے تُو ہی خوب آگاہ ہے۔ میں جتنا اس کو چھپانا چاہتا تھا۔ اتنا ہی تُو نے اسے ظاہر کر دیا ہے۔'' اسی وقت درویش کو القاء ہوا جب تیرا ہاتھ چوروں کے ساتھ کاٹا گیا تھا۔ لوگوں کے دلوں میں تیرے بارے میں غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ خیال کرنے لگے کہ تُو مکر و فریب کا جال بچھائے بیٹھا ہے۔ یہ بات ہمیں پسند نہیں کہ یہ لوگ بدنصیبی اور گمراہی میں گرفتار ہوں اور اللہ والوں کے بارے میں بدگمانی رکھیں۔ اس لئے ہم نے تیری یہ کرامت سب پر ظاہر کر دی۔ یہ چراغ ان لوگوں کی خیر خواہی کے لیے روشن کیا گیا ہے اس الہام کے بعد درویش نے مستانہ وار نعرہ لگایا اور ربّ العزت کی تسبیح کرتا ہوا سجدہ میں گر گیا۔ اور خوب رویا کہ مالک تُو جو کرتا ہے وہ عین حکمت ہے ہم سب کی لغزشیں معاف فرما۔

درسِ حیات:

☆ اپنے عہد کی پاسداری کرو!

☆ جب کوئی مسلمان ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے رَبّ سے عہد کرتا ہے کہ اے اللہ رَبّ العزت! میں تیرے احکامات کی پیروی کروں گا۔

☆ جو خدا کے ساتھ عہد کر کے توڑتا ہے، اسے نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔

حکایت نمبر ۱۵:

حریص آدمی

شہر بخارا کے امیر صدر جہاں کی سخاوت بڑی مشہور تھی۔ کوئی سائل اس کے درِ دولت سے خالی نہیں جاتا تھا۔ صبح وشام دریائے فیض وسخاوت رواں رہتا تھا۔ ضرورت مندوں اور سائلوں پر اس کی عطا کا مینہ برستا رہتا تھا۔ اس کا طریقۂ کار یہ تھا کہ کاغذ میں اشرفیاں لپیٹ کر رکھ لیتا۔ جب تک وہ ختم نہ ہو جاتیں برابر ضرورت مندوں میں تقسیم کرتا رہتا۔ صدر جہاں کی سخاوت کا انداز بھی نرالا تھا۔ اس نے سب حاجت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے دن مقرر کر رکھے تھے۔ کوئی شخص اپنی باری کے بغیر خیرات وصول نہیں کر سکتا تھا۔ ایک دن بیواؤں کے لیے تھا۔ دوسرا دن مصیبت زدوں کے لیے مقرر تھا اور تیسرا دن مفلس فقیروں کے لیے، چوتھا دن محتاج ملاؤں کے لیے، پانچواں دن مسکینوں کے لیے، چھٹا دن یتیم بچوں کے لئے، ساتواں دن قیدیوں کے لیے، آٹھواں نواں دن مسافروں کے لیے، دسواں دن غلاموں کے لیے مقرر تھا۔ اس کے ساتھ شرط یہ تھی کہ کوئی ضرورت مند زبانِ حال سے سوال نہ کرے گا۔ ضرورت مند محتاج اپنی باری کے دن صدر جہاں کی گزرگاہ کے دونوں جانب قطاریں باندھے کھڑے ہو جاتے تھے اور وہ انہیں اشرفیاں دیتا ہوا آگے نکل جاتا تھا۔ جو کوئی بے صبرا اتفاق سے سوال کر دیتا۔ اس جرم میں صدر جہاں اسے کچھ نہ دیتا تھا۔

ایک دن کسی سائل نے کہا ''کئی روز سے بھوکا ہوں میری طرف نظرِ عنایت فرمائیں۔'' لوگوں نے ہر چند اس آدمی کو روکا اور سمجھایا کہ ایسا نہ کرو وہ اپنی ضد پر اڑا رہا اور برابر صدا لگا تا رہا۔ صدر جہاں جب قریب آئے اسے مخاطب ہو کر کہا کہ تُو بڑا بے شرم اور بے حیا ہے۔'' وہ آدمی صاحبِ نظر تھا۔ اس نے صدر جہاں کو کہا: ''اس جہاں میں تُو بھی خوب موج اُڑا رہا ہے اور اگلے جہاں کی نعمتیں بھی حاصل کرنا چاہتا ہے۔'' یہ جواب سُن کر صدر جہاں بہت متاثر ہوا۔ آگے اشرفیاں تقسیم کرنا روک دیں۔ غلاموں کو حکم دیا جس قدر مال و دولت یہ آدمی طلب کرے اسے دے دو۔

اب دوسرا واقعہ پڑھیں۔ جس دن ملاؤں کی باری تھی۔ اس دن ایک ملاّ اپنی باری کا انتظار کیے بغیر جذبۂ حرص سے مجبور ہو کر چلاّ اُٹھا کہ صدر جہاں میں نہایت غریب اور مفلس ہوں مجھے جلدی اپنے دامنِ رحمت سے سیراب کر، صدر جہاں نے خلاف ورزی کرنے پر اسے کچھ نہ دیا۔ ہر چند کہ وہ ملاّ خوب رویا۔ گڑ گڑایا اپنی مفلسی اور محتاجی کی عبرت خیز کہانیاں سنائیں۔ لیکن صدر جہاں کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا۔ باقی سب ملاّؤں کو نوازا گیا مگر اسے ایک کوڑی بھی نہ ملی۔

دوسرے دن وہی ملاّ اپنے دونوں پیروں پر پٹیاں لپیٹ کر معذوروں کی صف میں جا بیٹھا تاکہ دیکھنے والے ترس کھائیں کہ بے چارہ معذور ہے۔ اس کے دونوں پاؤں ٹوٹے ہوئے ہیں۔ صدر جہاں جب مال تقسیم کرنے آیا ملاّ کو پہچان لیا سب معذوروں کو کچھ نہ کچھ دیا۔ اسے کچھ دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔ تیسرے دن ملاّ نے اپنے چہرے پر کالا کپڑا لپیٹا اور اندھا بن کر اندھوں کی قطار میں لگ گیا۔ صدر جہاں نے اسے وہاں بھی پہچان لیا۔ اسے کچھ عطا کیے بغیر آگے بڑھ گیا۔

اس میں ناکامی کے بعد ملاّ نے عورتوں کی طرح سر پر چادر ڈال لی اور بیواؤں کے درمیان میں جا کر بیٹھ گیا۔ گردن جھکا لی۔ جھولی پھیلا کر دونوں ہاتھ چادر میں چھپا لئے۔ یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر صدر جہاں نے ایک ہی نظر میں پہچان لیا۔ اس نے سب بیواؤں کو اشرفیاں دیں۔ لیکن اس بیوہ کے قریب سے گزر گیا۔ جب یہ وار بھی خالی گیا تو ملاّ کے دل میں غم و غصّے کی آگ بھڑک اُٹھی...... اگلے روز منہ اندھیرے ایک کفن چور کے پاس پہنچا اور

اسے کہا کہ مجھے ایک کفن میں لپیٹ کر سرِ راہ جنازہ بنا کر رکھ دو۔کوئی بھی پوچھے جواب نہ دینا۔خاموشی کے ساتھ میرے جنازے کے قریب بیٹھے رہنا......

صدر جہاں اِدھر سے گزرے گا۔لاوارث جان کر تدفین کے لیے اشرفیاں ضرور دے گا۔اس میں سے نصف تمہارا ہوگا۔کفن چور یہ تجویز سُن کر راضی ہوگیا ملاّ کا جنازہ تیار کر کے سرِ راہ رکھ دیا گیا۔تھوڑی دیر بعد صدر جہاں کی سواری آئی دیکھا کہ ایک لاش کفن میں لپیٹی پڑی ہوئی ہے اور قریب ہی ایک شخص غمگین صورت بنائے بیٹھا ہے۔صدر جہاں نے اشرفیوں کی ایک تھیلی اس میت پر پھینک دی۔ملاّ نے فوراً کفن سے ہاتھ باہر نکالا اور اشرفیوں کی تھیلی اپنے قبضے میں کر لی۔یہ تماشہ دیکھ کر صدر جہاں رُک گیا۔اسی وقت مُلاّ نے کفن سے منہ باہر نکالا اور صدر جہاں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔اے جُو دوسخا کا دروازہ بند کرنے والے دیکھا؟ آخر ہم نے تجھ سے لے کر ہی چھوڑا۔صدر جہاں نے جواب دیا ارے احمق ''جب تک تو مرا نہیں ہماری سرکار سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکا۔''

درسِ حیات:

☆ اللہ تعالیٰ نے بھی (دُعا) مانگنے کے اصول وضوابط مقرر فرمائے ہوئے ہیں، ان سے رُوگردانی کرنے والا بے مراد رہتا ہے۔

حکایت نمبر۵۲:

موت کا وقت

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ایک آدمی لرزاں و ترساں حاضر ہوا۔ مارے ہیبت کے اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ چہرہ دھلے ہوئے کپڑے کی طرح سفید ہو گیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی یہ کیفیت ملاحظہ فرمائی تو پوچھا اے خدا کے بندے! کیا بات ہے؟ تُو اتنا گھبرایا ہوا اور مضطرب کیوں ہے؟ اس نے عرض کیا کہ: "یا حضرت مجھے عزرائیل علیہ السلام نظر آیا اس نے مجھ پر ایسی غضب آلود نظر ڈالی کہ میرے ہوش و حواس گُم ہو گئے۔ رواں رواں تھرا گیا۔ اب بار بار عزرائیل علیہ السلام کی وہ صورت آنکھوں کے سامنے آتی ہے۔ اس لئے مجھے کسی گھڑی بھی چین نہیں آ رہا۔"

اس نے التجا کی کہ آپ ہوا کو حکم دیں کہ وہ مجھے یہاں سے ہزاروں میل دُور ملکِ ہندوستان میں چھوڑ آئے۔ ممکن ہے اس تدبیر سے میرا خوف کچھ دُور ہو جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُسی وقت ہوا کو حکم دیا کہ اس شخص کو فوراً ہندوستان کی سرزمین میں پہنچا دے۔ جونہی اس شخص نے قدم زمین پر رکھا۔ وہاں "عزرائیل علیہ السلام کو منتظر پایا۔" آپ نے اللہ کے حکم سے اس کی رُوح قبض کر لی۔

دوسرے دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے بوقتِ ملاقات حضرت عزرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا آپ نے ایک آدمی کو اس طرح غور سے کیوں دیکھا تھا۔ کیا تمہارا ارادہ اس

کی روح کو قبض کرنا تھا یا پھر اس بیچارے کو غریب الوطنی میں لاوارث کرنا تھا۔

عزرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں نے جب اس شخص کو یہاں دیکھا تو حیران ہوا کیونکہ اس شخص کی روح مجھے ہندوستان میں قبض کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور یہ شخص ہزاروں میل دُور یہاں موجود تھا۔ حکمِ الٰہی سے میں ہندوستان پہنچا تو میں نے اس کو وہاں موجود پایا۔

درسِ حیات:

☆ انسان لاکھ تدبیر کرے۔ تقدیر اسے وہیں لے جاتی ہے جہاں اس کا نصیب ہو اور وہ خود تقدیر کے عزائم پورا کرنے کے لیے اسباب فراہم کرتا ہے۔

حکایت نمبر۵۳:

ایک پیغام طوطے کے نام

ایران کا ایک سوداگر تجارت کے سلسلے میں ہندوستان آیا ہوا تھا۔ یہاں سے اس نے ایک خوبصورت اور میٹھی میٹھی باتیں کرنے والا طوطا خریدا۔ جس کی ادائیں بڑی دل پسند اور آواز بڑی پیاری تھی۔ وہ تاجر اسے اپنے ملک میں لے گیا۔ وہ باتیں کر کے نا صرف تاجر کو خوش کرتا تھا۔ بلکہ ہر عام وخاص کا دل اپنے نغموں سے خوش رکھتا تھا......

ایک دفعہ وہی سوداگر تجارت کی غرض سے دوبارہ ہندوستان جانے لگا اور روانگی سے قبل اپنے اہلِ خانہ اور غلاموں سے پوچھا کہ وہ ان کے لیے ہندوستان سے کیا کیا لائے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی پسند بتائی۔ طوطے سے کہا۔ تم بھی بتاؤ تمہاری کیا فرمائش ہے۔ طوطے نے کہا میری صرف یہ درخواست ہے کہ دورانِ سفر جب تم فلاں دریا کے پار ہو جاؤ گے تمھیں وہاں ایک پُر فضا جزیرہ نظر آئے گا۔ وہاں میرے ہم جنس طوطوں کو سلام پہنچا کر کہنا کہ تمہاری قوم کا فلاں طوطا میری قید میں ہے اور تمہاری ملاقات کو جی ترس گیا ہے۔ تم آزادی کے ساتھ باغوں اور سبزہ زاروں میں مزے کر رہے ہو۔ تمھیں اپنے غریب الوطن ساتھی کی کوئی خبر نہیں۔

این چنیں باشد وفائے دوستاں
من دریں حبس و شما در بوستاں

کیا اسی کا نام دوستوں کی وفا ہے کہ میں پنجرے میں پڑا رہا اور تم باغوں میں عیش کر رہے ہو اور انھیں کہنا کہ وہ اپنی آزادی کے بارے میں مشورہ طلب کرتا ہے ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ تمہاری ملاقات کی حسرت لئے اس دنیا سے رُخصت ہو جاؤں، یارو یہ کیا انصاف ہے؟ کیا یہی آئینِ وفاداری ہے۔؟ سوداگر نے وعدہ کیا کہ وہ تمہارا یہ پیغام تمہارے ہم جولیوں تک پہنچا دے گا۔

سوداگر سفر کرتا ہوا جب ہندوستان پہنچا اور اپنے طوطے کے بتلائے ہوئے پُر فضا جزیرے سے گزرنے لگا تو وہاں سے طوطوں کے بولنے کی آوازیں آنے لگیں وہاں اس نے انھیں مخاطب ہو کر کہا: ''اے طوطو! اپنے ایک بچھڑے ہوئے بھائی کا پیغام سُن لو۔ جو میرے گھر میں ہے وہ سلام کہتا ہے اور وہ تم پر افسوس کرتا ہے کہ تم کو اس کے بغیر سبز شاخوں پر جھولنا کس طرح بھاتا ہے......؟ کوئی اس کی ملاقات کی فکر کرو۔'' ابھی سوداگر نے بمشکل اپنی بات مکمل کی تھی کہ درخت کی شاخ پر بیٹھا ہوا ایک طوطا پھڑ پھڑانے لگا اور پھر بیدم ہو کر زمین پر گر پڑا چند لمحے تک اس کا جسم تھرتھرایا پھر بے جان ہو گیا۔ سوداگر سوچنے لگا بعض اوقات ایسی گفتگو سے خاموشی بہتر ہوتی ہے جو فساد اور اضطراب پیدا کرے سوداگر اس پیغام رسانی پر بڑا شرمندہ ہوا کہ جس نے ناحق اپنی زبان سے ایک جان گنوائی ''تلوار کا زخم بھر جاتا ہے مگر زبان کا زخم نہیں بھرتا......''

یہ مرنے والا شاید اس طوطے کا کوئی عزیز ہے میری اس بے موقع خبر سے اسے اتنا رنج ہوا کہ برداشت نہ کر سکا اور مر گیا۔ وہاں سے افسوس کرتا ہُوا رخصت ہُوا کچھ عرصے بعد کاروبار سے فارغ ہو کر جب اپنے وطن واپس آیا۔ اور اہلِ خانہ کو ان کے حسبِ فرمائش تحائف دیئے۔ طوطے نے پوچھا: ''کیا میری فرمائش پوری کی۔ میرے ہم جنسوں نے کیا جواب دیا اور تُو نے کیا دیکھا؟'' سوداگر نے ایک سرد آہ بھری اور چہرے پر رنج والم کے آثار نمودار ہونے لگے۔ کہنے لگا: ''بہتر یہی ہے جو کچھ ہوا۔ مت سُن ورنہ تجھے صدمہ ہو گا۔ میں خود تیرا پیغام دے کر پچھتاتا ہوں، اب تک اس کی مذمت میرے دل میں ہے کہ کاش! میں پیغام نہ پہنچاتا......''

طوطا بولا: ''اے مالک ایسی خدانخواستہ کیا بات ہوئی جو تُو زبان پر لاتے ہوئے

ڈرتا ہے۔؟ بے تکلف بیان کر اب جو ہونا تھا ہو گیا۔" سوداگر کہنے لگا: "جب میں ہندوستان کے اس پُر فضا مقام پر پہنچا۔ وہاں کے طوطوں کو تیرا پیغام دیا اور جو تیرا حال تھا سب بیان کیا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک طوطا تیرا دردآشنا اور عزیز تھا میری باتیں سنتے ہی پھڑ پھڑا کر گرا۔ اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ شاید اسے تیری گرفتاری کا اتنا رنج پہنچا تھا کہ وہ برداشت نہ کر سکا۔ اس کے یوں دم دینے سے میں بے حد پشیمان ہوں۔"

دیکھتے ہی دیکھتے سوداگر کے طوطے کے بدن پر تھرتھری چھوٹی، آنکھیں پتھرا گئیں اور صرف ایک آواز "ہائے" نکالی قفس کے اندر گر پڑا اور تڑپتے ہوئے جان دے دی۔ سوداگر نے اپنی آنکھوں کے سامنے پیارے طوطے کو مرتے ہوئے دیکھا تو غم واندوہ سے نڈھال ہو گیا۔ ٹوپی سر سے اتار پھینکی سینے پر بار بار ہاتھ مار کر روتا اور یہ کہتا کہ اے خوش بیاں طوطے تجھے کیا ہو گیا۔ یہ تُو نے کیا کِیا اگر مجھے خبر ہوتی تو یوں داغِ جدائی دے گا تو یہ منحوس قصہ نہ سناتا۔ غرض دیر تک طوطے کے مرنے کے غم میں اسی طرح روتا رہا......

جب خوب دل کی بھڑاس نکال لی تو مرے ہوئے طوطے کو قفس سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ باہر پھینکنا تھا کہ فوراً وہ طوطا پھُر سے اُڑ کر درخت کی شاخ پر جا بیٹھا، اُس مرے ہوئے طوطے نے آزاد فضا میں ایسی اڑان کی جیسے مشرق سے آفتاب اُبھرتا ہے۔ سوداگر گزرا ہوا معاملہ بھُول گیا۔ طوطے کی اس حرکت پر حیران و ششدر رہ گیا اور کہنے لگا "اے چالاک پرندے یہ کیا ماجرا ہے اے میرے بُلبل ذرا یہ تو بتا کہ ہندوستان کے طوطے نے تجھے کیا خفیہ پیغام دیا جسے تو بھانپ گیا اور جس سے تُو میری آنکھوں پر اپنے مکروفریب کا پردہ ڈالنے میں کامیاب ہوا۔ ارے غضب خدا کا تُو نے کمال دکھایا کہ ہمیں جلا کر خود روشن ہو گیا"۔ طوطا بولا: "میرے بھائی طوطے نے مجھے سبق دیا اور اپنے عمل سے بتایا کہ میں قید سے کس طرح رہائی پا سکتا ہوں۔ میں نے اس پیغام کو سمجھا اور اس پر عمل کیا اس نے اشارہ یہ دیا کہ نغمہ گوئی اور میٹھی بول چال ترک کر۔ تُو اپنی اس سحر انگیز آواز کے سبب ہی گرفتارِ قفس ہوا ہے۔ پھر اس نے میری آزادی کے لیے خود کو مردہ بنایا کہ اے نادان پرندے اور ہر کس و ناکس کا دل خوش کرنے والے مردہ بن جا تا کہ قید سے نجات پائے۔"

طوطے نے یہ کہہ کر اپنے اصلی وطن کا رُخ کیا آخر کار ایک دن اپنے ساتھیوں

کے پاس پہنچ گیا۔

هر که داد او حسن خود را بر مراد
صد قضائے بد سوئے او را نهاد

درسِ حیات:

☆ جس کو عالم آشکارِ حسن عطا ہوا ہے۔ وہ سو بلاؤں کا ہدف بنتا ہے۔ بہار کے موسم میں بھی پتھر پتھر ہی رہتا ہے۔ سرسبز وشاداب نہیں ہوتا۔ پس تُو بھی اپنے آپ کو مٹا دے اور خاک ہو جا۔ خاک سے سبزہ اور پھول پھوٹ پڑتے ہیں تا کہ تجھ سے بھی لالہ وگل اُگیں۔

حکایت نمبر ۵۴:

پوشیدہ راز

حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ایک شریف النفس اور کمزور آدمی تھا۔ اللہ کے حضور یہ دُعا کرتا رہتا تھا کہ مجھ غریب بے سہارا کو غیب سے روزی عطا فرما اور مجھے محنت و مشقت کے عذاب میں نہ ڈال۔ مریل گدھے پر گھوڑوں اور اُونٹوں کا بوجھ نہیں لادا جا سکتا...... پاؤں والا تو چل کر روزی پیدا کر سکتا ہے اور جس کے پاؤں نہ ہوں اس کو تیرا ہی آسرا ہے۔ اے اللہ سب کی سننے والے! میں منہ سے ہی تجھ سے مانگ سکتا ہوں لیکن مشقت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا......۔ بس یہی ورد و وظائف اس کے دن رات کی مصروفیت تھی۔ اس کا یہ عمل ہر عام و خاص میں مشہور ہو چکا تھا۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے۔ خدا نے ہر شخص کی روزی محنت و مشقت کے راستے اُتاری ہے لیکن اسے دیکھو ہاتھ پیر ہلائے بغیر خدا سے اپنا رزق طلب کرتا ہے......۔ پیغمبرِ خدا کو دیکھو جنہیں اللہ نے معجزے بھی عطا کئے ہیں۔ خوش الحان ایسے کہ جن وانس چرند پرند تو ایک طرف پہاڑ بھی متاثر ہوتے ہیں باوجود اتنی شان کے وہ بھی بغیر مشقت کے روزی حاصل نہیں کرتے مگر اسے دیکھو یہ ناکارہ انسان یہ چاہتا ہے کہ اسے بیٹھے بٹھائے خزانہ مل جائے اور کوئی کسب نہ کرنا پڑے......۔ لوگ سو سو باتیں کرتے وہ کسی کی پرواہ نہ کرتا برابر اپنی آہ وزاری میں لگا رہتا۔ اس کی دُعا کا چرچا سارے شہر میں عام ہو گیا کہ یہ کیسا انسان ہے جو خالی تھیلی میں پنیر

حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ''جو تلاش کرے آخر اس کو مل جاتا ہے۔''

خدا سب کی دُعائیں سنتا اور مرادیں پوری کرتا ہے...... اس شخص نے دُعاؤں اور رونے دھونے کی حد کر دی تو رحمتِ حق جوش میں آگئی۔ اور اس کی مراد برآئی۔ زور سے دروازہ کھلا اور ایک گائے اس کے گھر میں گھس آئی۔ اس نے فوراً گائے کو پکڑا ٹانگیں باندھ کر...... بے تامل حلق پر چھری پھیر کر ذبح کر دیا، پھر قصاب کو بلوایا کہ اس کو کاٹ کر بوٹیاں بنا دے...... گائے کا مالک گلی کوچوں کی خاک چھانتا ہوا گائے تلاش کرتا ہوا ادھر آنکلا، دیکھا کہ گائے ذبح بھی ہو چکی ہے اور قصائی اس کی بوٹیاں کرنے میں بھی مصروف ہے۔ اس نے رونا دھونا اور چلاّنا شروع کر دیا۔ ''ارے ظالم! یہ کیا غضب کیا یہ گائے تو میری تھی، تجھے بھلا کیا حق تھا اسے پکڑ کر ذبح کرنے کا۔'' دعا مانگنے والے نے جواب دیا: ''سنو برادر زیادہ چیخنے چلاّنے کی ضرورت نہیں میں برسوں سے اس دُعا میں مصروف ہوں کہ اے اللہ تعالیٰ میرا رزق میرے پاس پہنچا دے اس نے دُعا قبول کی۔ میں نے اسے خداداد سمجھ کر ذبح کر ڈالا......'' یہ جواب سُن کر گائے کے مالک کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ اس نے پہلے درویش کی ٹھکائی کی پھر اسے گریبان سے پکڑ کر حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں لے گیا۔ ابے احمق، اگر محض دُعا مانگ کر دوسروں کا مال ہضم کرنے کی اجازت ہو جاتی تو پھر کوئی کچھ نہ کرتا۔ صرف دُعا کے بل بوتے پر لوگ ساری دولت کے مالک اور حق دار بن جاتے......

لوگوں نے گائے کے مالک کی باتیں سنیں تو اسی کو حق پر قرار دیا...... درویش نے اس بے بسی کی حالت میں آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر کہا ''اے خدائے...... رحمان و رحیم تُو اچھی طرح جانتا ہے کہ میں نے اپنی آرزو کی تکمیل کے لیے سینکڑوں روز و شب آہ و زاری کرنے اور دُعا مانگنے میں صَرف کیے...... اور میں نے روزِ الست جو خواب دیکھا تھا، اسی نے مجھے تیری بندگی میں مست کر دیا میری مثال اس مست اُونٹ کی سی ہے جو سُستی اور تھکان محسوس کیے بغیر منہ سے جھاگ نکالے بوجھ اُٹھائے چلا جاتا ہے کہ اپنی اُونٹنی سے ملاپ کرے۔ میں نے جب اپنی مراد پائی تو یہ مجھے تیرا بندۂ نافرمان سمجھ کر شیطان کی طرح کوس رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ میں تو ہمیشہ تیرے ہی آگے دستِ سوال دراز کرتا رہا ہوں تُو میری

پردہ پوشی کر لے اور مجھے ذلیل ہونے سے بچا لے۔"

گائے والے نے جھلا کر کہا: "ابے اُدھر آسمان کی طرف کیا دیکھ رہا ہے؟ ادھر میری طرف دیکھ اور حقیقت کا سامنا کر کیا تُو سمجھتا ہے کہ خدا اور اس کے بندوں کو اس فریب میں مبتلا کر کے صاف نکل جائے گا۔" دُعا مانگنے والے نے اپنی پیشانی زمین پر رکھ دی اور رو کر بولا: "اے خدائے ذوالجلال اپنے اس بندے کو رُسوا نہ کر میں بے شک بُرا ہوں خطا کار ہوں تُو تو عیبوں کو ڈھانپنے والا ہے اور اس نازک وقت میں میری مدد فرما۔" مقدمہ حضرت داوٗد علیہ السلام کی عدالت میں پیش ہو گیا۔ پہلے گائے کے مالک نے دعویٰ پیش کیا اور کہا: "اے پیغمبرِ خدا میری گائے اتفاق سے اس شخص کے گھر میں جا گھسی۔ یہ خدا جانے کب سے تاک لگائے بیٹھا تھا، اس نے میری گائے کو پکڑ کر ذبح کر ڈالا۔ آپ کے سامنے میری فریاد ہے۔ اس سے دریافت کریں کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟......" دعا مانگنے والے نے اپنی صفائی میں یوں عرض کیا: "اس شہر کے سبھی لوگ مجھے جانتے پہچانتے ہیں۔ آج تک میں نے کسی کا مال مارا نہ چوری کیا اور نہ ہی ناجائز کسی کو پریشان کیا میرا گذشتہ کئی سال سے یہ معمول رہا ہے کہ شب و روز بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کرتا رہتا تھا کہ بغیر محنت و مشقت کے مجھے رزق عطا فرما۔ آخر مسلسل دعاؤں کے بعد اللہ تعالیٰ نے میری آرزو سُنی اور یہ گائے خود بخود میرے گھر میں گھس آئی۔ میری آنکھوں میں اسے دیکھتے ہی نُور آ گیا کہ حق تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی اور رزقِ حلال بغیر محنت کے مل گیا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس گائے کو ذبح کر ڈالا...... یہ شخص نہ جانے کہاں سے شور مچاتا ہوا آ گیا اور کہنے لگا کہ گائے میری ہے۔" حضرت داوٗد علیہ السلام نے یہ سُن کر فرمایا کہ "ایسی معقول دلیل دے جس کی بنا پر تُو نے گائے ذبح کی۔

تیرے بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ گائے تجھے مالک نے دی نہ تُو نے خریدی۔" دعا مانگنے والے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے: "اے پیغمبرِ خدا آپ بھی وہی کہنے لگے جو دوسرے کہہ رہے ہیں......"

ایک آہِ دردناک اس کے دل سے نکلی اور اس نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر کہا: "اے میرے دل کا درد جاننے والے تُو داوٗد علیہ السلام کو روشنی عطا فرما۔ اور انہیں حقیقتِ حال

سے آگاہ فرما۔'' یہ کہہ کر وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اس کی آواز میں ایسا درد تھا کہ نہ صرف سنگ موم ہو گئے بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام کا دل بھی دہل گیا۔ انھوں نے گائے کے مالک سے کہا کہ اس کا فیصلہ ایک دن کے بعد کیا جائے گا۔

پیغمبرِ خدا اپنے حجرے میں داخل ہوئے اور اپنی عبادت گاہ کا دروازہ بند کر دیا۔ ذکر واذکار کے بعد اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا کی کہ اے علیم خبیر آقا! مجھے حقیقتِ حال سے آگاہ فرما۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر اسرار ورموز کھول دیئے......

دوسرے دن دونوں کو طلب کیا گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ دیا۔ گائے کے مالک کو کہا کہ اس شخص کا پیچھا چھوڑ دے اور اسے معاف کر دے حق تعالیٰ نے تیرے گناہوں کی پردہ پوشی فرمائی ہے۔ تُو بھی اس کی ستاری کا حق ادا کر اور اپنی گائے کی طرف سے صبر کر حضرت داؤد علیہ السلام کا ارشاد سنتے ہی اس بد بخت نے کہا: ''کیا اب کوئی نئی شریعت نافذ ہو گئی ہے......؟ آپ کے انصاف کی شہرت تو زمین وآسمان تک پہنچ چکی ہے مگر میرے ساتھ یہ ظلم کیوں؟ یہ انصاف نہیں ظلم ہے''۔

دوسری مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: ''اپنا سارا مال اور جائیداد اس...... مظلوم کے حوالے کر دے۔ ورنہ تیری سخت رُسوائی ہوگی اور کچھ عجب نہیں کہ جو ظلم وستم تُو نے کئے ہیں وہ بھی ظاہر ہو جائیں۔'' گائے والے نے یہ کلمات سنتے ہی سر پر خاک ڈالنا شروع کر دی گریبان پھاڑ ڈالا بدحواس ہو کر اور منہ میں کف بھر کر بولا: ''اے داؤد! اچھا فیصلہ سنایا۔ مجھ پر ظلم وزیادتی کی حد کر دی۔ (نعوذ باللہ) مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ تُو اپنے حواس میں نہیں رہا۔'' حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے قریب بُلایا اور کہا: ''اے بد بخت! اس ہنگامے سے باز آ کہیں یہ تیری ہلاکت کا باعث نہ بن جائے۔ جو تُو نے بویا ہے وہ اب کاٹ''۔ اب تیسری مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''تُو اپنے اہل وعیال بھی اس کے حوالے کر دے......'' اس حکم پر تو وہ پتھر سے اپنا سر پھوڑنے لگا۔ لوگ بھی حیران تھے کہ ''حضرت یہ کیسا حکم دے رہے ہیں۔''

جو شخص تنکے کی طرح نفس کی ہوا کے بس میں ہو۔ وہ ظالم اور مظلوم میں کیا تمیز کر سکتا ہے۔ ''شیر بھی شرم کرتا ہے وہ ہمسایوں کے شکار پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔'' تماشائی پیغمبرِ خدا

کے احکام کی اصل وجہ سے ناواقف تھے۔ ان میں سے ایک دو آدمی کہنے لگے۔ "اے اللہ کے نبی علیہ السلام" آپ کی ذاتِ بابرکات سے ایسا صریح ظلم؟ ہم سب حیرت میں ہیں بے قصور گائے والے پر اتنا عتاب آخر کیوں؟ اور جس نے ناحق گائے پکڑ کر ذبح کر ڈالی اُسے آپ نے بَری کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا "شاید کہ اب وہ وقت آن پہنچا ہے۔" کہ اس گائے والے کے پوشیدہ راز ظاہر کر دیئے جائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام سب کو دریا کے کنارے ایک بہت پرانے گھنے درخت کے نیچے لے گئے۔ وہ گھنا درخت جس کی شاخیں آپس میں گتھی ہوئی تھیں سورج کی شعاعوں کو زمین تک پہنچنے نہیں دیتی تھیں...... کیا تم لوگ جانتے ہو کہ اس درخت کے نیچے ایک آدمی کو قتل کیا گیا تھا؟ تم نہیں جانتے البتہ وہ جانتا ہے جس نے اس زمین و آسمان کو پیدا فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ اس گائے والے نے اپنے آقا کو قتل کیا۔ یہ شخص اصل میں مقتول کا زرخرید غلام تھا۔ اس نے اپنے آقا کو قتل کر کے اس کے مال و دولت اور جائیداد پر قبضہ کر لیا یہ مظلوم دعا مانگنے والا اسی مقتول کا بیٹا ہے۔ پھر اس بے رحم اور سنگ دل شخص نے اپنے مقتول آقا کے کم سن یتیم بچوں پر ظلم ڈھانا شروع کیا۔ ان سے سب کچھ چھین لیا۔ یہاں نمک حرامی پر اُتر آیا کہ اس کے آقا کے بچے دانے دانے کے محتاج ہو گئے۔ اس مردود نے اپنے گناہوں کا پردہ خود ہی فاش کیا۔ ظلم ہمیشہ رُوح کی گہرائیوں میں دُبکا رہتا ہے۔ لیکن ظالم اسے خود لوگوں پر کھول رہا ہے "اے سگِ دنیا" تُو نے شرع کے مطابق اس مقدمے کا فیصلہ مانگا تھا۔ شریعت نے اپنا فیصلہ سنا دِیا۔ اب اس کی تعمیل کرنا تیرا فرض بنتا ہے۔ تُو نے اپنی سفا کی اور شقی القلبی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ خدا کی پناہ۔ تُو نے آقا کو اس طرح چھری سے ذبح کیا جس طرح اس دعا مانگنے والے نے تیری گائے کو ذبح کیا تھا۔ وہ خون آلود چھری راز فاش ہونے کے ڈر سے گڑھا کھود کر تُو نے دفن کر دی تھی...... اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس چھری پر اس کا نام کندہ ہے......

حضرت داؤد علیہ السلام کے حکم پر زمین کھودی گئی گڑھے کے اندر سے ایک شخص کی کھوپڑی اور لمبی سی چھری برآمد ہوئی اب گائے والا خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ تماشائیوں پر سکتے کا عالم طاری تھا۔ لوگوں نے اپنے سروں سے کپڑے اور ٹوپیاں ہٹا دیں۔ ننگے سر ہو کر سامنے آئے اور عرض کرنے لگے، اے خدا کے سچے پیغمبر علیہ السلام! ہم فطری نابینا ثابت ہوئے ہم نے

آپ کی زبانِ مبارک پر اعتبار نہ کیا۔ آپ ہماری گستاخی معاف فرما دیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے سب کو معاف کر دیا۔ پھر گائے والے کے بارے میں حکم دیا۔ چونکہ اس شخص کے ظلم کا پردہ کھل چکا ہے اور یہ قاتل ہے۔ اس لیے شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ اس سے قصاص لیا جائے۔ چنانچہ اُسی چھری کے ساتھ اس کی گردن اڑا دی گئی۔

درسِ حیات:

☆ ایک ظالم کی ہلاکت سے ایک جہان کا چھٹکارا ہوا اور ہر شخص کا حق تعالیٰ پر ایمان از سرِ نو تازہ ہوا۔ عزیزم! اس حکایت سے سبق حاصل کر۔ تُو بھی اپنے نفس کو موت کے گھاٹ اتار۔ گائے والا کون ہے؟ تیرا نفس کہ جس نے اپنے آپ کو ظلم، دھوکے اور فریب سے بڑا آدمی بنا لیا ہے۔ بے محنت و مشقت کے روزی کیسے ملتی ہے۔ خواہشاتِ نفس کو مار دینے سے اصل وارث عقلِ سلیم ہے جو بے کس بے آسرا اور غریب رہ گئی۔ اور خود غرض بے رحم نفس جس کی حیثیت غلام کی سی تھی آقا اور مالک بن بیٹھا۔

حکایت نمبر ۵۵:

شیر پر سواری

طالقان کے علاقے کا رہنے والا ایک آدمی جس کو شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا بے حد شوق تھا۔ راستے کی دُوری اور سفر کی مشکلات کا خیال آتا تو خرقان جانے کی ہمت نہ پڑتی۔

آخر ایک دن شوقِ زیارت نے اس کو بے تاب کر دیا۔ رخِ زیبا کی زیارت کے لئے سامانِ سفر باندھ لیا۔ راستہ کٹھن اور دشوار گزار تھا۔ لیکن وہ ہمت کا پکا تھا۔ کئی دن تک پہاڑی اور جنگلی راستے سے ہوتا ہوا ایک طویل اور پُر صعوبت سفر کے بعد آخر کار منزلِ مقصود تک پہنچ گیا۔ شہر خرقان میں آ کر اس نے شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کا پتا دریافت کیا۔ وہاں جا کر نہایت ادب کے ساتھ دروازے کی زنجیر ہلائی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک عورت نے کھڑکی سے جھانک کر پوچھا کون ہے۔ اس نے جواب دیا! میں ...... حضرت شیخ ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی قدم بوسی کے لئے شہر طالقان سے حاضرِ خدمت ہوا ہوں۔ اس عورت نے کہا واہ میاں درویش بھلا یہ بھی کوئی مقصد تھا جس کے لئے تُو نے اتنا طویل اور کٹھن سفر طے کیا۔ معلوم ہوتا ہے تُو نے دھوپ میں اپنی داڑھی سفید کی ہے۔ تمہاری عقل و دانش پر رونے کو جی چاہتا ہے۔ کیا تجھے اپنے وطن میں کوئی کام دھندا نہ تھا؟ عقیدت مند یہ ماجرا دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ گئے۔ تاہم اس نے ہمت کر کے پوچھا کہ حقیقتِ

حال کچھ بھی ہو، یہ تو بتایئے شیخ صاحب ہیں کہاں؟ چونکہ وہ عقیدت کا ہاتھ تھام کر آیا تھا، اس لئے خاموش رہا۔ عورت نے جواب دیا: ارے وہ کہاں کا شیخ اور شاہ بن گیا اس نے تو دھوکے کا جال بچھا رکھا ہے۔ تجھ جیسے احمقوں کو اپنی ولایت کے جال میں پھانستا ہے۔ اب بھی وقت ہے جہاں سے آیا ہے اُلٹے پاؤں واپس چلا جا، ورنہ اس دغاباز کے چکر میں پھنس کر تباہ و برباد ہو جائے گا۔ نہ دین کا رہے گا نہ دُنیا کا۔ وہ بڑا حضرت ہے، اس کی زبان اور آنکھوں میں ایسا جادو ہے کہ اچھا خاصا عقل مند بھی اس کے فریب میں آ جاتا ہے۔

بھلا نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا یہی طریق تھا؟ ان جیسے لوگوں نے تو تقویٰ اور احکامِ شریعت کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ آج تو ایک عمر رضی اللہ عنہ کی ضرورت ہے جو سختی سے اِن لوگوں کا محاسبہ کرے۔

اب تو شیخ کے معتقد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور کہنے لگا ''چراغ تلے اندھیرا۔'' بی بی شیخ کے انوارِ فیوض سے ایک دُنیا جگمگا رہی ہے اور ان کی عظمت نے افلاک کی رفعتوں کو چُھو لیا ہے۔ ''چاند پر تھوکنے والا اپنے منہ پر ہی تھوکتا ہے۔'' کتا دریا میں گر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ آفتابِ عالم تاب پر لاکھ پھونکیں مارو وہ کبھی نہیں بجھ سکتا۔ چمگادڑ رات کے اندھیرے میں اُڑنے والی سورج کو نکلنے سے کیسے روک سکتی ہے۔ غرض درویش نے شیخ کی اہلیہ کو ایسی کھری کھری سنائیں کہ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔

وہ آدمی وہاں سے نکل کر شہر کے لوگوں سے شیخ کا پتا پوچھنے لگا۔ کسی نے بتایا کہ وہ جنگل کی طرف گئے ہوئے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ راہِ حق کا مسافر دیوانہ وار شیخ کی تلاش میں جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں ...... شیطان نے اس کے دل میں وسوسے ڈالنے شروع کر دیئے۔ سمجھ میں نہیں آتا آخر شیخ صاحب نے ایسی بے ہودہ بدتمیز اور زبان دراز عورت کو اپنے گھر میں کیوں رکھا ہے۔ عجیب معاملہ ہے! یہ میاں بیوی آپس میں کس طرح زندگی گزارتے ہوں گے۔ ''ایک آگ ہے اور دوسرا پانی'' ان مجموعہ اضداد میں محبت کیسے ہو سکتی ہے۔ ایسے وسوسے آتے تے بے چارہ گھبرا کر لاحول پڑھتا اور کانوں کو ہاتھ لگاتا۔ شیخ کے بارے میں ایسے خیالات کو دل میں جاگزیں کرنا نادانی ہے انہیں سوچوں کا تانا بانا بُنتا چلا جا رہا تھا کہ آخر دل نے کہا کہ اس میں بھی کوئی بھید ہوگا۔ وہ انہیں خیالات کی دُنیا میں گُم تھا کہ

اس کی نظر ایک شخص پر پڑی جو شیر کی پیٹھ پر اس شان سے سوار تھا کہ پیچھے لکڑیوں کا گٹھا لدا ہوا ہے اور ہاتھ میں سیاہ سانپ کا کوڑا ہے۔

عقیدت مند سمجھ گیا کہ یہی حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔اس سے پہلے کہ یہ کچھ عرض کرتا۔شیخ نے دُور سے ہی مسکراتے ہوئے فرمایا: عزیزم! اپنے فریبی نفس کی باتوں میں نہ آ، اوران پر دھیان نہ دے۔ ہمارا اَکیلا پن اور جوڑا ہونا نفس کی خواہش کے لئے نہیں ہے۔اللہ عزوجل کے حکم کی تعمیل کیلئے ہے۔ہم اس جیسے سینکڑوں بے وقوفوں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں۔یہ گفتگو میں نے تیری خاطر کی ہے تاکہ تُو بھی بدخُو ساتھی سے بنائے رکھے۔تنگی کا بار ہنسی خوشی برداشت کر، کیونکہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بلند مقام اپنی بیوی کی بدزبانی پر صبر کرنے کی وجہ سے عطا فرمایا ہے اگر میں اس کی ہرزہ سرائیاں برداشت نہ کرتا تو یہ شیر میرا مطیع کیسے ہوتا۔

گر نہ صبر میکشیدے بار زن
کے کشیدے شیر نر بیگار من

اگر میرا صبر اس عورت کا بوجھ نہ اُٹھا سکتا تو یہ شیر میرا بوجھ کیسے اٹھاتا۔

درسِ حیات:

☆ انسان کو ہر حال میں راضی بہ رضائے الٰہی رہنا چاہئے اور صبر و شکر سے کام لینا چاہئے۔صبر کرنے سے ہی اعلیٰ مقامات عرفان حاصل ہوتے ہیں۔

حکایت نمبر ۵۶:

مرضِ عشق

بادشاہ اپنے خواص کے ساتھ شاہی سواری پر بیٹھا بازارِ حسن سے گزر رہا تھا کہ ایک کنیز پر اس کی نظر پڑی وہ عورت کیا تھی کہ کسی شاہکار کا تراشہ ہوا مجسمہ تھا۔ جس کا حسن قیامت خیز تھا۔ بادشاہ جب واپس لوٹا تو دلِ بے قرار کو کسی گھڑی چین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس مجسمۂ حسن پر سو جان سے قربان ہو چکا تھا۔

بادشاہ نے منہ مانگی قیمت دے کر اسے خرید لیا۔ ابھی آنکھوں نے جی بھر کر دیکھا بھی نہ تھا کہ چند دن کے بعد وہ بادشاہ کے دل کی مالک بیمار ہو گئی۔ مثل صادق ہے۔ گدھا پاس تھا تو پالان نہ تھا پالان ملا تو گدھے کو بھیڑیا لے گیا۔ کوزہ تھا تو پانی نہ تھا پانی ملا تو کوزہ ٹوٹ گیا۔ بادشاہ کے ساتھ بھی کچھ اسی طرح کا معاملہ ہوا۔

علاج کے لئے ہر طرف سے طبیب حضرات آنے لگے۔ ہر ایک کا یہی دعویٰ تھا کہ میں ہی مسیحِ زماں ہوں۔ جب بیمار کی قضا آتی ہے تو طبیب بھی بے وقوف ہو جاتا ہے۔ اپنی مہارت اور تجربوں پر ناز کرتے ہوئے کہ ہمارے پاس ہر دکھ درد کی تیر بہدف دوا ہے۔ ''انشاء اللہ نہ کہا'' ان کا کوئی علاج کارگر ثابت نہ ہوا مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی والا معاملہ ہو گیا۔

طبیب حضرات اپنے اپنے نسخے آزما چکے چاند سے چہرے کی رونق کم سے کم

ہوتی جارہی تھی۔اب بادشاہ کو رجوع الی اللہ کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔فوراً ننگے سر اور پاؤں خانۂ خدا کی طرف بھاگا سر سجدے میں رکھ کر خوب رویا سجدہ گاہ شاہ کے آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

یا اللہ! تُو دلوں کے بھید جانتا ہے میں نے طبیبوں پر بھروسہ کرنے میں خطا کی۔ میرا قصور معاف فرما۔ میں کیا عرض کروں۔تُو ہمارے اسرار سے باخبر ہے۔ ہمارا حال اور ان طبیبوں کا عدم توکل اور ترکِ انشاء اللہ تیرے لطفِ عام کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔اے ہماری حاجتوں کی پناہ گاہ میری محبوبہ کو شفا عطا فرما۔ جب بادشاہ نے تہہ دل سے نالہ وفریاد کی۔ روتے روتے بادشاہ کو اُونگھ آ گئی اور قسمت جاگ گئی بشارت ملی کہ کل ایک مسافر تیرے پاس آئے گا اس کے علاج سے کنیز کو شفا ہو گی بادشاہ بڑی بے تابی کے ساتھ نو وارد کی راہ دیکھنے لگا......

ایک بزرگ صورت شخص دُور سے ہلال کی طرح ظاہر ہوا جوں جوں نزدیک آتا گیا آفتاب کی طرح اس کی روشنی پھیلتی گئی بادشاہ نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا کلام و طعام سے فارغ ہو کر بادشاہ اس بزرگ طبیب کو محل کے اندر لے گیا۔طبیب نے مریضہ کے چہرے کی رنگت اور نبض دیکھی بیماری کی علامت اور اسباب کے متعلق غور کیا۔سب کچھ دیکھ سُن کر دل میں کہا اسے صفرا و سودا کے غلبہ کی وجہ سے مرض لاحق نہیں ہوا بلکہ ''یہ مرضِ عشق ہے''۔ یہ معلوم کر لینے کے بعد طبیب نے بادشاہ سے کہا میں بیمار سے تخلیہ میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔سب لوگوں کے چلے جانے کے بعد طبیب نے پوچھا اے شاہ بیگم! یہ تو بتائیں آپ کس علاقے کی رہنے والی ہیں۔ یہ اس لئے کہ ہر علاقے کا طریقِ علاج مختلف ہوتا ہے۔ آپ اس شہر سے کس طرح جدا ہوئیں یہ کہہ کر مریضہ کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔

کسی کے پاؤں میں کانٹا چُبھ جائے تو اسے نکالنے کے لئے کتنی کاوش کرنا پڑتی ہے۔ پاؤں زانو پر رکھ کر سُوئی کے سرے سے کانٹے کا سر معلوم کرتے ہیں۔ جب نہ ملے تو اسے لب سے تر کرتے ہیں جب پاؤں کا کانٹا ایسا دشوار یاب ہے۔تو دل کا کانٹا معلوم کرنا کیوں کر مشکل نہ ہو۔

کنیز نے اپنی داستانِ غم بیان کرنا شروع کر دی۔ پہلے اپنی سہیلیوں اور رشتے

داروں کے متعلق بتایا ان کے ذکر سے نہ اس کا رنگ بدلا نہ نبض میں تغیر واقع ہوا۔ اسی طرح وہ ہر شہر اور ہر گھر کا ذکر کرتی رہی......

جہاں جہاں اس کی بود و باش رہی۔ جب کنیز نے سمرقند میں آنے کے متعلق ذکر شروع کیا۔ سمرقند کا نام لیتے ہی اس کے دل سے آہ نکلی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آنکھوں کی اس رِم جھم میں کہنے لگی مجھے وہاں ایک خواجہ زرگر نے خرید لیا۔ اس بیان سے اس کی نبض دل کی تڑپ کا پتہ دینے اور منہ کی زردی دردِ فراق کا اظہار کرنے لگی۔ شیخِ کامل نے دُکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ لیا اور کنیز سے یہ راز معلوم کر لیا کہ وہ سمرقند کے اس خواجہ زرگر پر عاشق ہے۔

طبیب نے کنیز کو تسلی دی کہ اطمینان رکھیے! تم جلد تندرست ہو جاؤ گی۔ طبیب نے بادشاہ کو بتایا کہ میں نے مرض معلوم کر لیا ہے۔ آپ کسی طریقے سے فلاں زرگر کو سمرقند سے یہاں بلوا لیں۔

بادشاہ نے اپنے دو خاص دانا آدمی سمرقند بھیجے جو اس سنار سے جا کر ملے اور اس کو اطلاع دی کہ بادشاہ تمہاری ہنرمندی کا شُہرہ سُن کر بڑا خوش ہُوا ہے۔ اس نے تمہارے لئے بیش قیمت خلعت اور مال و زر بھیجا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ تم اس کے پاس آؤ اور اس کے خاص مصاحبوں میں شامل ہو جاؤ۔ بادشاہ کی یہ عنایت دیکھ کر زرگر بہت خوش ہوا۔ اسی وقت اپنا سب کچھ چھوڑ کر ان کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

سمرقند کا خواجہ زرگر جب محل میں پہنچا تو بادشاہ نے اُٹھ کر اس کی تعظیم کی اور حکم جاری کیا کہ تم بے فکری کے ساتھ ہمارے پاس رہو بادشاہوں کے لائق سونے کے زیورات اور برتن تیار کرو۔ چنانچہ وہ بڑی خوشی اور دلجمعی کے ساتھ اپنے کام میں لگ گیا۔

بادشاہ نے اس کے کام کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ میں اس کے صلہ میں تمھیں اپنی خاص کنیز عطا کرتا ہوں۔ چنانچہ وہی کنیز جو اس زرگر کے فراق میں سُوکھ کر کانٹا ہو گئی تھی۔ اسے دے دی گئی۔...... کنیز جب اپنے دِل رُبا کے پاس پہنچی تو اس کا دکھ درد سب جاتا رہا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ چند ماہ میں صحیح سلامت ہو گئی۔ اس کا کھویا ہوا روپ پھر جوبن پر آ گیا۔

اب طبیبِ کامل نے ایسا شربت تیار کیا جسے زرگر نے نوش کیا اور وہ پانی میں نمک کی ڈلی کی مانند گھلنے لگا۔ کنیز کے سامنے اس طویل بیماری کے سبب زرگر کا روپ آہستہ آہستہ جاتا رہا۔ آنکھیں اندر کو گھس گئیں چہرے کی سرخی جاتی رہی یہ حالت دیکھ کر کنیز کی محبت بھی رفتہ رفتہ کافور ہو گئی۔ اب وہ کنیز عشق کی بیماری سے شفا پا گئی۔ اس کنیز کی محبت محض صورت پرستی تھی۔ اس لئے صورت کے بگڑنے سے آہستہ آہستہ وہ عشق بھی زائل ہو گیا۔ جو عشق صرف رنگ و روپ کی خاطر ہوتا ہے۔ وہ دراصل عشق نہیں بلکہ فِسق ہوتا ہے۔

اس ترکیب سے طبیب نے کنیز کے ''مرضِ عشق'' کا علاج کیا اور اسے تندرست کر کے بادشاہ کے دل کو مسرور اور آنکھوں کا نُور بنا دیا۔

ظاہری صورت کا عشق آخر کار بدنامی اور بے عزتی کا مُوجب بنتا ہے۔ معشوق کا رنگ و روغن اس کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ مور کے لئے اس کے خوبصورت پَر ہلاکت آفرین ہیں۔

۱۔ ہرن کو شکاری مشک کے لئے مارتے ہیں۔

۲۔ لومڑی کو پوستین کے لئے ہلاک کیا جاتا ہے۔

اے طالب! اس زندہ (محبوبِ حقیقی) کا عشق اختیار کر جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ جو محبت و معرفت کی جانفزا پاک شراب پلانے والا ہے۔ تُو مایوسی سے یہ مت کہہ کہ اس محبوبِ حقیقی تک مجھ جیسے نالائقوں کی کیسے رسائی ہو سکتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے جو بندہ میری طرف بالشت بھر قریب آتا ہے، میں اس کی طرف گز بھر قریب ہو جاتا ہوں۔ اس کے عشق و محبت کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔

درسِ حیات:

☆ نیکی، بدی کے پردے میں پوشیدہ بھی ہو سکتی ہے اور اس سے ہٹ کر بھی۔ اسلئے نیکی کرتے وقت اصل مقصد منشائے رضائے الٰہی ہونا چاہیئے۔

حکایت نمبر ۵۷:

مچھر کا مقدمہ

ایک مچھر نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں آ کر فریاد کی "اے وہ ذاتِ گرامی جس کی سلطنت جن وانس اور ہوا پر ہے۔ تُو جن وانس کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ ہَوا میں اُڑنے والے پرندے اور دریا میں تیرنے والی مچھلیاں سب تیرے انصاف کی تعریف میں رطبُ اللسان ہیں۔ اب ہماری مشکل بھی آسان کر، ہم بہت تکلیف میں ہیں۔ صرف ہماری جنس ہی انصاف سے محروم چلی آ رہی ہے۔" حضرت سلیمان علیہ السلام نے مچھر کی یہ درد بھری فریاد سُن کر کہا: "اے انصاف ڈھونڈنے والے تُو کس سے اپنا انصاف چاہتا ہے۔؟ وہ کون ظالم ہے؟ جس نے ازراہ غرور تجھے ستایا۔" مچھر نے عرض کیا: "اے سلیمان علیہ السلام ہم ہَوا کے ہاتھوں بڑی مصیبت میں ہیں۔ وہ دونوں ہاتھوں سے ہم پر ظلم کرنے والی ہے۔" حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: "اے مچھر مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ کوئی فیصلہ اس وقت تک نہ کروں جب تک دونوں فریق حاضر نہ ہوں۔" اس کے بعد آپ نے ہوا کو حکم دیا جلد حاضر ہو۔ مچھر نے تیرے خلاف ہماری عدالت میں دعویٰ دائر کیا ہے۔ اپنے مدّعی کے برابر آ اور اپنی صفائی میں جو کچھ کہنا چاہتی ہے کہہ۔ ہوا حکم سنتے ہی فراٹے بھرتی ہوئی آئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے رُوبرُو حاضر ہوگئی۔ مچھر اس ہوا کی تیزی سے راہِ فرار پر بے اختیار مجبور ہو گیا۔ مچھر کا دم گھٹنے لگا۔ اس میں ٹھہرنے کی تاب ہی کہاں تھی فوراً

بھاگ نکلا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اے مچھر ٹھہر جا۔ تُو کہاں جاتا ہے، تاکہ میں دونوں کا فیصلہ کروں ذرا رک تو سہی تیرے مخالف فریق کی بات بھی سُن لوں۔ مچھر نے بھاگتے ہوئے کہا: ''اے بادشاہ! میری موت ہوا ہی کے وجود سے ہے۔ اس کے دُھویں سے تو میرا دن سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے میں قرار نہیں پاسکتا۔ میری جگہ سے مجھ کو اکھاڑ پھینکتی ہے۔ اسے دیکھتے ہی میری آدھی جان نکل جاتی ہے۔''

یہاں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ صالحین کو تعلیم فرماتے ہیں کہ یہی کیفیت حق تعالیٰ کے ڈھونڈنے والے کی ہوتی ہے۔ جہاں حق جلوہ نما ہوتا ہے۔ ڈھونڈنے والا وہاں سے غائب ہوتا ہے۔ اگر نفس زندہ ہے اور تکبر سے پُر ہے تو اس انانیت کے ساتھ قربِ خدا ناممکن ہے۔ اس انا کو فنا کرنا ہوگا۔ قربِ خداوندی کے حصول میں بقا ہی بقا ہے۔ اپنی مرضی کو مرضیٔ الٰہیہ کے تابع اور غلام بنا دے۔

درسِ حیات:

☆ حق تعالیٰ کو ڈھونڈنے والے کی کیفیت بعینہٖ ایسی ہے جہاں حق جلوہ نما ہوا وہاں ڈھونڈنے والا غائب۔ حق تعالیٰ کا جمال ہمیشگی کیلئے ہے۔ بقایا ہر شے فانی ہے۔

حکایت نمبر ۵۸:

مور اور اس کے پَر

ایک حکیم جنگل میں گھوم پھر رہا تھا۔ سرسبز و شاداب جگہ میں اس نے ایک مور کو دیکھا۔ مور اپنے خوبصورت پَروں کو اُکھیڑ رہا تھا۔ حکیم کو یہ ماجرا دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ وہ مور کے قریب گیا اور کہنے لگا ''اے طوس! کیا تیرے حواس جاتے رہے کہ اتنے حسین اور خوبصورت پروں کو اس بے دردی سے اُکھیڑ رہا ہے کیا تجھے یہ احساس نہیں کہ تیرا ایک ایک پر لوگ کس ذوق و شوق سے سنبھال کر رکھتے ہیں۔ نشانی کے طور پر یہ مصحفِ پاک کے اوراق میں رکھے جاتے ہیں۔ پھر تیرے نازک پروں کی پنکھیاں بنائی جاتی ہیں۔ ارے حیوان! تیرا خالق کون ہے؟ کس نے تیرے بدن پر یہ بے شمار نقش و نگار بنائے ہیں؟ کیا تُو اس مصور کو بُھول گیا ہے جس نے اپنی مصوری کے لئے تجھے منتخب کیا ہے۔؟ معلوم ہوتا ہے تو غرُور میں آ کر اپنی کوئی نئی وضع قطع بنانے کے درپے ہے۔'' مور نے دانش ور کے جب یہ کلمات سنے تو بے چین سا ہو کر رونے لگا۔ اس کے رونے میں ایسا درد اور ایسا اثر تھا کہ وہ حکیم جس نے مور سے پَر اُکھیڑنے کا سبب پوچھا تھا۔ نادم اور پریشان ہو کر دل میں کہنے لگا، میں نے ناحق اس مور کو چھیڑا۔ پتا نہیں یہ کس پریشانی میں گھرا ہوا تھا۔

کاش! وہ حکیم جان سکتا کہ مور کے ایک ایک آنسو میں کیا کیا راز پوشیدہ ہے۔ اسے ان آنسوؤں کی کیا قدر۔ طاوس نے کہا: ''اے نادان! افسوس ہے تیری عقل و بصیرت

پر کہ ابھی تک تو طلسمِ رنگ و بُو میں گرفتار ہے۔ اُلٹا مجھے پَر اکھیڑنے پر مطعون کرتا ہے اور مجھے ہی ملزم ٹھہرا رہا ہے۔ کیا تُو نہیں جانتا کہ ہر طرف سے سینکڑوں بلائیں انہیں بازوؤں کے لئے میری طرف آتی ہیں۔ ظالم شکاری اِنھیں پروں کے لئے ہر طرف جال بچھاتا ہے۔ کتنے ہی سنگ دل تیر انداز ہیں جو اِنھیں پروں کی خاطر میری جانِ ناتواں سے کھیلتے ہیں۔ ایسی ناگہانی آفتوں، ایسی بلاؤں اور ایسی المناک موت سے اپنے آپ کو بچائے رکھنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ اس لئے یہی راستہ نظر آیا کہ ان بلائے جان پروں کو اکھیڑ دوں اور اپنی صورت کو مکروہ بنالوں تاکہ پہاڑوں اور میدانوں میں بے فکر ہو جاؤں۔"

نزد من جاں بہتر از بال و پرست
جاں یماند باقی و تن ابتر ست

میرے نزدیک جان کی حفاظت بال و پر کی حفاظت سے زیادہ ضروری اور اہم ہے۔ جان تو محفوظ رہے جسم کی ابتری کا جان کے مقابلے میں کیا غم۔

خویش را رنجور ساز و زار زار
تا ترا بیروں کند از اشتہار

درسِ حیات:

☆ اپنے آپ کو بے نام و نشان اور عاجز و مسکین بنا کر رکھو تاکہ شہرت سے یہ حالت تم کو دُور رکھے۔ کیونکہ شہرت سے گوشۂ عافیت چھن جاتا ہے اور شہرت بہت سی بلائیں اپنے ساتھ لاتی ہے۔

حکایت نمبر ۵۹:

برائی کی جڑ

ایک آدمی دِن رات مخلوقِ خُدا کو اذیّت دینے کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا۔ ایک دن اسے شرارت سُوجھی اس نے اپنے گھر کے سامنے راستے میں لمبے لمبے کانٹوں والی ایک جھاڑی لگا دی۔ چند دنوں کے اندر اندر یہ جھاڑی خاصی بڑھ گئی۔ ہر چند لوگ اس سے بچ بچا کر نکلتے، لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی کانٹا پاؤں کو زخمی کر دیتا اور کسی کا دامن تار تار کر دیتا۔ لوگوں نے اس کو بہت ملامت کیا کہ تُو نے اپنے گھر کے سامنے یہ جھاڑی کیوں اُگنے دی۔ اب تو تکلیف کی انتہا ہو چکی ہے۔ اسے اکھیڑ دے۔ اس نے مسکرا کر بڑی نرمی کے ساتھ جواب دیا ٹھیک ہے اکھیڑ دوں گا۔ چند دن پھر اسی طرح گزر گئے۔ یہاں تک کہ اب جھاڑی نے آدھا راستہ گھیر لیا۔ لوگوں نے مجبور ہو کر حاکمِ وقت کو اس کی شکایت کی۔ اُس نے فوراً اس شخص کو بُلایا۔ اسے بُرا بھلا کہا۔ پھر سختی سے حکم دیا کہ ابھی جا کر جھاڑی کو اُکھاڑ دے۔

اس نے عرض کیا: ابھی حکم کی تعمیل ہو جائے گی۔ وہ حاکمِ وقت سے وعدہ کر کے چلا آیا۔ اس نے جھاڑی پھر بھی نہ اُکھیڑی۔ اگر کوئی اسے اس طرف توجہ دلاتا تو کہہ دیتا کہ آج فرصت نہیں کل یہ کام کر دوں گا۔ اسی کل کل پر ٹالنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک دن جھاڑی اتنی بڑھ گئی کہ اب اس کا ہٹانا آسان نہ رہا۔ یہ درخت مضبوط ہو گیا اور اس کی جڑیں اتنی گہری ہو گئیں کہ پھر وہ ظالم اس کو اکھیڑنے سے عاجز ہو گیا۔ درخت جوان ہوتا گیا اور اس کو

اکھاڑنے والا کمزور ہوتا گیا۔

درسِ حیات:

☆ اسی طرح ہماری بُری عادتیں اور گناہ کے کام ہیں۔ ان کی اصلاح میں جس قدر دیر کی جائے گی۔ اِن کی جڑیں مضبوط تر ہوتی چلی جائیں گی۔ برائی کو دُور کرنے میں سُستی سے کام مت لے۔ ہر بُری عادت کو خاردار جھاڑی سمجھ۔

اے! بے حس کاہل اُٹھ اور اپنی پرانی بُری عادتوں کی اصلاح کے لئے تلوار اُٹھا اور مردانہ وار حملہ کر اور مثلِ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس دروازۂ خیبر کو اکھاڑ دے۔

حکایت نمبر ۶۰:

جادوگرنی

ایک دُور اندیش بادشاہ اپنے حُسنِ صورت و حسنِ سیرت سے آراستہ بیٹے کا رشتہ کسی زاہد و پرہیز گار صالح خاندان میں کرنا چاہتا تھا۔ بادشاہ نے جب یہ بات شہزادے کی ماں سے کی تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ آپ صالحیت اور تقویٰ و زُہد تو دیکھ رہے ہیں لیکن آپ کے مقابلے میں باعتبار عزت و مال کے وہ خاندان کمتر ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا:

گفت رو ہر کہ غم دیں بر گزید
باقی غمہا خدا ازوے بُرید

''دُور ہو بے وقوف! جو شخص دین کا غم اختیار کرتا ہے خدا اس کے تمام دنیاوی غموں کو دُور کر دیتا ہے۔'' بالآخر بادشاہ اپنی زوجہ پر اپنی رائے کو غالب رکھنے میں کامیاب ہو گیا اور شہزادے کی شادی وہیں صالح خاندان میں کر دی۔

شادی کو ہوئے کافی عرصہ گزر گیا۔ شہزادے کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی بادشاہ کو فکر لاحق ہو گئی کہ کیا بات ہو سکتی ہے۔ شہزادے کی بیوی بہت خُو برو اور حسین و جمیل بھی ہے۔ لیکن اولاد کیوں نہیں ہو رہی۔ بادشاہ نے اپنے مخصوص مشیروں اور علماء کو جمع کیا اور خفیہ طور پر اس مسئلے کے بارے میں مشاورت کی۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس شہزادے پر

ایک بوڑھی عورت نے جادو کر دیا ہے۔ جس سے یہ اپنی حسین اور رشکِ قمر بیوی سے نفرت کرتا ہے۔ بیوی کی بجائے اس جادوگرنی بوڑھی عورت کے پاس جاتا ہے۔ بسبب جادو کے وہ اس کے عشق میں عرصہ دراز سے گرفتار ہے۔

بادشاہ کو اس بات سے بے حد غم اور صدمہ ہوا۔ اس نے بہت صدقہ و خیرات کیا اور سر سجدے میں رکھ کر خُوب رویا، جب سر سجدے سے اُٹھایا تو ایک ''مرد'' غیب سے نمودار ہوا اور کہنے لگا۔ آپ ابھی میرے ساتھ قبرستان چلیں ...... بادشاہ اس کے ساتھ قبرستان گیا۔ انہوں نے ایک پرانی قبر کھودی اس میں سے ایک بال نکلا جس میں جادو کے ذریعے سے سو گرہیں لگائی گئی تھیں۔

اس مردِ غیبی نے ایک ایک گرہ کو دم کر کے کھولنا شروع کیا۔ ادھر شہزادہ صحت یاب ہوتا گیا۔ آخری گرہ کھلتے ہی شہزادہ اس خبیث بوڑھی جادوگرنی کے عشق سے نجات پا گیا، اور اس کی آنکھوں کی نظر بندی بھی جاتی رہی جس سے اسے اپنی حسین بیوی خراب اور بُری مگر وہ خبیث بوڑھی عورت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔

پھر جب وہ شہزادہ اس بوڑھی عورت کے پاس گیا تو اسے دیکھ کر اس کو نفرت و کراہتِ شدیدہ محسوس ہوئی اور وہ اپنی عقل پر حیرت کر رہا تھا۔ جب اس نے اپنی بیوی کو دیکھا اس کا حسین چہرہ مثلِ چاند دیکھ کر بے ہوش ہو گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ جس نے مجھے اس سحر انگیزی سے نجات دی۔

درسِ حیات:

☆ انسان اس شہزادے کی مثل ہے اور یہ دنیا اس مکار بوڑھی جادوگرنی عورت کی مثل ہے۔ جس نے عاشقانِ دنیا پر جادو کر رکھا ہے، جس سے وہ اس دنیا کے فانی رنگ و بُو کے عشق میں مبتلا ہو کر آخرت اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے انوار و تجلیات کو بھول چکے ہیں۔

حکایت نمبر ۶۱:

عشقِ مجازی

اصلاحِ نفس کے لئے ایک آدمی اللہ والے کی خدمت میں حاضر ہوا اور شیخ کے تجویز کردہ اوراد و وظائف کو پابندی کے ساتھ پڑھنے لگا۔ شیخ کے گھر سے ایک خادمہ اس کے لئے کھانا لایا کرتی تھی۔ چند دنوں کے بعد وہ اصلاحِ نفس کرنے والا آدمی نفس کے جال میں پھنسنا شروع ہو گیا۔

وہ آہستہ آہستہ خادمہ کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ جب خادمہ کھانا لے کر آتی ...... وہ اسے دیکھتا رہتا۔ خادمہ اللہ والوں کی نوکر تھی۔ اس نے صاف صاف شیخ صاحب کو بتلا دیا کہ حضور آپ کا فلاں مرید میرے عشق میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اب اس کو اوراد و وظائف سے کیا نفع ہو گا۔ پہلے اس کا یہ مسئلہ حل کریں۔ شیخ صاحب یہ سُن کر خاموش ہو گئے اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دُعا کرنے لگے کہ الٰہی مجھے اس مسئلے کا حل عطا فرما۔ چند دنوں کے بعد شیخ صاحب نے خادمہ کو اسہال کی دوا دی اور ساتھ حکم دیا کہ تجھے جتنے دست آئیں سب کو ایک طشت میں جمع کرتی رہنا ...... یہاں تک کہ اس کو بیس دست ہوئے جس سے وہ انتہائی کمزور اور لاغر ہو گئی۔ چہرہ پیلا ہو گیا۔ آنکھیں دھنس گئیں۔ رُخسار اندر کو بیٹھ گئے۔ ہیضے کے مریض کی طرح خادمہ کا چہرہ بھی مکروہ سا ہو گیا۔ اور تمام حُسن جاتا رہا۔

شیخ نے خادمہ سے کہا کہ آج اس کا کھانا لے جا اور خود بھی آڑ میں چھپ کر

کھڑے ہو گئے۔اس عاشق مرید نے جیسے ہی خادمہ کو دیکھا۔کھانا لینے کے بجائے اس کی طرف سے چہرہ پھیر لیا اور کہا کھانا وہاں رکھ دو۔شیخ فوراً آڑ سے نکل آئے اور ارشاد فرمایا کہ اے بے وقوف آج تُو نے اس خادمہ سے رُخ کیوں پھیر لیا، اس کنیز سے کیا چیز گم ہو گئی جو تیرا عشق آج رُخصت ہو گیا۔پھر شیخ نے حکم دیا کہ وہ پاخانے کا طشت اُٹھا لا جب اس نے وہ طشت اس کے سامنے رکھ دیا تو شیخ نے مرید کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے بے وقوف اس خادمہ کے جسم سے سوائے اتنی مقدار پاخانہ کے اور کوئی چیز خارج نہیں ہوئی معلوم ہوا کہ تیرا عشق درحقیقت یہی پاخانہ تھا۔جس کے نکلتے ہی تیرا عشق غائب ہو گیا۔

درسِ حیات:

☆ اے لوگو! جس گھنگرو والی زلفِ مشکبار پر آج تم فریفتہ ہو یہی زُلف تم کو ایک دن بوڑھے گدھے کی دُم کی طرح بُری معلوم ہو گی۔

حکایت نمبر ۶۲:

بندہ پروری

ہرات کا نواب بڑی خوبیوں کا مالک تھا۔ اس کی خوش اخلاقی اور فیاضی کی وجہ سے عوام الناس مسافر، تاجر، الغرض تمام لوگ خوش تھے، اور یہ بادشاہِ وقت کا وفادار ساتھی تھا۔ بادشاہ اس پر مکمل اعتماد کرتا تھا۔ اس نواب کے کافی تعداد میں غلام تھے جن کو وہ بیٹوں کی طرح آرام اور زیب وزینت سے رکھتا تھا۔ اطلس اور کمخواب کی قبائیں اوران پر گنگا جمنی پٹیاں ان کی شان دوبالا کیئے دیتی تھیں۔ ان شاندار زیب وزینت سے آراستہ غلاموں کی ٹولیاں بازار میں گشت کر رہی تھیں۔

ایک غریب مفلس قلاش شخص جو بھوکا اور ننگا تھا۔ ان کو دیکھ کر لوگوں سے پوچھنے لگا یہ رئیس زادے کون ہیں؟ جواب دینے والے نے کہا: "یہ ہمارے اس علاقے کے نواب کے نوکر چاکر ہیں۔" وہ یہ سُن کر حیران رہ گیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگا: "اے خُدا! اپنے اس بے نوا دُبلے پتلے بندے کو دیکھ کہ سردی کے مارے میرے دانت بج رہے ہیں اور بھوک سے میرا بُرا حال ہو گیا ہے اور اس علاقے کے نواب بندہ پرور کو دیکھ کہ اس کے غلام کتنے موٹے تازے خوش پوش اور با احتشام ہیں۔ بے فکری اور فارغ البالی سے اِدھر اُدھر اِتراتے پھر رہے ہیں۔"

یہ غریب بالکل محتاج برہنہ اور بے نوا تھا اور جاڑے کی سرد ہواؤں سے ٹھٹھر رہا

تھا۔اس لئے بے خودی کے عالم میں شاید اس کو اللہ تعالیٰ کی ہزار ہا بخششوں پر اعتماد تھا۔اس ناز سے یہ کلمے کہہ گیا۔

بندہ پروردن بیاموز اے خدا
زیں رئیس و اختیار شہر ما

(نعوذ باللہ) یا اللہ! بندہ پروری ہمارے شہر کے اس سخی رئیس سے سیکھ۔

تقدیرِ الٰہی سے نواب رئیس کے عروج کا ستارہ زوال پذیر ہو گیا۔بادشاہ نے بعض وجوہات کی بنا پر اس کو قید کروا دیا۔اس کے اموال و املاک کو ضبط کر لیا اور اس کے وفادار ساتھیوں کو شکنجوں میں پھنسا کر نواب رئیس کے دفینوں کے متعلق پوچھنے لگا۔اتنی تکلیف کے باوجود رئیس کے کسی غلام نے بھی کوئی بات نہ بتلائی۔یہ سب کچھ اس منہ پھٹ بے نوا کے سامنے ہو رہا تھا۔بادشاہ نے کہا میں تمہاری زبان اور ہاتھ کٹوا ڈالونگا۔تمام غلام خاموش رہے اس پر بادشاہ کے غضب کی آگ اور بھڑک اُٹھی اور وہ مسلسل کئی دن تک ان پر بے جا سختیاں کرواتا رہا لیکن کیا مجال کہ کسی کی زبان نے اپنے مالک کے متعلق کوئی شکوہ وشکایت یا بھید ظاہر کیا ہو۔

یہ دردناک منظر دیکھ کر وہ بے نوا شخص بے ہوش ہو گیا۔عالمِ بے ہوشی میں اس نے یہ آواز سُنی کہ خالق و مالک سے بدزبانی کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کو بندہ پروری کا سبق دینے والے ان غلاموں کی وفاداری دیکھ ذرا بندہ بننے کا سبق بھی ان غلاموں سے سیکھ۔

درسِ حیات:

☆ انسان خدا کی کنہ وحقیقت سے کبھی بھی واقف نہیں ہو سکتا لہٰذا انسان کو خدا کی بارگاہ میں کبھی گستاخی کے الفاظ ادا نہیں کرنے چاہئیں۔

حکایت نمبر ۶۳:

صبر کا اِمتحان

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا ذریعۂ نجات کسی نہ کسی سبب سے بنا دیتے ہیں۔ ایک عورت کو صبر کے میدان میں اللہ تعالیٰ نے آزمایا۔ ہر سال اللہ عزوجل اسے اولادِ نرینہ سے نوازتے مگر چند ماہ بعد اس کے گلستان سے یہ پھول مُرجھا جاتا۔ اس کی گود پھر خالی ہو جاتی۔ اس بے کس ماں کے یکے بعد دیگرے بیس بچے اس کا خون جگر کر کے داغِ جدائی دے گئے۔ آخری بچے کے فوت ہونے پر اس کے غم کی آگ بھڑک اُٹھی۔

آدھی رات کو زندہ لاش کی طرح اُٹھی اور اپنے خالق و مالک کے سامنے سر سجدے میں رکھ کر خوب روئی۔ اپنا سارا غم اور اپنے جگر کا خون مناجات میں پیش کیا ''اے کون ومکان کے مالک! تیری اس گنہگار بندی سے کیا تقصیر ہوئی کہ سال میں نو مہینے خونِ جگر دیکر اس بچے کی تکلیف اُٹھاتی ہے جب امید کا درخت پھل لاتا ہے تو صرف چند ماہ اس کی بہار دیکھنا نصیب ہوتی ہے۔ میرے باغ میں بیس پُھول کھلے مگر میں نے سیر ہو کر ایک کی بھی دید نہ کی۔ آئے دن مجھے غم کی ہول لگی رہتی ہے میرا کوئی بچہ پروان نہ چڑھا۔ اے دکھی دلوں کے بھید جاننے والے مجھ بے نوا پر اپنا لطف و کرم فرما۔'' دکھ درد کی ماری کو روتے روتے اُونگھ آ گئی۔ خواب میں اس نے ایک شگفتہ پُر بہار چمن دیکھا جس کے اندر وہ سیر کر رہی تھی۔ سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنا ہوا اُسے ایک محل نظر آیا۔ جس کے اُوپر اس عورت کا نام

لکھا ہوا تھا۔ باغات اور تجلیات سے یہ عورت خوش اور بیخود ہو گئی محل کے اندر جا کر اس عورت نے دیکھا کہ اس میں ہر طرح کی نعمتیں موجود ہیں۔

اسے وہاں اپنے سب کھوئے ہوئے بچے مل گئے جو اسے دیکھ کر کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ ''پھر اس نے ایک محبت بھری آواز سنی کہ تُو نے جو بچوں کے مرنے پر صبر کیا تھا۔ یہ اس کا اجر ہے'' خوشی کی اس لہر میں اس کی آنکھ کُھل گئی۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوئی تو اس کا تمام ملال جاتا رہا۔ اس عورت نے مالکِ حقیقی کی بارگاہ بے کس پناہ میں بھیگی ہوئی آنکھوں سے عرض کیا الٰہی اب اگر اس سے بھی زیادہ تُو میرا خون بہا دے تو میں راضی ہوں۔

اب اگر تُو مجھے سینکڑوں سال بھی اسی طرح رکھے جس طرح میں اب ہوں تو کچھ غم نہیں، یہ انعامات تو میرے صبر سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس نے سمجھ لیا کہ چند روزہ زندگی کے بعد اسے بہت اچھا ٹھکانہ ملنے والا ہے۔ ان چند دن کے فراق کے بعد میری اپنے بچوں سے دائمی ملاقات ہونے والی ہے۔

درسِ حیات:

☆ عزیزم! انسان کو ہر حال میں صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ اس کا اجر بہت زیادہ ہوتا ہے۔

حکایت نمبر۶۴:

مشورہ مفت

ایک شخص کافی مدت سے بیمار اور زندگی سے لاچار و بے زار تھا۔ امید کا چراغ لے کر ایک ماہر طبیب کے پاس گیا اور عرض کرنے لگا: ''جناب مجھے کوئی دوا اور بہتر مشورہ دیں تاکہ میں صحت مند ہو جاؤں اور آپ کے لئے صدقۂ جاریہ بن جاؤں''۔ طبیب نے اس کے حال و احوال کو غور سے دیکھا پھر اس کی دُکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھا۔

اس کے اندرونی حال سے واقف ہوا کہ اس کے بدن سے جان تو نکل چکی ہے۔ صحت کی امید ذرہ برابر نہیں دوا دارو کر کے مفت میں اس غریب کو اور ہلکان کرنا ہے لہٰذا طبیب نے مکمل تشخیص کے بعد مشورہ دیا۔ میاں! تم یہ دوا دارو چھوڑ و انہی کی وجہ سے تمہاری صحت برباد ہو رہی ہے۔ جو تمہارے جی میں آئے وہ کرو ہر گز ہر گز اپنی کسی خواہش سے ہاتھ نہ روکنا کیونکہ ''صبر اور پرہیز اس مرض کے لئے مضر ہیں۔'' انشاء اللہ آہستہ آہستہ تمہاری تمام بیماریاں جاتی رہیں گی۔ طبیب کی باتیں سُن کر اس کی آنکھوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور اس کی زندگی کا بجھتا ہوا چراغ پھر سے روشن ہو گیا۔ خوش ہو کر اس نے کہا واہ! آپ نے کیا خوب مشورہ دیا ہے آج سے اس مشورے پر دل و جان سے عمل کروں گا۔

''مطب'' سے نکل کر دردِ دل کا مریض ٹہلتا ٹہلتا ایک دریا کے کنارے جا نکلا تاکہ طبیعت بحال ہو جائے، وہاں اسے ایک اس سے بھی زیادہ دل جلا نظر آیا جو دریا کے

کنارے بیٹھا منہ ہاتھ دھو رہا تھا۔اس کا گنجا سر دھوپ میں چمک رہا تھا۔مریض کا بے اختیار جی چاہا کہ اس کے چمکتے ہوئے گنج پر ایک زوردار طمانچہ مارے۔دل میں سوچنے لگا۔اس وقت مجھے اپنی خواہش کو روکنا نہیں چاہیے ورنہ میری صحت ٹھیک نہیں ہوگی۔صبر اور پرہیز میرے لئے ہلاکت ہے اور طبیب کی ہدایت بھی یہی ہے کہ جو جی میں آئے وہ کرو یہ خیال آتے ہی وہ بے تکلف آگے بڑھا اور تڑاخ سے اس آدمی کی گدی پر طمانچہ دے مارا، اس غریب کا دماغ گھوم گیا۔تڑپ کر اُٹھا اور کہا: اے دیوّث بے ایمان میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے اور ارادہ کیا کہ چانٹا مارنے والے کو دو تین گھونسے اِس زور سے لگائے کہ یہ سب کچھ کھایا پیا بھول جائے لیکن اس نے نظر جو اُٹھائی تو سامنے ایک نحیف ونزار شخص دیکھا جس کی ایک ایک پسلی نمایاں نظر آرہی تھی۔اس آدمی نے ہاتھ روک کر دل میں کہا، اگر میں اس کو ایک گھونسا بھی ماروں تو یہ برداشت نہ کر سکے گا اور یہ اسی وقت مُلکِ عدم کا راستہ لے گا حالات کے مارے ہوئے کی موت کی ذمہ داری مجھ پر آجائے گی اور پھر مرض الموت نے تو اس بچارے کا پہلے ہی کام تمام کر رکھا ہے۔مرتے ہوئے کو کیا ماروں، لوگ سارا الزام مجھ پر دھر دیں گے۔اس نے سوچا خود بدلہ لینا کسی بڑی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا ہے لیکن اسے یوں چھوڑ دینا بھی ٹھیک نہ ہوگا۔کیونکہ نہ جانے پھر کس کس کو طمانچے مارتا پھرے گا۔لہٰذا اس نے ارادہ کیا کہ اس بیمار کو قاضی کی عدالت میں پیش کیا جائے اور وہاں انصاف طلب کرے اس آدمی نے بیمار کا بازو پکڑا اور قاضی کی عدالت میں لے گیا اور اپنا دعویٰ قاضی کے سامنے پیش کیا پھر مریض نے اپنی ساری روئیداد سنائی، قاضی سارے حالات وواقعات سُن کر غور کرنے لگا کہ شریعت کا فیصلہ تو زندہ آدمیوں اور صاحبِ مال کے لئے ہے، نہ کہ قبرستان والوں کے لئے۔قاضی نے اس آدمی سے کہا! محترم آپ شرع، حسد، قصاص اور انتقام کی حقیقت کو سمجھتے ہیں۔یہ تو قبر کی مانند ہے اگر قبر کی اینٹ تیرے اُوپر گر جائے تو تُو قبر سے کیا انتقام لے گا، اس لئے تم ایسے بیمار سے جھگڑا نہ بڑھاؤ۔

پھر قاضی اس قبر کے مہمان کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے پوچھا بھائی تمہارے پاس کچھ رقم ہے، اس نے کہا میرے پاس چھ درہم ہیں۔قاضی نے فیصلہ دیتے ہوئے کہا کہ تم تین درہم اس آدمی کو دے دو اور تین درہم اپنے پاس خرچ کے لئے رکھ لو۔اس آدمی

نے کہا قاضی صاحب پھر ہر لفنگا اسی طرح ہم جیسے شریف آدمیوں پر زیادتی کرتا رہے گا۔ قاضی اور اس شریف آدمی کے درمیان تکرار ہو رہی تھی۔

اِدھر اس بیمار کے دل میں ایک اور خواہش جنم لے رہی تھی۔ اس بھٹکے ہوئے بیمار کی نظر قاضی صاحب کے گنج پر پڑی کس وقت سے اس کے ہاتھ میں خارش ہو رہی تھی اس کے سر کا چاند اس آدمی کے گنج سے بھی زیادہ چکنا اور صاف تھا۔ اُسے وہ گدی، طمانچہ مارنے کے لئے اس آدمی کی گدی سے کہیں زیادہ موزوں لگی۔ آخر قاضی نے نرمی سے اس آدمی کو کہا تیری بات درست ہے۔ ایسے شخص کو ضرور سزا ملنی چاہیے لیکن یہ تو دیکھ وہ بے چارہ زندگی کے آخری دن پورے کر رہا ہے۔ خون کا ایک قطرہ اس کے بدن میں نہیں ہے۔ بجائے سزا کے یہ تو ہمدردی اور رحم کے لائق ہے۔

اس بیمار کو آخر دل کی بات ماننی پڑی اور دوسرا اس نے دل میں سوچا کہ طمانچے کا معاوضہ تین درہم سستا ہے وہ راز کی بات کہنے کی غرض سے قاضی کے قریب ہوا اور ایک زور دار طمانچہ قاضی کی گدی پر رسید کر دیا اور کہنے لگا تم دونوں یہ پورے چھ درہم لے لو اور میں اس کیس سے فارغ ہوا مجھے تو اس مخمصے سے رہائی دو۔ وہ یہ کہہ کر چل دیا۔ قاضی کو جب ہوش آیا تو اس آدمی نے کہا اے انصاف کے بادشاہ! آپ نے جو دوسرے کے لئے پسند کیا وہی آپ کو ملا۔ آپ کی مثال تو اس بکری کی طرح ہے جس نے بھیڑیے کے بچے کو دودھ پلایا۔

قاضی نے کہا! کہ ہر وہ چیز جو قضا لے کر آئے اس میں ہماری تسلیم و رضا ضروری ہے، میں اللہ کے حکم سے باطن میں خوش ہوں اگرچہ میرے چہرے پر ناگواری کے تاثرات اُبھرے ہیں، میرا دل باغ اور آنکھیں ابر کی مانند ہیں کیونکہ ابر کے رونے سے باغ ہنستا ہے۔ ”قدرتِ الٰہیہ کے ہاتھ سے کسی کو زہر ملتا ہے اور کسی کو امرت“ کسی کو غم اور کسی کو خوشی۔ انہی متضاد کیفیتوں میں چاہنے والوں کی بہتری اور اصلاح کا راز پوشیدہ ہوتا ہے۔

درسِ حیات:

☆ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں بہتری ہوتی ہے تسلیم و رضا سے اسے منجانب اللہ سمجھ کر اس پر صبر و شکر سے کام لینا چاہیے۔

حکایت نمبر ۶۵:

آنسو

ایک کُتا نزع کے عالم میں تھا اور اس کا مالک پاس بیٹھا آنسو بہا رہا تھا۔ فرطِ رنج وغم سے اس کی ہچکی بندھی ہوئی تھی روتا جاتا اور کہتا جاتا کہ ہائے! مجھ پر تو آسمان ٹوٹ پڑا میں مارا گیا۔ کیا کروں کدھر جاؤں کون سا جتن کروں کہ میرے پیارے کتے کی جان بچ جائے۔ غرض اسی طرح اونچی آواز سے روتا اور بَین کر رہا تھا۔ ایک فقیر ادھر سے گزر رہا تھا۔ کتے کے مالک کو یوں بے حال دیکھا تو پوچھا کہ بھائی خیر تو ہے؟ یوں گلا پھاڑ پھاڑ کر کیوں رو رہا ہے؟

کتے کے مالک نے جواب دیا: ہائے! کیا کہوں کون میری فریاد سننے والا ہے میرا یہ کتا اب جس پر نزع کا وقت طاری ہے بڑے اوصاف کا مالک ہے ایسا کتا تو چراغ لے کر بھی ڈھونڈوں تو نہ ملے گا۔ رات بھر میرے مکان کی نگہبانی کرتا ہے کیا مجال کہ کوئی پرندہ بھی ادھر پَر مارے۔ کتا کیا اسے شیر کہو شیر، بڑی بڑی روشن آنکھوں والا ہیبت ناک اونچا قد، دوڑنے میں ہرن کو مات کرے، اسے دیکھ کر چوروں اچکوں کی روح فنا ہو جاتی ہے۔ شکار کے تعاقب میں نکلے ہوئے تیر کی طرح جاتا ہے۔ ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ بلا کا قانع، صابر بے غرض اور وفادار بھی۔ فقیر نے بے حد متاثر ہو کر پوچھا: ''تیرے کتے کو تکلیف کیا ہے۔ کیا اس کو کوئی مہلک زخم آ گیا ہے......'' مالک نے جواب دیا: ''بھوک سے اس کا دم

لبوں پر ہے اور کوئی بیماری نہیں۔ کئی دن ہو گئے اسے کھانے کو کچھ نہیں ملا''۔ فقیر نے کہا:
''بھائی اب صبر کرو اس کے سوا اور چارہ ہی کیا ہے خدا کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ اللہ تعالیٰ صبر کا پھل دیتا ہے۔'' اتنے میں فقیر کی نظر رونے والے شخص کی پیٹھ پر پڑی جہاں کپڑے میں کوئی چیز بندھی ہوئی لٹک رہی تھی۔ اس نے پوچھا: ''میاں! اس کپڑے میں کیا لپٹا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا: ''یہ کل کے لئے چند روٹیاں اور کھانے پینے کا دوسرا سامان ہے یہ سُن کر مردِ فقیر کو سخت تعجب ہوا۔

اس شخص نے کہا کہ ظالم کیوں نہیں دیتا کتے کو تُو اپنے توشۂ سفر سے، اس نے جواب دیا کہ اس حد تک اس کی محبت مجھے نہیں ہے کہ اپنی روٹی بھی اسے کھلا دوں، روٹیاں بغیر پیسے کے نہیں ملتیں اور یہ آنسو جو اس کے غم میں گرا رہا ہوں البتہ! یہ میرے پاس فالتو اور بے کار ہیں کیونکہ آنسو بہانے پر کچھ خرچ نہیں ہوتا......سو وہ میں اس کے لئے بہا رہا ہوں۔

فقیر نے کہا ''لعنت ہو تیری اس عقل اور محبت پر۔ تیری مثال تو اس مشک کی سی ہے۔ جس میں ہوا بھری ہوئی ہوتی ہے۔ خاک پڑے تیرے سر پر تیرے نزدیک روٹی کا ایک ٹکڑا آنسو سے زیادہ قیمتی ہے ارے نامراد! آنسو تو وہ خون ہے جسے غم اور صدمے نے پانی بنا دیا ہے۔

''ارے ظالم'' خون کی قیمت خاک کے برابر کیسے ہو سکتی ہے۔ ارے بد بخت! تُو تو خون کو خاک سے بھی کم تر سمجھ کر یوں بہائے جا رہا ہے حالانکہ ان کی قیمت پوری کائنات میں کہیں نہیں۔

درسِ حیات:

☆ اگر تم ضرورت مند کی مدد کرنے کے قابل ہو تو اس سے ہمدردی کے چند بول بولنا کافی نہیں بلکہ تم پر فرض ہے کہ اس کی مدد کرو!

حکایت نمبر ۶۶:

دُنیا پرست

قبرستان کے ہوس والے علاقے میں تین قسموں کے آدم زاد رہتے تھے۔

۱۔ ان میں سے ایک کی نظر اتنی تیز تھی کہ چیونٹی کے پاؤں تک دیکھ لیتا تھا لیکن وہ دل کی آنکھوں سے اندھا تھا۔

۲۔ دوسرا بہت تیز سننے والا تھا لیکن اس کے دل و دماغ کے کان بند تھے۔

۳۔ تیسرا مادرزاد ننگا تھا لیکن اس کے کپڑوں کے دامن بڑے دراز تھے۔

سمجھنے والے کو شاید "اس ویرانے سے کوئی خزانہ ہاتھ آجائے"

ایک دن اندھے نے کہا "یارو" آدمیوں کا ایک گروہ چلا آرہا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ ہمیں نقصان پہنچائیں ہم یہاں سے بھاگ جائیں۔ بہرے نے کہا "ہاں ہاں" تُو ٹھیک کہتا ہے میں بھی ان آدمیوں کے قدموں کی آہٹ سُن رہا ہوں معلوم ہوتا ہے خاصی بڑی جماعت ہے۔

ننگے نے گھبرا کر کہا "بھائیو" مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ کہیں میرے قیمتی کپڑے ہی نہ لے لیں۔ اندھے نے کہا لو وہ تو قریب آگئے ہیں ان کے ارادے بھی کچھ اچھے نہیں لگ رہے کہیں ایسا نہ ہو یہ ہمیں نقصان ہی پہنچا دیں، بہرے نے کہا آواز نزدیک آتی جارہی ہے ہوشیار ہو جاؤ۔ ننگے نے کہا بھاگو بھاگو میں سب سے زیادہ خطرے میں ہوں۔...... تینوں

آگے پیچھے دوڑتے بھاگتے شہر سے باہر ہانپتے ہوئے ایک گاؤں کے قریب پہنچ گئے۔ بھوک کے مارے ان کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ اندھے نے ایک موٹا تازہ مرغا دیکھا۔ بہرے نے اس کی آواز سنی اور ننگے نے اس کو پکڑ کر اپنے دامن میں چھپا لیا۔ یہ مرغ کافی عرصے سے مرا پڑا یہاں خشک ہو چکا تھا۔ اس کے مردہ جسم پر گوشت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ اس کی ہڈیوں پر کوّے کی چونچوں کے نشان تھے۔

پھر یہ تینوں ایک دیگ ڈھونڈ کر لائے۔ جس کا نہ پیندا تھا اور نہ منہ، اس ہوس کی دیگ کو انھوں نے چولہے پر چڑھا دیا اور اس میں اس فربہ مرغ کو ڈال دیا پھر انھوں نے ظلم و زیادتی کی اس قدر آگ جلائی کہ مرغ کی ہڈیاں گل کر حلوہ بن گئیں۔ البتہ ان کے ضمیر کو حرارت چُھو کر بھی نہ گئی۔ وہ تینوں اس مرغ پر ٹوٹ پڑے اور کھا کھا کر ہاتھی کی طرح موٹے ہو گئے۔ مگر ذہنیت ان کی اتنی پست کہ وہ ظالم موٹاپے کے باوجود بے شرمی کے دروازے کے باریک سوراخوں سے بھی آسانی کے ساتھ گزر جاتے تھے۔

''صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے'' جھوٹی امید کی مثال بہرے کی ہے جو دوسروں کے مرنے کی خبر تو سنتا ہے مگر اسے اپنی موت یاد نہیں۔ حرص و ہوس کی مثال اندھے کی ہے جو دوسروں کے ذرا ذرا سے عیبوں پر نظر رکھتا ہے ان کی تشہیر کرتا پھرتا ہے مگر اس بدنصیب کو اپنے عیب نظر نہیں آتے۔ تیسرا سب سے بڑا بے وقوف دنیا پرست آدمی ہے یہ ظالم بھول گیا کہ وہ دنیا میں ننگا آیا اور ننگا ہی دنیا سے جائے گا اس کو ساری عمر یہ ڈر رہتا ہے کہ کہیں کوئی میرا دامن ہی نہ چاک کر ڈالے میرا کوئی پول نہ کھول دے۔ حُبِّ مال اس کے رگ و پے میں اُترا ہوا ہوتا ہے ساری زندگی چور کے خوف سے اس کا جگر خون ہو ہو کے گُھلتا رہتا ہے۔ ایسے آدمی کو ''موت'' کے وقت سب کچھ پتا چل جائے گا۔ صاحبِ مال سمجھے گا کہ وہ تو بالکل مفلس تھا اور صاحبِ فہم و ذکاء کو محسوس ہوگا کہ وہ بالکل بے ہنر تھا۔

دُنیا پرستوں کو حرص نے اندھا اور بہرا کر رکھا ہے۔ یہ دنیا پرست حرام و حلال کا لحاظ کئے بغیر دونوں ہاتھوں سے اپنا دوزخ بھرتے رہتے ہیں۔ حیرانگی کی بات ہے کہ ان سب کو یہ پتا ہے کہ ایک نہ ایک دن مرنا ضرور ہے، یہ جو ہم دونوں ہاتھوں سے سمیٹ رہے ہیں ان میں سے ایک چیز بھی ہمارے ساتھ نہیں جائے گی اور جس چیز نے ساتھ جانا ہے

ہمیں اس کا کوئی پتا نہیں۔ اس سرائے میں کئی نسلیں ٹھہریں اور پھر اپنے اصلی وطن کو لوٹ گئیں۔ مگر ان عقل کے اندھوں کو یہ یاد ہی نہیں رہا کہ جہاں عارضی رہنا ہے ہم اس کا بندوبست بڑے اہتمام کے ساتھ کر رہے ہیں اور جہاں دائمی رہنا ہے وہاں کی انہیں کوئی خبر ہی نہیں۔

درسِ حیات:

☆ انسان کو اخلاقی اقدار کی پاسداری کرنی چاہئے ورنہ مرتے وقت پچھتاوہ اس کا مقدر بن جاتا ہے۔

حکایت نمبر ۶۷:

رزق کی فکر

ایک جنگلی گائے صبح سویرے صاف ستھرا سبز گھاس کھانے کے لئے نکل جاتی۔ سر سبز و شاداب جزیرے میں دن بھر مزے مزے سے چرتی رہتی۔ جب خوب پیٹ بھر جاتا اور اس کا جسم توانا ہو جاتا تو پھر اپنے ٹھکانے پر واپس آ جاتی۔ رات کو وہ اس فکر میں مبتلا ہو جاتی کہ آج تو میں سر سبز اور خوبصورت گھاس کھا آئی ہوں ''کل کیا کروں گی ساری رات وہ اس غم میں ہی گھلتی رہتی خدا معلوم اگلے روز گھاس کھانے کو ملے یا نہ ملے، اگلے دن کی خوراک کی فکر جب اس کو دامن گیر ہو جاتی تو اس غم میں صبح تک پھر سوکھ کر کمزور ہو جاتی......

دوسرے دن صبح سویرے جب پھر وہ جزیرے میں مریضہ ہوس پہنچی تو بڑی حرص کے ساتھ چارہ کھانے لگی سارا دن وہ سر سبز و شاداب گھاس کھاتی رہی۔ جب واپس پہنچی تو رات کو پھر اس غم میں گھلنے لگی کہ وہ اگلے روز کیا کھائے گی، خوراک کی فکر پھر اس کو دامن گیر ہو جاتی۔ اس بخار میں رات کو پھر کمزور ہو جاتی......

کل کی فکر میں اس کی زندگی کا بیشتر حصہ ایسے ہی گزر گیا۔ اسے یہ سمجھ نہ آئی کہ وہ کسی دن بھی تو بھوکی نہیں رہی۔ وہ اس فکر سے اپنا پیچھا نہ چھڑوا سکی اور اس طرح اپنے حال کو ہمیشہ مستقبل کی فکر کر کے خراب اور خستہ حال بناتی رہی۔ ''گائے نما'' اس انسان کو بھی یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ جب خالقِ کائنات ہر روز اس کی روزی کا سامان خود مہیا کر دیتا ہے تو

پھر کل کی فکر میں گھلنے کی کیا ضرورت ہے۔

اگر کوئی تھوڑا بہت غور کی زحمت کرے تو ہمیں پتا چل جائے گا کہ یہ گائے انسان کا نفس ہے اور سرسبز جنگل یہ دنیا ہے۔ رازق اپنی مخلوق کو ہر روز اپنے وعدے کے مطابق رزق ضرور عطا کرتا ہے لیکن یہ کم عقل، بدفطرت اور حرص و ہوس کا مارا ہوا آدمی پھر اسی فکر میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ہائے! کل کیا کھاؤں گا۔ ارے خدا کی عطا کردہ عقل سے یہ تو سوچ کہ روزِ پیدائش سے لے کر اب تک تو برابر کھا رہا ہے تیرے اس رزق میں کمی نہیں آئی تو انشاء اللہ تعالیٰ مستقبل میں بھی تیرے رزق کا وہی ضامن ہے۔ جس نے تجھے اب تک دیا ہے آئندہ بھی دے گا۔

سالها خوردی و کم ناید زخورد
ترك مستقبل کن و ماضی نگرد

درسِ حیات:

☆ تو سالہا سال سے کھا رہا ہے اور تیرے رزق میں کمی نہیں آئی پس تو کل کی فکر کو ترک کر اور ماضی سے سبق لے۔

حکایت نمبر ۶۸:

نادان کی دوستی

محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ندی کے کنارے چوہے اور مینڈک کی ملاقات ہوگئی، ایک دوسرے کے تعارف کے بعد ندی کے قریب خوشگوار ماحول میں کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ یہ ملاقات دوستی میں تبدیل ہوگئی۔ چند دنوں کے بعد یہ دوستی کی گرہ ''محبت میں تبدیل ہوگئی''۔ ''یہ محبت'' عشق و آشنائی تک جا پہنچی، پھر یہ چاہت اور بے تابی اس حد تک بڑھ گئی کہ دونوں وقتِ معین پر ہر صبح کو ملاقات کے پابند ہو گئے اور دیر تک دونوں تبادلۂ خیالات کرتے رہتے، کچھ جگ بیتی اور کچھ آپ بیتی کے متعلق آپس میں باتیں کر کے ایک دوسرے کا دل خوش کرتے، آپس میں راز گو تھے، بے زبان بھی تھے اور باز بان بھی۔

جوش نطق از دل نشان دوستی است
بستگی نطق از بے الفتی است

گویائی اور گفتگو کا جوش دل سے اٹھنا علامتِ محبت ہے اور گویائی میں رکاوٹ علامتِ بے الفتی ہے۔ جس نے دلبر کو دیکھ لیا تو وہ ترش رو کب رہ سکتا ہے اور جب بلبل پھول کو دیکھ لیتا ہے تو خاموش کیسے رہ سکتا ہے۔

یار کی پیشانی لوحِ محفوظ کی مانند ہے جو عاشق پر کونین کے اسرار آشکارا کر دیتی

ہے۔اب عاشقِ زار پر جدائی اور فرقت کے لمحے بھاری ہو گئے۔ایک دن چوہے نے کہا آپ تو پانی کے اندر دوڑ لگا دیتے ہیں اور ہم خشکی پر آپ کی جدائی کا غم کھاتے رہتے ہیں، ندی کے کنارے جا کر تجھے آواز دیتا ہوں تو پانی کے اندر ہماری آواز سنتا ہی نہیں، میں اب اتنے وقت کی گفتگو سے سیر نہیں ہوتا، تیرے دیدار سے اپنی آنکھوں کی پیاس بھی نہیں بجھا پاتا، سنا ہے نماز تو پانچ وقت کی فرض ہے لیکن عاشق تو ہر وقت محبوب کی یاد میں مسرور اور مست رہتا ہے۔تیرا چہرہ دیکھے بغیر میرا کوئی لمحہ بھی اب چین سے نہیں گزرتا۔میرے دن کی روشنی اور رات کا چین تیرے ہی دم سے ہے۔

نیست زر غباً نشان عاشقاں

سخت مستقی است جان صادقاں

باری باری ناغہ دے کر ملاقات عاشقوں کے لئے نہیں ہے صادقین کی جانیں تو سخت پیاسی ہوتی ہیں۔

تیرا یہ احسان ہوگا کہ تُو مجھے مسرور کر دے اور وقت بے وقت ملاقات کا لطف چکھا دیا کر۔اے بے پرواہ امیر مجھے اپنے حُسن کی زکوٰۃ دے۔اس غریب پر نظرِ عنایت فرما اور شرفِ دیدار سے فیض یاب کر۔کاش! میں پانی کے اندر آ کر تجھ سے ملاقات کر سکتا مگر میں اس سے عاجز اور مجبور ہوں اے دوست! میں خاکی ہوں اور تُو آبی......مینڈک اپنے عاشقِ زار کی باتیں سُن کر بے حد متاثر ہوا اور فرطِ محبت سے اس کا دل بھر آیا۔دونوں دلوں کو اکٹھا رکھنے کی اب کیا تدبیر کریں؟ آخر چوہے نے یہ رائے پیش کی کہ ایک مضبوط دھاگہ لے کر جس کا ایک سرا تمہارے پاؤں میں بندھا ہوا ہو اور دوسرا میرے پاؤں میں بندھا رہے۔جب تیری یاد مجھے تڑپانے لگے گی تو میں ڈوری کو ہلا دیا کروں گا۔تم میرا اشارہ سمجھ کر پانی سے باہر آ جایا کرنا۔مینڈک کو دل میں یہ ترکیب پسند نہ آئی اس کے باوجود اس نے چوہے کی درخواست قبول کر لی۔"عقل پر جب طبعی خواہش غالب آ جاتی ہے تو یہ نہایت خطرناک مستقبل کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے۔"

پھر یہ دونوں ڈوری ہلا کر بار بار ملاقات کی لذت کے عادی ہو گئے اور اس طرح

کئی دن ملاقاتوں میں گزر گئے۔ آخر کار انجام وہی ہوا۔ ''جو مجازی عشق و محبت والوں کا ہوتا ہے''۔

عاشق زار محبت کی پینگ بڑھائے ہوئے تھے اور اپنے محبوب کو پیغامِ محبت دینے والے تھے کہ پکڑے گئے۔ چیل نے اوپر سے چھاپہ مارا اور چوہے کو اپنے پنجوں میں دبا کر اڑ گئی۔ جب چوہا فضا میں بلند ہوا تو پیغام رسانی والی تار فوراً موت کا پیغام لے کر مینڈک تک جا پہنچی۔ چیل فضا میں بلند ہوئی تو مینڈک صاحب بھی پاؤں پر باندھے ہوئے دھاگے کی وجہ سے فضا میں معلق ہو گئے۔ لوگوں نے جب یہ ماجرا دیکھا تو بڑے حیران ہوئے کہ چیل نے...... ایک تیر سے دو شکار کیسے کر لئے ادھر مینڈک نے زبانِ حال سے لوگوں کو بتایا کہ اے لوگو! یہ تمہارے لئے عبرت کا مقام ہے۔ یہ سزا اس حماقت کی ہے جو نااہل سے محبت کی پینگیں بڑھائے۔

پھر چیل نے ویرانے میں جا کر دونوں کو اکٹھے ہی سزائے موت دے کر دشمنانِ محبت کی طرح خوب جشن منایا۔

درسِ حیات:

☆ نااہل سے محبت کرنے کا انجام ہمیشہ ذلت، رُسوائی اور ہلاکت کی صورت میں نکلتا ہے۔

حکایت نمبر ۶۹:

احسان فراموش

ایک دیہاتی زمیندار کا کاروبار کے سلسلے میں اکثر و بیشتر شہر آنا جانا لگا رہتا تھا۔ اس زمانے میں سفر زیادہ تر لوگ پیدل یا کوئی سواری کے لئے جانور استعمال کرتے تھے۔ اس دیہاتی زمیندار کا گاؤں شہر سے بہت دُور تھا، ایک شہری تاجر سے اس کے کافی تعلقات تھے، اس لئے وہ زیادہ تر قیام اسی تاجر کے گھر میں کرتا تھا۔ بعض اوقات ایک یا دو ماہ بھی اگر اسے ٹھہرنا پڑتا تو اُسی کے ہاں ہی رہتا۔ وہ شہری تاجر اس کے خورد و نوش اور ہر طرح کی ضروریات بخوشی پوری کرتا تھا۔

جب وہ زمیندار اپنے گاؤں واپس جانے لگتا تو شہری تاجر اور اس کے بیوی بچوں کو اپنے گاؤں آنے کی دعوت دیتا۔ ایک دفعہ اس زمیندار کو بعض ضروری کاموں کی وجہ سے اس تاجر کے ہاں دو سے تین ماہ تک قیام کرنا پڑا۔ کام پورا کرنے کے بعد جب وہ گاؤں واپس جانے لگا تو اس نے پھر تقاضا کیا کہ جناب آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ میں آپ کے احساناتِ مہمان نوازی کے نیچے دب گیا ہوں۔ ان دنوں ہمارے گاؤں میں موسمِ بہار کی فضا بڑی خوشگوار ہوتی ہے ہر طرف سبزہ لہلہاتا ہے۔ رنگ برنگے پھول جھومتے ہوئے نظر آتے ہیں آپ لوگ دیکھیں گے تو خوش ہو جائیں گے۔ اس سال اپنے بال بچوں کے ہمراہ ضرور تشریف لائیں۔

ایک دن شہری تاجر کے بچوں نے کہا: "ابا جان چاند بادل اور سایہ بھی سفر کرتے ہیں"۔ آپ نے اپنے دیہاتی دوست کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس بچارے کو بھی اپنے احسانات کا حق ادا کرنے کا ایک بار موقع دیجیے۔ آپ سفر سے کیوں گھبراتے ہیں شہری تاجر نے کہا تم سچ کہتے ہو لیکن داناؤں نے کہا ہے کہ جس سے تم نے بھلائی کی ہو اس کی شر سے بچو...... "حد سے زیادہ دوستی کا نتیجہ دشمنی ہوتا ہے۔" دوسرا ......اس کے گاؤں تک پہنچنے کے لئے ہمیں جنگل و بیابان اور صحرا سے گزرنا پڑے گا۔ سفر تکلیف دہ اور بڑا اخطرناک ہے۔

شہری تاجر کے فرزندوں نے برادارانِ یوسف علیہ السلام کی طرح کہا ہم جنگل میں سیر کرتے اور کھیلتے کودتے چلیں گے۔ مگر وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ جاں بازی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح جدا اور گرفتارِ بلا ہونا پڑے گا۔ کسی کے کہنے پر جان کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ ایک دفعہ باز نے مرغابی کا شکار کرنے کے لئے اسے یہ کہہ کر پانی سے باہر نکلنے کو کہا کہ بی مرغابی آج کل کھیتوں میں بڑی بہار ہے۔ رنگ برنگے قند ریزے لہلہا رہے ہیں مگر عقلمند مرغابی نے جواب دیا تمھیں یہ پُر فضا بہار مبارک ہو ہمیں پانی کا حصار کافی ہے۔ ہم اسی پر ہی قناعت کرتے ہیں۔

"تقدیر کسی تدبیر سے نہیں ٹل سکتی"۔

بچوں کے اصرار پر شہری تاجر کے تمام حیلے بے کار ہو گئے۔ آخر کار سفر اختیار کرنے اور گرفتارِ مصیبت ہونے پر مجبور ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے سامانِ سفر باندھا اور بڑی خوشی خوشی اس امید پر گھر سے نکلے کہ دعوت دینے والا بڑی زمینوں اور باغات کا مالک ہے وہ ہمیں اپنی جان سے عزیز رکھے گا مگر انہیں یہ یاد نہیں تھا کہ گاؤں میں احمق لوگ بھی رہتے ہیں جن کے پاس رہنے سے عقل بے نُور ہو جاتی ہے۔ شہری تاجر نے اہلِ بیت سمیت خوشی خوشی جنگل و صحرا کا رُخ کیا۔ "انھوں نے سمجھا کہ سفر سے بادشاہی ملتی ہے"۔

"ہلال" سفر ہی سے بدرِ کامل بنتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی گھر سے نکل کر بادشاہی ملی۔ اسی امید پر انھوں نے دن کو سورج کی گرمی برداشت کی اور رات کو "اختر شماری کی۔" راہِ سفر کی سختی گاؤں جانے کی خوشی میں بہشت معلوم ہوئی۔

اُن کے دلوں میں گاؤں کی پُر بہار فضا بسی ہوئی تھی اہلِ دنیا کا قاعدہ یہی ہے کہ وہ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کر لیتے ہیں۔ تاجر اور اس کے اہل و عیال کا بھی یہی حال تھا۔ ان کے خیال میں یہ تھا کہ گاؤں میں ہر قسم کی آسائش ان کا انتظار کر رہی ہے اور ہمیں وہاں پہنچ کر عیش و آرام مل جائے گا۔

جب وہ کسی پرندے کو گاؤں کی جانب پرواز کرتا دیکھتے تو ان کا جی چاہتا کہ اس طرح اُڑ کر وہ بھی جلد از جلد گاؤں جا پہنچیں۔ اُس طرف سے جو ہوا آتی وہ اسے زندگی کا تازہ پیغام سمجھتے، پُر صعوبت سفر میں انھوں نے ایسی تکلیف اُٹھائی جیسے مرغِ خاکی پانی میں اُٹھاتا ہے۔ تھکے ماندے ایک مہینے کے بعد جب اس گاؤں میں پہنچے تو ان کا آب و دانہ ختم ہو چکا تھا۔ ایک حریص پرندہ دانے کو بادام سمجھ کر جال کی طرف آنکھیں بند کر کے لپکتا ہے اور گرفتارِ دام ہو جاتا ہے۔

جب ان مسافروں کو اس زمیندار کا گھر سامنے نظر آیا تو وہ اسے اپنا گھر سمجھ کر اس کی طرف لپکے مگر دروازہ بند پایا۔ اس پر شہری تاجر بڑا حیران ہوا مگر یہ درشتی کا موقع نہ تھا۔ کیونکہ ''جب کنویں میں گر پڑیں تو وہاں تیزی کام نہیں آتی۔'' اس دیہاتی کو جب ان کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ رُوپوش ہو گیا...... انہوں نے دروازے پر دستک دے کر اس زمیندار کو اپنے آنے کی خبر دی۔ اندر سے جواب ملا وہ ان دنوں کسی منزل کو پانے کے لئے چلہ کشی میں ہیں اور ان پر مجذوبیت کا رنگ غالب ہے۔ وہ بے سہارا قافلہ دروازے کے باہر ہی ٹھہر گیا۔ بچوں کی ساری تمناؤں اور خواہشوں پر پانی پھر گیا۔ ان کے پاؤں میں چھالے اور آنکھوں میں آنسو تھے۔ آرام دہ بستر پر سونے والوں نے وہ دن اور رات کانٹوں پر گزاری۔ تیسرے دن تاجر کی اس دیہاتی پر نظر پڑ گئی سلام و دعا کے بعد کہا میں فلاں شخص ہوں جسے آپ نے سالہا سال سے دعوت دے کر گاؤں آنے پر مجبور کیا۔ اس دیہاتی نے پہچاننے سے انکار کر دیا...... دیہاتی نے کہا بھائی! میں تو دن رات اللہ کی یاد میں کھویا رہتا ہوں۔ مجھے اپنے وجود کی بھی خبر نہیں اور یہ بھی پتہ نہیں کہ میری ہستی کیا ہے، خدا کے سوا مجھے تو کسی بات کا ہوش نہیں۔

شہری تاجر نے کہا ''او بھائی! جس کے ہاں سے جو شخص پیٹ بھرے اس کی آنکھ

شرماتی ہے اور سر نیچا ہو جاتا ہے۔" دیہاتی نے شہری تاجر کی باتیں سنی اَن سنی کر دیں۔ تیسری رات بھی انہوں نے تارے گنتے ہوئے ہی گزار دی۔ چوتھے دن موسم ابر آلود ہو گیا شام کو آندھی طوفان نے انہیں آگھیرا۔ سر چھپانے کے لئے جو انہوں نے ٹھکانہ بنایا ہوا تھا۔ وہ اس سے بھی گئے۔ شہری تاجر کہنے لگا شاید قیامت کا وقت آ گیا ہے۔ جس طرح شریف لوگ بے بسی کے عالم میں کمینوں کے محتاج ہو جاتے ہیں اسی طرح شہری تاجر بھی مجبور ہو کر دیہاتی کے دروازے پر گیا اور بہت رویا دھویا۔ بڑی مشکل کے ساتھ اس دیہاتی کمینے نے دروازہ کھولا۔ تاجر نے مجبور اور بے بس ہو کر کہا بھائی۔ "میں اپنے تعلقات اور جملہ حقوق سے دستبردار ہوتا ہوں" "ہم ایسی سختی کے عادی نہیں تھے جو ہمیں یہاں دیکھنی پڑی خُدا کے واسطے ہمیں راہی مسافر ہی سمجھ کر کوئی چھت والی جگہ دے دیں۔ خُدا آخرت میں تجھ کو اس کی جزا دے گا۔

اگر تجھے یہ منظور نہیں تو مجھے قتل کر ڈال، میں اپنا خون تجھے معاف کرتا ہوں۔ اس جاڑے کے موسم میں اب ان معصوم اور بے گناہ بچوں کی تکلیف مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ دیہاتی میزبان نے کہا ہمارے چوکیدار کا ایک کمرہ ہے۔ وہ رات کو تیر وکمان لے کر ہمارے مال مویشیوں کی حفاظت کرتا ہے تا کہ کوئی جنگلی جانور نقصان نہ پہنچائے۔ چوکیدار والا کمرہ تم لے لو اور رات کو تیر وکمان لے کر اس کی جگہ ڈیوٹی دو۔ شہری تاجر نے کہا اس وقت میں ایسی سو خدمتیں کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر جنگلی جانور کی بھنک بھی میرے کانوں میں پڑ گئی تو آواز پر تیر چلا کر اس کو ہلاک کر دوں گا۔ غرض اس وعدہ پر وہ اپنے اہل وعیال کو باغبان کی کوٹھری میں لے گیا۔

وہ جگہ نہایت تنگ اور مچھروں اور پسوؤں کا گھر تھی۔ وہ بے چارے اور مصیبت میں پھنس گئے۔ بہر حال شہری باؤ تیر وکمان ہاتھ میں لئے اپنا فرض بجالا رہا تھا کہ آدھی رات گزرنے پر اس نے محسوس کیا کہ بھیڑیا آ گھسا ہے۔ اس نے نشانہ جوڑ کر تیر چلایا اور وہ سیدھا نشانے پر جا کر لگا۔ حیوان زخمی ہو کر گر پڑا گرتے ہی اس کے منہ سے آواز نکلی جس کو سُن کر دیہاتی فوراً باہر آیا اور زور زور سے دُہائی دینے لگا "ارے ظالم! یہ کیا غضب کر دیا کہ تُو نے میرا گدھا مار دیا ہے"۔ تاجر نے کہا: "تم اچھی طرح جا کر دیکھ لو اندھیری رات ہے۔

آندھی طوفان اور بارش میں تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔'' دیہاتی نے کہا: ''خواہ کیسی ہی زور کی ہوا چل رہی ہو مجھے اپنے گدھے کی آواز کی ایسی ہی شناخت ہے جیسے شراب اور پانی کی۔سو جانوروں کے ریوڑ میں بھی میں اپنے گدھے کی آواز پہچان لیتا ہوں......''

''یہ سُن کر شہری تاجر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔'' اس نے اسے گریبان سے پکڑ لیا اور کہا ''اے بے حیا! تُو نے تاریکی اور جاڑے کے موسم میں اپنے گدھے کی آواز تو پہچان لی......اور اپنے دس سال کے رفیق کو نہ پہچان سکا۔ میری مروّت اور احسان کو خاک میں ملا دیا اور بہانہ یہ کیا کہ میں فنا فی اللہ ہو گیا ہوں، مجھے تو دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہیں۔ مگر آدھی رات کو آوازِ خر کی شناخت کر لی۔ اپنے آپ کو عاشقِ الٰہی ظاہر کیا مگر یارانہ شیطان سے گانٹھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں تو لوہا موم ہو جاتا تھا۔ تُو تو موم کو لوہا بنا رہا ہے۔ تیرے جیسے بے وقوف چال باز اور احسان فراموش سے تو شیطان بھی پناہ مانگتا ہے، حق تعالیٰ مکّاروں اور کمینوں کو اسی طرح ہی رسوا کرتا ہے۔''

درسِ حیات:

☆ احمق، بدفطرت اور کمینے انسان سے اگر کوئی بھلائی کرو'' تو اس کی شر سے بچنا چاہیے۔''

حکایت نمبر۷۰:

صحرا اور پانی

اللہ تعالیٰ کے حضور حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد یہ حجاجِ کرام کا قافلہ منزل بمنزل فاصلہ طے کئے جارہا تھا......

راستے میں بے آب وگیاہ صحرا ان کے لئے بڑا تکلیف دہ سفر تھا۔ جب وہ قافلہ تھل کے درمیان میں پہنچا تو پانی نام کی کوئی شے ان کے پاس نہ بچی، دوپہر کی گرمی تپتا صحرا اور دُور دُور تک سائے کا نام ونشان بھی نہ تھا، قافلے والے آرام کرنے کے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کررہے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے آگ لینے، اللہ تعالیٰ نے انہیں پیغمبری عطا کردی۔ قافلے والے سایہ ڈھونڈ رہے تھے لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک خُدا کا برگزیدہ بندہ تانبے کی طرح تپتی ریت پر نماز کی نیت باندھے اس طرح کھڑا ہے جیسے کوئی صحنِ گلشن میں پہنچ کر مست و بے خود ہوجاتا ہے۔ انہیں اپنے گردونواح کی کوئی خبر نہ تھی۔ وہ نماز میں اپنے پروردگار سے محوِ راز و نیاز تھے......حاجیوں کی جماعت یہ عجیب وغریب اور تھرتھرا دینے والا منظر دیکھ کر اپنی تکلیف بھول گئی۔ پھر وہ اس زاہد کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ بہت دیر کے بعد جب وہ مردِ خُدا بحرِ معرفت کی گہرائی سے اُبھر کر آیا تو حاجیوں نے دیکھا کہ اس کے چہرے اور بازوؤں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے ابھی ابھی تازہ پانی سے وضو کیا ہے۔ قافلے والوں کو پانی کی طلب ستا رہی تھی۔ وہ نورانی وجدانی اور ایمانی منظر بھول گئے جو چند لمحے پہلے انھوں نے دیکھا تھا۔ ان

سے پوچھنے لگے حضرت آپ نے یہ پانی! کہاں سے لیا۔ درویش نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ جلالتِ خداوندی کے حضور عبادت میں مگن اور محویت کے سمندر میں غوطہ زن ہونے اور خوفِ خُدا سے اس کے بدن اور چہرے سے وہ شبنم کے موتی ٹپک رہے تھے۔

قافلے والوں نے پھر عرض کیا: یہ پانی آپ کو کب ملتا ہے؟ اے سلطانِ دین! ہمیں اس معاملے سے باخبر کرتا کہ تیرے حال سے ہمارا یقین اور توکّل بڑھے۔ ہم جو ظاہری اسباب پر فریفتہ ہیں اور دیوانہ وار ان کی پرستش کرتے ہیں۔ اس بت پرستی سے نجات پائیں مردِ فقیر نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی اور عرض کرنے لگا۔ اے میرے مالک! ان مسافروں کی سُن۔ ان کی طلب پوری فرما ان کے سینے کھول دے اور اپنا حق ان پر واضح فرما۔ تُو نے اپنے رحم و کرم سے مجھ پر اپنے فضل کا دروازہ کھولا ہے، ان پر بھی کھول دے...... اللہ کے حضور وہ درویش دستِ دعا بلند کئے دُعا مانگ رہا تھا کہ یکا یک ایک جانب سے کالی گھٹا اُٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے مینہ برسنے لگا۔ اس زور کی بارش ہوئی کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ قافلے والوں کے دل خوش ہو گئے۔

انہوں نے بارانِ رحمت سے اپنے اپنے مشکیزے بھر لئے بے آب و گیاہ اور تپتے صحرا میں رحمتِ خُداوندی کا یہ روح پرور منظر دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ پر ان کا ایمان پختہ ہو گیا۔ ان میں جو ظاہری اسباب پر یقین رکھنے والے تھے۔ ان کے ایمان مضبوط ہو گئے اور جن کے دلوں میں اللہ والوں کے خلاف بغض تھا انہیں اولیاء اللہ کی قوّت پر کامل یقین ہو گیا۔

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر اُٹھتے ہیں حجاب آخر
احوال محبت میں کچھ فرق نہیں ایسا
سوز و تب و تاب اول سوز و تب و تاب آخر

درسِ حیات:

☆ خدا پر توکل کرو، وہ قادرِ مطلق ہے۔

حکایت نمبر ۷۱:

عبرت حاصل کرنا

ایک مولوی صاحب نے لوگوں کو ڈرانے اور عبرت حاصل کرنے کیلئے ہر جمعہ پر دوزخ کے متعلق تقریریں کرنا شروع کر دیں۔ انداز ایسا نرالہ اور شریں بیان تھا کہ بعض لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے، مولوی صاحب مسلسل اسی موضوع پر تقریریں کرتے جا رہے تھے۔ اگلے جمعہ کی تقریر میں جب مولوی صاحب نے پھر اسی موضوع پر لب کشائی کرنا شروع کر دی تو ایک جاہل آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا: ''مولوی صاحب آپ کے منہ سے کوئی خیر کی خبر نہیں نکلتی'' مولوی صاحب کا پروگرام تھا کہ کسی نہ کسی طریقے سے ان لوگوں کی اصلاح ہو جائے۔

دوسرے مہینے مولوی صاحب نے جمعہ کی تقریر میں گمراہوں، سیاہ کاروں، بد کاروں، ظالموں اور سرکشوں کے متعلق گفتگو کرنا شروع کر دی، نہ صرف ان کے ''حق'' میں تقریریں کیں بلکہ دامن پھیلا کر ان کیلئے دُعائے خیر بھی کرتے ہر جمعہ پر مولوی صاحب کا یہی معمول دیکھ کر لوگوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ کہنے لگے حضرت صاحب آپ نے تو ستم ظریفی کی حد کر دی وعظ و نصیحت کا یہ کونسا طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا اگر تم لوگ ان باتوں کی حقیقت سمجھ جاؤ تو یہ اعتراض نہ کرو۔ میں نے ان میں بھلائی دیکھی ہے اور مجھے تو ان سے فائدہ پہنچا ہے ان سرکش لوگوں نے اللہ کی زمین پر اس

قدر ظلم وستم اور شر پھیلایا کہ میں ان سے یکسر بیزار ہو گیا اور میں نے برائیاں ترک کر کے نیکی کی راہ اختیار کر لی۔ جب کبھی میں ہوائے نفس سے مجبور ہو کر دنیا کی طرف لپکتا تھا ان ظالموں سے زخم پہ زخم کھایا۔ حتیٰ کہ میرے دل سے دنیا کی ہوس ختم ہو گئی اور میں سیدھے راستے پر آ کر رجوع الی اللہ ہو گیا۔ پھر جب کبھی میں بھول کر دنیا کے جنگل کا رخ کرتا تو یہ بھیڑیے میرا پیچھا کر کے مجھے سیدھے راستے پر ڈال دیتے ہیں۔

یہ میرے محسن ہیں مجھ پر واجب ہے کہ میں ان کے لئے دُعا کروں۔ جس طرح راہِ راست سے بھٹکے ہوئے انسان کو دکھ درد ''اللہ تعالیٰ کے دروازے پر لا کھڑا کرتے ہیں اور آرام وسکھ میں لوگ اللہ کی یاد سے غفلت برتنے لگ جاتے ہیں یہ دشمن میرے حق میں دوا کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ میں ان سے بھاگ کر گناہ سے بچ جاتا ہوں، میرا یہ عمل خُدا کے فضل اور اس کی رحمت کا سبب بن جاتا ہے اور وہ دوست احباب تمہارے اصلی دشمن ہیں جو تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذکر سے دُور کر کے اپنی باتوں اور فضول کاموں میں مشغول رکھیں۔

درسِ حیات:

☆ جو راہِ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں ان سے ہمیں عبرت حاصل کر کے اپنی اِصلاح کرنی چاہیے نہ کہ ان کے ساتھ مل کر اپنی تباہی کا سبب بننا چاہیے۔

حکایت نمبر۷۲:

دُور اندیشی

ایک بوڑھے میاں ہانپتے ہوئے زرگر کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔ بیٹا سونا تولنے والی اپنی ترازو تو تھوڑی دیر کے لئے مجھے دے دو، گھر پر میں نے سونے کا برادہ تولنا ہے۔

زرگر نے جواب دیا: ''بڑے میاں! معافی چاہتا ہوں میرے پاس چھلنی نہیں ہے۔'' بڑے میاں نے حیرت سے کہا: ''ارے ارے مجھ بوڑھے سے تُو مذاق کرتا ہے۔ میں تجھ سے سونا تولنے والا ترازو مانگ رہا ہوں اور تُو کہتا ہے کہ میرے پاس چھلنی نہیں ہے۔ بھائی مجھے چھلنی نہیں ترازو چاہیے ترازو'' سنار نے کہا: ''قبلہ میں سچ کہہ رہا ہوں میری دکان میں جھاڑو نہیں ہے''۔ بڑے میاں کو غصہ آ گیا اور کہنے لگے: ''تجھے خدا کا خوف نہیں تُو کیسی باتیں کر رہا ہے یا پھر تو بہرا ہے کہ میری بات کو سمجھ نہیں رہا......'' سنار نے کہا: ''جناب میں بہرا نہیں ہوں میں آپ کی باتیں سُن رہا ہوں اور نہ ہی دیوانہ ہوں کہ آپ زمین کی پوچھیں اور میں آسمان کی کہوں۔ آپ شاید حقیقت پر غور نہیں کر رہے۔ میں آپ کی حالت دیکھ کر انجام پر غور کر رہا ہوں کہ آپ کے ہاتھوں میں رعشہ کا عارضہ ہے اور نظر بھی کمزور ہے۔ اور اس عمر میں وہم کی بیماری بھی ہو جاتی ہے۔ آپ کے پاس ٹھوس ڈلی تو ہے نہیں جس کا آپ نے وزن کرنا ہے۔ پھر سونا بھی وہ جو برادے کی شکل میں ہے۔ ظاہر ہے جب آپ سونا

تو لنے لگیں گے تو ہاتھ میں رعشہ کی وجہ سے سونے کے ذرّات زمین پر گر پڑیں گے پھر انہیں اکٹھا کرنے کے لئے آپ کو جھاڑو کی ضرورت پڑے گی جب آپ جھاڑو سے مٹی اکٹھی کر لیں گے تو پھر لامحالہ آپ کو چھلنی کی بھی ضرورت پڑے گی میں نے پہلے ہی آپ کا انجام دیکھ لیا ہے اس لئے میں آپ کو ترازو نہیں دے سکتا۔''

درسِ حیات:

☆ جو شخص صرف آغاز پر نظر رکھتا ہے وہ بصارت سے محروم ہے اور جو انجام پر نگاہ رکھتا ہے وہ دُور اندیش اور عقلمند ہے۔ وہ کبھی شرمسار نہیں ہوتا۔

حکایت نمبر ۷۳:

زیادتی کا بدلہ

چند دوستوں نے مل کر ہندوستان کے جنگلات کی سیر و سیاحت کا پروگرام بنایا انہیں ایک دانا آدمی نے نصیحت کی کہ سفر میں بھوک اور پیاس کی تکلیف پیش آتی ہے۔ پُر خطر اور جنگل و بیاباں کے علاقے میں اگر کوئی چیز کھانے کو نہ ملے تو بھوک کی شدت میں گھاس اور درختوں کے پھل اور پتوں پر گزارہ کر لینا۔ جنگل میں ہاتھیوں کے نوازائیدہ بچے نہایت خوش شکل اور موٹے تازے ہوتے ہیں، اگر کوئی انہیں قتل کر دے تو پھر ہاتھی ان لوگوں کو مار ڈالتے ہیں، خبردار بھوک کی شدت میں ہاتھی کے کسی بچے کو لقمہ نہ بنانا، اگر تم نے ہاتھی کے بچے کو بھون کھایا تو اس کی ماں ہتھنی آہ وزاری سے آسمان سر پر اُٹھا لیتی ہے اور پھر وہ تمہیں زندہ نہ چھوڑے گی۔ گھاس اور پتے کھا کر گزارہ کر لینا مگر ہاتھی کے بچے کو نہ مارنا۔ دانا آدمی نے کہا میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اگر تم نے طمع سے میری نصیحت پر عمل نہ کیا تو پھر تمہاری خیر نہیں۔

سارے دوست سیر و تفریح کرتے ہوئے ایک جنگل میں پہنچے۔ خورد و نوش کا جو سامان موجود تھا۔ اس سے انھوں نے گزارہ کیا، دوسرے دن خوراک کی نایابی اور بھوک سے نڈھال ہوئے تو ان کی ایک موٹے تازے ہاتھی کے بچے پر نظر پڑی اس کی ماں اس کے پاس موجود نہ تھی۔ مست بھیڑے کی طرح وہ نوجوان مسافر اس بچے پر ٹوٹ پڑے نہ آؤ

دیکھا نہ تاؤ جھٹ پٹ اسے پکڑ کر ذبح کر ڈالا۔ ہاتھی کے بچے کا گوشت انھوں نے بھون کر اور خوب جی بھر کر کھایا۔ ان میں ایک نوجوان نے اُس دانا آدمی کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے گوشت نہ کھایا۔ تھوڑی دیر بعد گوشت کے خمار سے تمام مست ہو کر سو گئے......

جو اس ڈنر پارٹی میں شریک نہیں ہوا تھا۔ وہ ابھی جاگ رہا تھا۔ نہ جانے کہاں سے اس بچے کی ماں ہتھنی چیختی چلّاتی اُدھر آنکلی، اس نے ذبیحہ کا خون دیکھا۔ شدتِ غیظ و غضب سے وہ پاگل ہوگئی پہلے وہ اس نوجوان کے قریب آئی جو ابھی تک جاگ رہا تھا۔ اس سے اسے بچے کے گوشت کی بو نہ آئی۔ پھر ہتھنی نے ان سوئے ہوئے نوجوانوں کے گرد تین مرتبہ چکر لگایا۔ ان میں ہر ایک سے اسے بچے کے گوشت کی بُو آئی۔ اس کے انتقام کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اس نے غصّے سے بعض کے اوپر پاؤں رکھ کر ان کو کچل ڈالا اور بعض کو اپنی سونڈ میں لے کر ان کے دو دو ٹکڑے کر دیئے۔

اے خلقِ خدا کا ناحق خون کرنے والے! اپنی اس حرکت سے باز آجا۔ ''ظلم کا مکر ظالم کے منہ کی بُو سے ظاہر ہو جاتا ہے۔''

درسِ حیات:

☆ اُمت کے اعمال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں لہٰذا آپ ﷺ کو ہمارے نیک و بد اعمال کی خبر ہوتی ہے۔ تیرے کبر اور حرص کی بُو، بُوئے پیاز کی طرح چھپائے چھپ نہیں سکتی۔

بوئے کبر و بوئے حرص و بوئے آز
در سخن گفتن بیاید چوں پیاز

حکایت نمبر ۷۴:

جہالت کا اندھیرا

ایک دفعہ چند آدمی ہندوستان سے ایک ہاتھی کسی دوسرے ملک میں لے گئے، اس علاقے کے لوگوں نے ہاتھی نہیں دیکھا ہوا تھا۔ اُن آدمیوں نے ہاتھی کو ایک تاریک کمرے میں باندھ دیا۔ لوگوں کو جب ہاتھی کے متعلق پتا چلا تو وہ جوق در جوق اس مکان کی طرف جانے لگے۔ تاریک کمرہ اور ہاتھی بھی سیاہ فام۔ دیکھنے والوں کا ہجوم تھا لیکن ہاتھی دیکھنے کا شوق اس اندھیرے پر غالب آیا۔ جب آنکھوں سے کچھ نہ دکھائی دیا تو ہاتھوں سے ٹٹول کر قیاس کرنے لگے۔ جس شخص کے ہاتھ میں جو حصّہ ہوتا وہ عقل سے اس پر دلیل اور قیاس کرتا۔ چنانچہ جس شخص کے ہاتھ میں اس کا کان تھا اس نے کہا یہ تو ایک بڑا سا پنکھا معلوم ہوتا ہے اور جس شخص کا ہاتھ اس کی پشت پر تھا۔ اس نے کہا یہ تو مثل تخت ہے اور جس شخص کا ہاتھ اس کے پاؤں اور ٹانگوں کو لگا اس نے ٹٹول کر کہا نہیں آپ لوگ غلط کہتے ہیں یہ تو مثل ستون ہے اور جس کا ہاتھ اس کی سونڈ پر پڑا اس نے کہا تم سب غلط کہتے ہو یار و یہ حیوان تو نلوے جیسا ہے۔

غرض ہر شخص کا دعویٰ تھا ہاتھی ویسا ہی ہے جیسا اس نے ٹٹول کر جانا بوجھا ہے، ہر ایک کی ٹٹول الگ تھی۔ کسی نے کہا ''الف'' ہے اور کسی نے ''ب''۔ کہا۔ مگر ہاتھی کی ابجد سے کوئی بھی واقف نہ تھا۔ ہاں اگر ان کے ہاتھوں میں اندھیرا دُور کرنے والی شمع روشن ہوتی تو

یہ سارے اختلافات ختم ہو جاتے۔ اور انہیں پتا چل جاتا کہ ہاتھی کی شکل و شباہت کیسی ہے۔

درسِ حیات:

☆ ان ظاہری آنکھوں کی بینائی بھی تیرے ہاتھ کی طرح ہے، تو اس کے ذریعے پورے ہاتھی کی شناخت نہیں کر رہا۔ اپنی آنکھوں سے جہالت کا اندھیرا دُور کر۔

عشق رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی شمع جلا لو دل میں
بعد مرنے کے بھی لحد میں اُجالا ہو گا

حکایت نمبر ۷۵:

کمالِ فن اور شیخی

عربی گرامر (صَرف ونحو) کے علم کا ماہر ایک استاد دریا عبور کرنے کے لئے کشتی پر سوار ہوا۔ جب کشتی بادِ موافق کے سہارے مزے سے دریا پر تیرتی جا رہی تھی تو علمِ نحو کے بادشاہ نے ''ملاح سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔'' پوچھنے لگا۔ بھائی ملاح! تُو نے علمِ نحو پڑھا ہے؟ ملاح کی جانے بلا کہ نحو کیا ہوتا ہے؟

کشتی بان نے کہا: مولوی صاحب نحو کیا چیز ہے؟ میں نے تو آج تک اس کا نام بھی نہیں سُنا۔'' نحوی استاد بولا: ''واہ رے میاں ملاح تو نے تو یونہی'' آدھی عمر برباد کر دی۔'' ارے جو شخص علمِ نحو سے واقف نہیں وہ انسان نہیں حیوان ہے۔ افسوس تُو نے اپنی زندگی کشتی چلانے میں گنوا دی۔ نحو جیسا فن نہ سیکھا۔'' کشتی چلانے والے کو بڑا غصہ آیا بہر حال بے چارہ خاموش ہو گیا اور لاجواب ہو کر چپ رہا۔ جب کشتی عین دریا کے درمیان میں پہنچی تو قدرتی طور پر بادِ مخالف زور سے چلنے لگی سب کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ کشتی کا بسلامت کنارے پر لگنا ناممکن نظر آنے لگا۔

ملاح نے کہا: ''بھائیو! کشتی بھنور میں پھنس چکی ہے تیر کر پار ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔'' ملاح نے اس وقت علمِ نحو کے ماہر استاد صاحب سے کہا: ''حضور اب اپنے فن سے کچھ کام لیجیے۔ کشتی غرق ہونے والی ہے۔ حضور اس وقت خاموش رہے۔ اس وقت نحو کیا

کام دیتا پھر کشتی بان نے کہا: ''اس وقت نحو کا کام نہیں محو کا کام ہے۔ آپ کو کچھ تیرنا بھی آتا ہے؟'' استاد صاحب نے جواب دیا: ''بالکل نہیں آتا''۔

ملاح نے کہا: ''حضرت پھر تو آپ کی ساری عمر برباد ہوگئی''۔ دریا کا پانی مردہ کو اپنے سر پر رکھتا ہے اور زندہ غرق ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ کو مٹانے اور فنا کرنے سے اللہ تعالیٰ کا راستہ طے ہوتا ہے۔ تکبر والے محروم اور غرقِ آب ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔

درسِ حیات:

☆ غرور کا سر نیچا ہوتا ہے۔

حکایت نمبر۷۶:

دل کے اندھے

ایک دیہاتی کو اپنی پالتو گائے سے بہت محبت تھی۔ دن رات اس کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتا اور ہر دم اس کی دیکھ بھال میں لگا رہتا۔ ایک دن وہ گائے کو باڑے میں باندھ کر اچانک کسی ضروری کام سے چلا گیا۔ اتفاق سے اس دن دیہاتی باڑے کا دروازہ بند کرنا بھول گیا۔ جنگل کا شیر کئی دنوں سے گائے کی تاک میں تھا۔ اس دن اسے موقع مل گیا۔ شیر رات کی تاریکی میں دبے پاؤں آیا۔ باڑے کے اندر گھسا اور گائے کو چیر پھاڑ کر ہڑپ کر گیا۔ شیر گائے کو کھانے کے بعد وہیں باڑے میں بیٹھ گیا۔ دیہاتی رات گئے گھر واپس آیا اور گائے کو دیکھنے کے لئے پہلے سیدھا باڑے میں گیا۔ وہاں گھپ اندھیرا تھا۔ شیر گائے کو کھا کر مست بیٹھا ہوا تھا۔ دیہاتی نے شیر کو اپنی گائے سمجھ کر پیار سے پکارا پھر اس کے پاس بیٹھ کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ دیہاتی احمق کو اگر پتا چل جاتا کہ وہ جسے اپنی گائے سمجھ کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر رہا ہے وہ آگے بیٹھا ہوا جنگل کا بادشاہ شیر ہے تو مارے دہشت کے اس کا جگر پھٹ جاتا اور دل خون ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ کا نام ہم نے صرف پڑھا اور سنا ہے اور لفظ اللہ صرف زبان سے ہی پکارتے رہتے ہیں۔ اگر اس پاک ذات کی ذرا سی حقیقت بھی ہم پر واضح ہو جائے، جو ہمارا حال ہوگا ہم اسے نہیں جان سکتے۔ کوہِ طور پر تجلی پڑنے سے جو اس کا حال ہوا اس کی سب کو خبر

ہے۔اس پر مزید قلم کشائی میری بساط سے باہر ہے۔

درسِ حیات:

☆ تیرا نفس اس خونخوار شیر سے بھی زیادہ خطرناک ہے جسے تو اندھے پن میں فریب خوردہ ہو کر اور گائے سمجھ کر پال رہا ہے۔اس کا ڈسا ہوا پانی بھی نہیں مانگتا۔ابھی وقت ہے اپنی اصلاح کر لے۔

حکایت نمبر ۷۷:

نفسِ اَمارہ کی دیوار

ندی کے کنارے ایک اونچی دیوار بنی ہوئی تھی اور اس دیوار کے اُوپر ایک پیاسا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ پیاس کی شدت سے اس کی جان لبوں پر آئی ہوئی تھی۔ بداوسان دیوار پر بیٹھا پانی کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا......

اس کے اور پانی کے مابین دیوار کی بلندی حائل اور مانع تھی۔

بر · لب جو بو دیوار بلند
بر سرِ دیوار تشنہ درد مند

پیاس سے بے قرار ہو کر اور کچھ نہ سوجھا تو دیوار سے اینٹ اکھاڑ کر ندی میں پھینکی۔ اینٹ کے گرنے سے جو پانی کی آواز آئی تو اس کو بڑی فرحت محسوس ہوئی اور ایسی سریلی لگی کہ اس پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا۔

اس آواز نے اس کے جان وجگر میں شراب کی سی مستی پیدا کر دی۔ اس نے دوسری اینٹ اُکھاڑی اور پانی میں پھینک دی۔ اس مرتبہ آواز پہلے سے بھی زیادہ دلفریب اور جان نواز معلوم ہوئی، پیاسے کو اس قدر لطف آیا کہ دیوانہ وار دیوار سے اینٹیں اکھاڑ اکھاڑ کر ندی میں پھینکنے لگا۔

پانی نے زبانِ حال سے کہا: ''ارے شریف آدمی مجھے اینٹیں مارنے سے تجھے کیا نفلوں کا ثواب مل رہا ہے؟ اس فضول مشقت سے باز آ۔ اس میں تمہارا کیا فائدہ ہے''
تشنہ لب نے یوں جواب دیا: ''اے ندی کے شیریں اور ٹھنڈے پانی! اس میں میرے دو فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ تو یہ ہے جب اینٹ پھینکنے کے بعد آواز آتی ہے تو اس سے میرے تنِ مُردہ میں جان سی پڑ جاتی ہے یہ معمولی آواز میرے لئے دنیا کے بہترین ساز کی آواز سے بھی زیادہ دلفریب اور سُریلی ہے۔ پیاسوں کے لئے یہ آواز مثل سازِ خوش آواز ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس دیوار کی جتنی اینٹیں اکھاڑ کر ندی میں پھینکتا جاتا ہوں اسی قدر پانی سے قرب بڑھتا جارہا ہے اور دیوار کے گرانے سے جوں جوں فاصلہ کم ہوتا جارہا ہے محبوب سے وصل کا لمحہ قریب آتا جارہا ہے۔''

''صلائے عام ہے یارانِ نقطہ داں کے لئے''

جب تک تیرے نفسِ امّارہ کی دیوار سر اُٹھا کر کھڑی ہے وہ سجدہ ادا کرنے میں مانع رہے گی۔

ھمیں غنیمت واں جوانی اے پسر
سر فرود آور بکن خشت و مدر

درسِ حیات:

☆ اے عزیزم! اس جوانی کی عمر کو غنیمت سمجھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک جا اور نفس امّارہ کی دیوار کے ڈھیلوں اور اینٹوں کو اکھیڑ ڈال۔

حکایت نمبر ۷۸:

گریہ وزاری

ایک صاحبِ کمال بزرگ اپنے حال کو لوگوں پر ظاہر نہیں کرتے تھے اور ہر لحاظ سے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی ایک عجیب عادت تھی کہ دولت مندوں سے سینکڑوں ہزاروں کی رقمیں قرض لیتے اور دل کھول کر فقراء ومساکین پر صَرف کرتے۔ ہدیہ، نذرانہ اور تحائف وصول ہونے پر قرض کی ادائیگی کر دیتے۔ اسی طرح آپ نے اہلِ عشق اور اہلِ ذوق حضرات کے ٹھہرنے کیلئے ایک خانقاہ بنوائی جس میں ہر طرح کی سہولتیں میسر تھیں۔

حضرت صاحب نے عرصۂ دراز اسی طرح گزار دیا۔ ادھر قرض لیتے ادھر ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے۔ اپنے پاس کوئی چیز نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح ہی زندگی کے روز وشب گزر گئے۔ پیغامِ اجل آن پہنچا۔ مرض الموت کے آثار نمودار ہونے لگے، شیخ بیمار ہو گئے۔ عقیدت مندوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

اُن لوگوں کو بھی شیخ کے بیمار ہونے کی خبر پہنچ گئی جن سے آپ نے رقمیں اُدھار لی ہوئی تھیں۔ ایک ایک کر کے وہ بھی شیخ کے پاس آ گئے اور اپنی اپنی رقم کی واپسی کا تقاضا کرنے لگے۔ شیخ صاحب کے پاس اس وقت ان کو دینے کے لئے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ شیخ موم کی شمع کی مانند آہستہ آہستہ پگھل رہے تھے۔ اُدھر قرض خواہوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا

جا رہا تھا۔ شیخ کو بسترِ مرگ پر دیکھ کر ناامیدی سے ان کے دل بیٹھے جا رہے تھے اور چہروں پر اُداسی چھائی ہوئی تھی...... شیخ نے ان کی طرف دیکھ کر بڑے اطمینان سے کہا: ''گھبراتے کیوں ہو؟ خدا پر بھروسہ رکھو وہ کوئی نہ کوئی انتظام ضرور فرما دے گا۔'' شیخ صاحب کا یہ ارشاد سُن کر قرض خواہوں نے منہ بنا کر کہا: ''معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے حواس رُخصت ہو گئے ہیں۔ بھلا ایسے موقع پر خدا قرض ادا کرنے کے لئے فرشتے کے ہاتھ چار سو اشرفیاں روانہ کرے گا؟'' وہ سب مایوس ہو چکے تھے کہ شیخ کے پاس تو ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں بھلا چار سو اشرفیاں کہاں سے دیں گے۔ شیخ صاحب نے یہ سُن کر فرمایا: ''صد افسوس ہے ان دولت مندوں کے ذہنی افلاس پر کہ انہیں خدا کی ذات پر بھروسہ نہیں، ارے بدبختو! خدا ہر فعل پر قادر ہے''۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ باہر گلی میں ایک حلوہ فروش لڑکے نے آواز لگائی ''گرما گرم حلوہ!'' شیخ نے یہ آواز سُن کر اپنے خادم کو حکم دیا کہ جاؤ اس حلوہ فروش لڑکے سے سارا حلوہ خرید کر ان قرض خواہوں کو کھلاؤ! کیونکہ یہ ہمارے مہمان ہیں ان کی ضیافت کرنا ہمارا فرض ہے خادم حکم ملتے ہی باہر گلی میں گیا۔ اس نے حلوہ فروش بچے کے ساتھ نصف دینار میں حلوے کا سودا کیا، حلوے کا تھال لے کر شیخ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، شیخ نے فرمایا: ''سارا حلوہ اس فقیر کی طرف سے مہمانوں میں تقسیم کر دو''۔ سب نے مل کر مزے کے ساتھ حلوہ کھایا۔ تھال خالی ہوتے ہی حلوہ فروش بچے نے اُٹھا لیا اور رقم کا مطالبہ کیا۔ شیخ نے کہا ''کیسا دام؟ میرے پاس دینار کہاں سے آئے میری تو دمِ واپسی ہے تجھے اب کہاں سے نصف دینار دوں''۔ یہ کہہ کر شیخ نے اپنا منہ کمبل میں کر لیا۔ شیخ کا یہ فرمان سُن کر بچے نے مارے رنج اور غصّے کے تھال زمین پر دے مارا اور بُری طرح رونے چلّانے لگا کہ میرا مالک مجھے جان سے مار ڈالے گا میں خالی ہاتھ کیسے جاؤں وہ مار مار کر میری چمڑی اُدھیڑ ڈالے گا بچے کا رونا دھونا سُن کر ارد گرد کے لوگ بھی اکٹھے ہو گئے۔ ادھر قرض خواہوں نے بھی چلّانا شروع کر دیا اور کہنے لگے ''واہ شیخ نے ہمارا مال بھی اُڑا دیا اور اس غریب لڑکے کو بھی جاتے جاتے لُوٹ لیا''۔ دوسرے لوگ بھی ان کے ساتھ مل کر کہنے لگے کہ ''آج کل خانقاہوں میں رہنے والے گندم نما جو فروش درویش ایسے ہی دھوکہ اور فریب کر رہے ہیں ایسی بے ہُودہ حرکت مرتے مرتے کی ہے۔ ذرا شرم نہ آئی! خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے''۔

شیخ یہ سب کڑوی اور کسیلی باتیں سنتے رہے، بادل میں چھپے ہوئے چاند کی طرح اپنا منہ کمبل میں دیئے چپکے سے پڑے رہے قرض خواہ شور مچاتے رہے......اور وہ حلوہ فروش بچہ آنسو بہاتا رہا شیخ نے ان کی طرف ایک بار بھی نہ دیکھا اور نہ ہی ان سے کوئی بات کی۔ آخر ان لوگوں نے آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ ہم سب تھوڑے تھوڑے پیسے جمع کر کے اس بچارے معصوم بچے کو دے دیں۔ شیخ نے اپنا منہ کمبل سے باہر نکال کر فرمایا: ''خبردار کسی کو ایسا کام کرنے کی ضرورت نہیں''۔ تھوڑی دیر گزری ایک شخص بڑا سا خوان سر پر دھرے ہوئے آیا سلام ودعا کے بعد عرض کیا ''حضور! یہ نذرانہ قبول فرمائیں''۔ شیخ صاحب نے اپنے خادم کو اشارہ کیا۔ اس نے سر پوش اُٹھایا۔ خوان میں چار سو دینار ایک طرف اور نصف دینار دوسری طرف پڑا ہوا تھا۔ حاضرینِ مجلس یہ کرامت دیکھ کر ایک دم روتے ہوئے شیخ کے قدموں میں گر گئے، اور اپنے کیئے پر بہت شرمندہ ہوئے کہ ہم نے اندھوں کی طرح لاٹھی چلا کر قندیلوں کو توڑا اور حضرت کی صحبت سے محروم ہو گئے۔ شیخ صاحب نے فرمایا: ''میں نے تم سب کو دل سے معاف کیا۔ اصل میں تم لوگوں کو اتنی دیر روکے رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دُعا کی تھی اے میرے مالک! اس نازک موقع پر میری مدد فرما اس بچے کا نصف دینار اگرچہ مالیت میں کم تھا مگر اللہ تعالیٰ کی سخاوت کا دریا اس بچے کے رونے تڑپنے اور اضطراب کے سبب جوش میں آیا۔'' یہ مشکل اس معصوم بچے کی گریہ وزاری سے آسان ہوئی، طفل حلوہ فروش کی مثال تیری چشمِ گریاں ہے جب تک بچہ روتا نہیں ماں کی چھاتی سے دودھ نہیں اُبلتا جب تک آسمان اور بادل روتے نہیں اس وقت تک چمن نہیں مسکراتا۔ اگر تُو چاہتا ہے کہ تیرا مقصد بَر آئے تو اپنی چشمِ گریاں سے کام لے۔ جب تک تُو گریہ وزاری سے کام نہیں لے گا کامیابی وکامرانی ناممکن ہے''۔

درسِ حیات:

☆ کسی بھی مقصد میں کامیابی کیلئے چشمِ گریاں سے کام لینا ہی بہتر ہے۔ اس سے دریائے رحمتِ خداوندی انتہائی جوش میں آتا ہے۔

حکایت نمبر۷۹:

ہدایت کا دروازہ

کسی امیر آدمی کا سنقر نامی ایک غلام تھا۔ وہ نہایت محنتی، دیانت دار، متقی اور پرہیز گار تھا۔ وہ اپنے ایمان اور خدا کی محبت میں جتنا پختہ تھا، اس کا آقا اتنا ہی کمزور ایمان اور نافرمان تھا۔ ایک دن صبح اذانِ فجر سے قبل ہی امیر نے سنقر غلام کو آواز دی کہ حمام میں غسل کرنے کے لئے جانا ہے ضروری چیزیں ساتھ لے لو۔ سنقر غلام نے جھٹ پٹ ضروری سامان لیا اور آقا کے ہمراہ چل دیا۔ حمام کے نزدیک ہی ایک مسجد میں اذانِ فجر ہوئی سنقر غلام نماز کا بہت پابند تھا۔ سنقر نے کہا ''حضور آپ غسل فرمالیں اور میں نمازِ فجر ادا کر لُوں۔ آقا نے کہا ''ٹھیک ہے مگر نماز پڑھ کر جلدی آنا''۔ سنقر غلام نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں چلا گیا ادھر وہ امیر آدمی غسل کرنے کے بعد اس کا انتظار کرنے لگا۔ نماز ادا کرنے کے بعد سارے نمازی آہستہ آہستہ مسجد سے چلے گئے اور آخر میں امام صاحب بھی مسجد سے نکل کر چلے گئے۔ اس امیر کو غلام سنقر نظر نہ آیا۔ اس کے انتظار میں بہت دیر ہوگئی آخر مجبور ہوکر آقا نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوکر آواز دی ''سنقر! سنقر! تو باہر کیوں نہیں نکل رہا؟''۔ سنقر نے جواب دیا: ''ذرا رکیے میں ابھی آیا''۔ سنقر غلام کو اس وقت حق تعالیٰ کا خاص قرب عطا ہو رہا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور مناجات میں محو تھا۔ آخر امیر نے تنگ آکر کہا: ''ارے سنقر سارے نمازی اور امام مسجد اپنے ٹھکانوں کو جاچکے ہیں اب تو اکیلا مسجد میں کیا

کر رہا ہے؟ وہ کون ہے جو تمہیں باہر نہیں آنے دے رہا؟ کس نے تجھے مسجد میں روک رکھا ہے؟"...... سنقر غلام نے جواب دیا "جس نے آپ کو مسجد کے باہر روک رکھا ہے۔ اسی ذات نے مجھے مسجد کے اندر روک رکھا ہے۔ جو آپ کو مسجد کے اندر نہیں آنے دے رہا وہی مجھ کو مسجد سے باہر نہیں جانے دے رہا"۔

گر تو خواهی حرّی ودل زندگی
بندگی کن بندگی کن بندگی
از خودی بگزر که تایابی خدا
فانی حق شو که تایابی بقا

اگر آزادی اور دل کی زندگی چاہتا ہے تو بندگی کر، اگر تُو خدا کا فضل چاہتا ہے تو تکبر چھوڑ دے، رضائے الٰہی میں فنا ہو جا، تا کہ تجھے دائمی زندگی نصیب ہو۔ مومن کو مسجد میں سکون نصیب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جسے اپنا بناتے ہیں اس کے یہی آثار وعلامات ہوتے ہیں۔ مچھلی کی اصل ذات پانی سے ہے اور دوسرے جانداروں کا تعلق زمین سے ہے۔ پانی غیروں کو کب قبول کر سکتا ہے۔ یہاں حیلہ اور تدبیر باطل ہے۔ گمراہی کا قفل مضبوط ہے اور باب ہدایت کا کھولنے والا خدا ہے۔ تکبیر اور تدبیر پر ناز کرنے سے یہ راستہ نہیں کھلے گا۔

اگر دُنیا جہاں کا ذرہ ذرہ چابی بن جائے پھر بھی ہدایت کے دروازوں کو بجز ذاتِ کبریا کے دوسرا کوئی نہیں کھول سکتا۔ **وھذا یدل علی ان الحکمة ھوا لشکر اللہ** تعالیٰ کے حضور شکر گزاری ہی دانائی کی دلیل ہے۔

درسِ حیات:

☆ تمام کام اللہ تعالیٰ کی توفیق سے انجام پاتے ہیں۔

حکایت نمبر ۸۰:

مفلسی اور طمع

شیر کسی مست ہاتھی کے مقابلے میں زخمی ہو کر اپنی کچھار میں جا بیٹھا۔ اس قدر زخمی ہوا کہ وہ شکار کرنے کے قابل بھی نہ رہا۔ چند دن اسی طرح ہی گزر گئے۔ جب اسے بھوک لگی تو اس نے لومڑی کو بلا کر کہا کہ ''کسی گدھے یا گائے کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے بہلا کر اس طرف لے آؤ تا کہ میں آسانی سے اس کا شکار کر لوں''۔

ایک غریب دھوبی کا گدھا برے حالوں زندگی کے دن گزار رہا تھا۔ جس کی پیٹھ زخمی اور پیٹ خالی تھا وہ بے چارہ بے آب و گیاہ پہاڑیوں کے درمیان پھر رہا تھا۔ لومڑی اسے دیکھ کر اس کے قریب گئی۔ حال واحوال معلوم کرنے کے بعد لومڑی نے کہا: ''بھائی گدھے! کب تک تم اس سنگلاخ اور خشک جگہ میں مصیبتیں جھیلتے رہو گے تم کتنے کاہل اور سست ہو ورنہ قریب ہی جنگل میں ہری بھری گھاس کی فراوانی ہے وہاں آ کر تم چند دن رہو ہری بھری گھاس کھانے سے تم تندرست و توانا اور صحت مند ہو جاؤ گے''۔ گدھے نے کہا: ''اگر میں غم والم میں مبتلا ہوں تو کوئی بات نہیں جو مقدر میں لکھا ہے مل جاتا ہے۔ قضا سے عدول ممکن نہیں۔ اس کا گِلہ کرنا کفر ہے اور صبر کا بڑا اجر ہے کیونکہ اس سے ہی کشائش ملتی ہے۔ سب کا روزی رساں وہی ہے۔ اس کے خزانے میں کمی نہیں، بھوکا کوئی نہیں مرتا جب وہ مجھے دہی دینا ہی مفید سمجھتا ہے تو میں شہد کیوں مانگوں۔ جتنی نعمت زیادہ ہوگی، اتنا ہی غم

بڑھے گا۔ خزانے کی طرف جاؤ گے سانپ کاٹنے کو دوڑے گا۔ پھول کی طرف ہاتھ بڑھاؤ گے تو کانٹا چبھے گا۔ اس دنیا میں خوشی کے ساتھ غم لگا ہوا ہے"۔

لومڑی نے کہا: "بھائی گدھے! حلال رزق کی تلاش فرض ہے۔ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں بغیر کوشش کے رزق نہیں ملتا۔ رزق بند دروازوں اور قفلوں کے اندر ہے یہ قفل تبھی کھلتے ہیں جب کوئی آدمی کسب اور کوشش کرے۔ بغیر طلب اور کوشش کے روٹی نہیں ملتی۔ بے شک قناعت ایک خزانہ ہے مگر یہ خزانہ ہر ایک کو نہیں ملتا"۔ گدھے نے کہا "میں نے تو آج تک نہیں سنا کہ کوئی قناعت سے مر گیا ہو اور کوئی حریص آدمی محض اپنی کوشش سے بادشاہ بن گیا ہو"۔ لومڑی کہنے لگی "اگر کوئی کنویں میں بیٹھا رہے تو اسے وہاں رزق نہیں پہنچایا جائے گا"۔ گدھا کہنے لگا "خدا کنویں میں بھی رزق پہنچا دیتا ہے۔ بشرطیکہ اس کی ذات پر پورا توکّل ہو۔ جس نے جان دی ہے۔ وہ نان بھی دے گا۔ چوپائے اور درندے سب رزق کھاتے ہیں وہ نہ تو کوئی کسب کرتے ہیں اور نہ ہی اپنا رزق اُٹھائے پھرتے ہیں"۔

"بھائی گدھے! ایسا توکّل کون کر سکتا ہے۔ یہ نادر بات ہے، نادر کے گرد پھرنا نادانی ہے تُو اپنی قدر پہچان اور اپنی قدر سے بڑھ کر قدم نہ رکھ تا کہ تُو کہیں منہ کے بل نہ گر پڑے۔ کوشش کر اور روزی کی تلاش کے لئے باہر نکل تجھے توکّل کرنے کی طاقت حاصل نہیں ہو سکتی"۔ گدھا کہنے لگا "بہن تُو کیسی الٹی باتیں کر رہی ہے۔ طمع میں بڑی خرابیاں ہیں قانع آدمی کو کوئی خطرہ نہیں۔ ہمیشہ طمع کرنے والے ہی کی جان جاتی ہے۔ جس طرح تُو رزق پر عاشق ہے۔ اسی طرح رزق بھی تجھ پر عاشق ہے صابروں کی طرف خود رزق اُڑ کر جاتا ہے۔

لومڑی کہنے لگی: "بھائی یہ ہر گس و ناگس کے بس کی بات نہیں، یہ سب پہنچے ہوئے لوگوں کی باتیں ہیں۔ کوشش کے بغیر کامیابی محال ہے۔ غرض اس بحث و تکرار میں لومڑی گدھے کو شیر کی کچھار کی طرف لے کر چلنے لگی اللہ کا حکم ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو یہاں قریب ہی ایک وسیع سبزہ زار ہے جس میں ہر طرف چشمے اور ندیاں بہہ رہی ہیں کمر کمر تک گھاس اُگی ہوئی ہے۔ یہ سبزہ زار جانوروں کے لئے بہشت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے اگر آپ اس بیاباں میں ایڑیاں رگڑتے رہے تو اس کو اپنے

ہاتھوں ہلاکت میں پڑنے کے اور کیا کہا جا سکتا ہے اس جنت جیسی سرسبز چراگاہیں جہاں اونٹ بھی ناپید ہو جاتا ہے۔ جو حیوان وہاں جا پہنچے وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے۔ گدھے کو یہ بات سمجھ نہ آئی کہ وہ اس جنت کی رہائشی سے پوچھتا کہ تُو وہاں رہ کر ایسی مردہ شکل کیوں بنی ہوئی ہے تیرا جسم اتنا کیوں لاغر و نحیف ہے؟ تیری آنکھیں لطف و سرور سے مخمور کیوں نہیں۔ تُو ایسے تروتازہ چشمہ پر سے آئی ہے تو تیرے جسم پر...... خشکی کیوں چھائی ہوئی ہے۔ اگر تُو گلزارِ جنت سے آئی ہے تو تحفہ کے لئے تیرے پاس کونسا گلدستہ ہے؟ اس گلستان کے آثار تو تیری ذات میں دکھائی نہیں دے رہے؟''

بے چارہ بھوکا، پیاسا گدھا کھانے کی حرص میں اس کے ساتھ چلتا رہا۔ ''جس کے پاس دانش و خرد نہ ہو وہ دلائل سے کیا کام لے سکتا ہے''۔ لومڑی اسے چارے کا چکمہ دے کر شیر کے پاس لے آئی۔ بھوک کی وجہ سے شیر کی جان لبوں پر آئی ہوئی تھی۔

گدھے کو آتے ہوئے دیکھ کر صبر نہ کر سکا خوشی سے اُچھلا اور گرجا۔ گدھا شیر کو دیکھ کر الٹے پاؤں پہاڑ کی طرف بھاگا، اور ہانپتا ہانپتا اپنے محفوظ مقام پر جا پہنچا شیر میں دوڑنے کی طاقت نہیں تھی وہ منہ تکتا رہ گیا۔

لومڑی نے شیر سے کہا: ''جناب آپ نے تو بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ گدھے کو قریب تو آنے دیا ہوتا۔ ذرا صبر نہ کیا۔ آپ کو معلوم نہیں کہ جلد بازی نقصان دہ ہوتی ہے۔ افسوس! آپ کے ضعف نے آپ کا وقار کھو دیا''۔ شیر نے کہا: ''حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی کمزوری سے بے خبر تھا۔ بھوک اور احتیاج نے غلبہ کر کے مجھ سے میرا صبر...... و عقل چھین لی میں نے اپنی قوت کا غلط اندازہ لگایا۔ اے عقلمندوں کی سردار پھر کوئی ترکیب کر کے اس گدھے کو یہاں لے آؤ اب وار خالی نہیں جائے گا''۔ لومڑی نے کہا: ''انشاء اللہ میں پھر اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہاں لے آؤں گی آخر ہے تو پھر بھی گدھا ہی۔ مگر سرکار! اب اتنی مہربانی کرنا کہ پہلے کی طرح ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ اب دُعا کرنا پھر گدھے کی عقل پر غفلت طاری ہو جائے۔ گدھے نے تو توبہ کر لی ہوگی کہ اب وہ کسی کے جھانسے میں نہیں آئے گا۔ ہم بھی فنکار ہیں کسی نہ کسی طریقے سے اس کی توبہ توڑ دیں گے کیونکہ ہم ''عقل اور عہد کے دشمن ہیں'' گدھے جیسے جانور کے عہد اور ان کی سوچ پر غلبہ پالینا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل

ہے۔ جب کوئی ''نقضِ عہد اور شکستِ توبہ کا مجرم ہو جائے تو اس کی بربادی'' یقینی ہوتی ہے۔ اگر گدھا اپنا عہد توڑ دے گا تو اس کی عقل مسخ ہو جائے گی اور ہمارے ہتھے چڑھ جائے گا۔''

ماسٹر لومڑی معصوم سا چہرہ بنا کر پھر دوبارہ گدھے کے پاس گئی۔ گدھا بہت غصّے میں تھا۔ کہنے لگا۔ بی لومڑی تُو تو بڑی فریبی نکلی...... میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا کہ تُو مجھے موت کے منہ میں لے گئی۔ تجھ جیسا دوست ہو تو پھر دشمن کی کیا ضرورت ہے۔ جس طرح شیطان آدم ذات کا دشمن ہے اسی طرح تُو نے مجھ بے گناہ کے ساتھ کیا، لومڑی نے کہا: ''بھائی گدھے میں تمہیں یہ بتانا بھول گئی تھی کہ وہاں جادو کا طلسم ہے جو شیر کی شکل میں دکھائی دیتا ہے، اور یہ طلسم اس لئے بنایا گیا ہے تا کہ ہر کس و ناکس چرند اس مرغزار میں نہ گھس آئے اگر یہ طلسم نہ ہو تو مرغزار ایک ہی دن میں اُجڑ جائے''۔ گدھے نے کہا: ''اے مکّار لومڑی میری آنکھوں سے دُور ہو جاؤ۔ میں تیری شکل دیکھنا بھی نہیں چاہتا تُو کس منہ سے دوبارہ میرے پاس آئی ہے۔ اے ظالم تُو میرے خون کی پیاسی ہو کر بڑی بے شرمی سے کہتی ہے کہ میں مرغزار کی طرف تیری رہبر ہوں۔ خدا نے مجھے عزرائیل کے پنجے سے بچایا ہے۔ تُو مجھے پھر پھنسانا چاہتی ہے۔ مان لیا کہ میں گدھا ہوں مگر بی لومڑی جان ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے۔ جو خوف مجھے لاحق ہوا ہے، یہ اگر کسی لڑکے کو ہوتا تو وہ بوڑھا ہو جاتا۔ داناؤں نے سچ کہا ہے کہ بُرے یار سے سانپ بھلا۔ زہریلا سانپ تو جان ہی لیتا ہے۔ مگر بُرا دوست ساتھ ایمان بھی برباد کر دیتا ہے۔ لومڑی کہنے لگی! بھائی گدھے میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں۔ تجھے یونہی وہم ہو گیا ہے۔ جہاں وہم داخل ہو جائے وہاں دوست بھی دشمن نظر آنے لگتا ہے۔''

میرے محترم! وہ محض طلسم تھا۔ جو آپ کو نظر آیا۔ حقیقت میں وہاں کوئی شیر ویر نہیں ہے۔ اگر وہاں شیر ہوتا تو میں آپ سے بھی زیادہ کمزور ہوں۔ تو مجھے وہ کب زندہ چھوڑتا۔ ''میں تیری دوست اور خیر خواہ ہوں۔ خیال اور خوف کی دنیا سے نکل آؤ گدھے نے لومڑی کی باتوں کا جواب دینے کی بہت کوشش کی لیکن بھوک کی بیماری اس پر غالب آئی۔ حرص کی بیماری صبر پر غالب آ گئی...... غریبی، مفلسی اور بے صبری میں فقر و فاقہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

گدھے نے دل میں سوچا، فرض کرو لومڑی مکر سے کام لے رہی ہے اور مجھے ہلاک کروا دے گی۔ جس عذاب گرسنگی میں میں پھنسا ہوا ہوں اس سے تو موت بہتر ہے...... روز روز کے مرنے سے ایک دن ہی مر جانا بہتر ہے۔ "مایوسی اور حرص اندھا اور احمق بنا کر با آسانی موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے"۔ گدھے نے گدھاپن کی وجہ سے توبہ توڑ دی۔ گدھے کو اپنے خالق و مالک پر اعتماد نہ تھا، کہ وہ غیب سے اس کی بھوک مٹانے کا سامان کر دے گا۔ نادان گدھا اپنے مقتل کی طرف چل پڑا جونہی وہ شیر کی قریب پہنچا شیر پہلے ہی تیار تھا۔ وہ غرّا کر اُٹھا اور ایک ہی پنجے سے اس کا کام تمام کر دیا۔

شیر پانی پینے کے لئے چشمے پر گیا۔ عقلمندوں کی سردار کو موقع مل گیا شیر کی غیر موجودگی میں لومڑی گدھے کا دل، دماغ، جگر نکال کر ہڑپ کر گئی۔ شیر نے واپس آ کر ان چیزوں کی تلاش شروع کی مگر اسے کچھ نہ ملا...... اس نے لومڑی سے پوچھا ہر جانور کا دل، دماغ، جگر ہوتا ہے۔ گدھے کا کہاں ہے؟...... لومڑی نے جواب دیا: "اگر یہ اعضائے رئیسہ اس کے وجود میں ہوتے تو یہ بے چارہ دوبارہ موت کے منہ میں نہ آتا۔"

دل میں اگر نور نہ ہو تو وہ دل نہیں، بدن میں اگر روح نہ ہو تو وہ بت ہے بدن نہیں مصباح کا نور اللہ کی عطا ہے۔ چمنی اور لیمپ بندوں کی مصنوعات ہیں۔

جس نے نور کو دیکھا وہ مومن بن گیا۔ جس نے لیمپ اور چمنی کو دیکھا وہ یہودی مشرک بن گیا، جسے پہلے آزما لیا گیا ہو اسے دوبارہ نہیں آزمانا چاہیے "مایوسی گناہ ہے"۔

درسِ حیات:

☆ حرص اور طمع آخر جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ حالات جیسے بھی ہوں خالق و مالک کی ذات پر پورا پورا بھروسہ رکھنا چاہیے۔ وہ اپنے بندوں کی ضرور مدد فرماتا ہے۔

حکایت نمبر ۸۱:

قیاس آرائی

ایک دوکاندار نے ایک خوبصورت طوطا پال رکھا تھا۔ اس خوش آواز سبز رنگ کے طوطے سے اس دوکاندار کو بہت محبت تھی۔ یہ بُلبل ہزار داستاں اپنی دلفریب باتوں سے گاہکوں کے دل بھی خوش کرتا تھا۔ اسے جو بات سکھا دی جاتی فوراً سمجھ جاتا تھا۔ مالک کی غیر موجودگی میں نہ صرف دکان کی نگہبانی کرتا، بلکہ گاہکوں سے مزے مزے کی باتیں کرتا رہتا۔ راستے میں آنے جانے والے لوگ بھی اس کی سحر انگیز باتوں سے خوش ہوتے تھے۔ ایک دن دوکاندار کسی ضروری کام کے لئے کہیں گیا ہوا تھا کہ اچانک ایک بلی دکان کے اندر گھس آئی اور ایک چوہے کے پیچھے بھاگی، طوطے نے سمجھا آج میری خیر نہیں، اپنی جان بچانے کی خاطر دکان میں آگے ...... پیچھے پھڑ پھڑانے لگا۔ اس سے چند روغنِ بادام کی شیشیاں نیچے گر کر ٹوٹ گئیں۔ جب دوکاندار واپس آیا تو ہر طرف تیل بکھرا ہوا اور شیشیاں ٹوٹی ہوئی دیکھ کر اسے بہت غصّہ آیا۔ اس نے طوطے کو مار مار کر اس کا سر گنجا کر دیا...... طوطے کو بے قصور سزا ملی تھی جس کا اسے بہت رنج ہوا۔ چند لمحے پہلے کہاں وہ بلبل ہزار داستاں بنا ہوا تھا اب اس نے بول چال ترک کر دی۔ اس کی شیریں بیانی اور شکر فشانی بالکل جاتی رہی، طوطے کے اس فعل سے دوکاندار کو سخت پریشانی اور ندامت ہوئی اور اپنے کئے پر پچھتایا،

دوکاندار کو طوطے سے بڑی محبت تھی، طوطے کی خاموشی اس کیلئے ناقابلِ برداشت بنتی جارہی تھی۔ اس نے سوچا اب کیا کروں کیونکہ اس کی توتلی باتوں سے دوکاندار کو بڑا لُطف ملتا تھا۔ اس نے کئی دن تک طوطے کی خوشامد کی اور طرح طرح کے پھل دیئے کہ وہ کسی طریقے سے خوش ہوجائے لیکن طوطا بالکل خاموش تھا۔ اس کی دکان پر جو گاہک آتے تھے، وہ بھی اس کی خاموشی پر تعجب اور افسوس کرتے تھے، دوکاندار نے بڑے جتن کیے لیکن طوطے کی مہرِ سکوت نہ ٹوٹی۔ اس طرح کئی دن گزر گئے، ایک دن بیچارہ دوکاندار اسی غم میں حیران و پریشان دوکان میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک چار ابرو کا صفایا کیے ہوئے گنجا درویش خدا مست دکان کے سامنے سے گزرا۔ طوطے نے جونہی اس گنجے فقیر کو دیکھا فوراً بلند آواز سے بولا:

''سائیں تُو کس سبب سے گنجا ہوا؟ شاید تو نے بھی بوتل سے تیل گرا دیا ہوگا۔''

جو لوگ وہاں موجود تھے طوطے کی اس بات پر ہنس پڑے کہ اس طوطے نے درویش کو بھی اپنے جیسا ہی سمجھا۔

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر شِیر

اللہ کے پاک بندوں کو اپنے جیسا مت سمجھو۔ اگرچہ لکھنے میں شیر اور شِیر کو ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے۔ لیکن ان کے معنوں میں فرق ہے۔ شِیر (دودھ) انسان کی خوراک ہے، اور دوسرا شیر جنگل کا بادشاہ، جس کی انسان خوراک ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ اس غلط قیاس آرائی کے سبب گمراہ ہوگئے۔ اپنے غلط قیاس سے کبھی انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ برابری کا دعویٰ کیا اور کبھی اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو اپنے برابر سمجھتے رہے۔ اگر کوئی اس بے ادبی پر اعتراض کرے تو کہتے ہیں ''ارے ہم بھی انسان ہیں اور یہ بھی انسان'' نبی اگر اپنا لعابِ دہن ہنڈیا میں ڈالے......تو ہزاروں کا لشکر جی بھر کر کھانا کھالے کھانے میں ذرا برابر بھی کمی واقع نہ ہو''۔

برابری کرنے والا یہ بدبخت کھانے کی بھری ہوئی دیگ میں اگر تھوک دے تو دوسرے لوگ تو درکنار اس کے اہلِ خانہ میں سے بھی کوئی اس دیگ سے کھانا نہ کھائے گا۔

وما توفیقی الا باللّٰہ○

درسِ حیات:

☆ تحقیق کے بغیر کسی کے متعلق یونہی قیاس آرائیاں نہ کرو!

حکایت نمبر ۸۲:

چوہے کی رہبری

ایک اُونٹ کسی جگہ پر کھڑا تھا اور اس کی مہار زمین پر گری ہوئی تھی چوہے نے اونٹ کی مہار کو منہ میں لے کر کھینچا...... اُونٹ چلنے لگا۔ چوہے نے دل میں خیال کیا کہ میں تو بڑا شہ زور ہوں کہ میرے کھینچنے پر اُونٹ میرے پیچھے پیچھے چل پڑا ہے۔

اُونٹ نے چوہے کی جب یہ حرکت دیکھی تو اسے مزید بے وقوف بنانے کی خاطر اپنے آپ کو اس کے تابع کر دیا۔ چوہے نے اُونٹ کی نکیل کو اپنے منہ میں مضبوطی سے پکڑ لیا اور آگے آگے غرور کے ساتھ اکڑتا ہوا چلنے لگا۔ پیچھے پیچھے یہ اُونٹ مثل تابعدار غلام کے چل رہا تھا۔ چوہے نے دل میں کہا کہ: ''یہ مجھے آج پتا چلا ہے کہ میں کون ہوں اور میرے اندر اتنی جان ہے کہ اُونٹ بھی میری پیروی کرنے پر مجبور ہے''۔ اُونٹ دل میں یہ کہہ رہا تھا کہ بچُو! کوئی بات نہیں ابھی تھوڑی دیر بعد تجھے تیری اوقات کا پتا چل جائے گا کہ تُو کیا چیز ہے؟

دونوں اسی طرح رواں دواں تھے کہ راستے میں ایک ندی آ گئی۔ اب تو رہبر چوہے کے اوسان خطا ہو گئے اور سوچنے لگا کہ اب تک تو میں نے اس عظیم القامت جسم والے کی رہبری کی اور مجھے فخر تھا کہ ایک اونٹ میرا تابع ہو گیا ہے مگر اب پانی میں رہبری کس طرح کروں، یہ سوچتے ہوئے چوہا ندی کے کنارے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ اُونٹ نے تجاہلِ عارفانہ سے پوچھا۔ اے میرے جنگل و بیاباں کے رہبر! تُو اس قدر ڈر کیوں گیا؟ یہ توقف اور

حیرانگی......کیسی، مردانہ وار دریا کے اندر قدم رکھو! اب تم کس فکر میں ڈوبے ہوئے ہو؟ اور یہ حیرت کس بات کی؟ کچھ مردانگی اور جی داری کے جوہر دکھاؤ۔ تم ہمارے رہنما ہو۔ چلو آگے بڑھو اور دریا میں اترو تا کہ "تمہارے چودہ طبق روشن ہوں"۔ چوہے نے خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا اُتروں کیا خاک! ندی بہت گہری معلوم ہوتی ہے

اُونٹ نے کہا اچھا میں دیکھتا ہوں کہ پانی کتنا گہرا ہے یہ کہہ کر اُونٹ پانی میں داخل ہو گیا اور کہنے لگا۔ میرے شیخ میرے رہبر اس میں تو زانو زانو پانی ہے بس تُو اتنے ہی پانی سے دہشت کھا گیا۔

اُونٹ نے کہا: "اے پیش رو اس طرح راستہ کھوٹا نہ کرو سیدھے پانی میں آ کر رہبُری کر تمہیں تو میری رہبری پر بڑا ناز اور فخر ہے"۔ چوہے نے کہا: "جناب آپ کے زانو اور میرے زانو میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ آپ مجھے غرق کرنا چاہتے ہیں۔ جو پانی آپ کے زانو تک گہرا ہے وہ میرے سر سے سو گز اونچا ہے۔"

چوہے کو جب اپنی اوقات کا پتا چل گیا تو کہنے لگا: "جناب میں اپنے کئے پر بہت شرمندہ ہوں میری توبہ آپ مجھے معاف کر دیجئے۔ آئندہ اس طرح مقتدا اور شیخ بننے کا کبھی دل میں خیال تک بھی نہ لاؤں گا اور دوبارہ زندگی بھر پھر ایسی غلطی نہیں کرونگا اب خدا کے لئے اس خطرناک ندی سے مجھے پار کرا دیں"۔ اُونٹ نے غصّے میں آ کر کہا: خبردار آئندہ! اپنے اوپر ایسا گھمنڈ نہ کرنا۔ تُو اپنے جیسے چوہوں میں جا کر ایسی نوابی کر، اپنی اوقات سے بڑے کے سامنے شیخی نہیں کرنی چاہیے......جتنی چادر ہو اتنے ہی پاؤں پھیلانے چاہئیں"۔ اُونٹ کو چوہے کی توبہ اور ندامت پر رحم آ گیا۔ اس نے کہا: "میری کوہان پر آ کر بیٹھ جا تجھ جیسے سینکڑوں چوہوں کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر ایسے پُر خطر حالات میں بحفاظت ندی کے پار لے کر جا سکتا ہوں۔"

درسِ حیات:

اگر تجھے خدا نے سلطان نہیں بنایا تو رعایا بن کر رہ۔
کشتی چلانی نہیں آتی تو ملاح مت بن۔

اطلس کو چھوڑ اپنی گدڑی سے کام رکھ۔
اگر تُو پتھر کی طرح بے حس یعنی خشیت وخوفِ آخرت سے محروم ہے تو جا کسی اللہ والے سے تعلق قائم کر ان کی صحبتِ فیض سے تو گراں قدر موتی بن جائے گا۔
اللہ والوں کی عیب جُوئی سے باز آ جا اور شاہ پر چوری کا الزام مت لگا کیونکہ اسے چوری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اَنْصِتُوْا را گوش کن خاموش باش
چوں زبان حق نگشتی گوش باش

حکمِ الٰہی اَنْصِتُوْا سُن اور خاموش ہو جا۔ اگر تُو حق کی زبان نہیں تو کان بن جا۔

حکایت نمبر ۸۳:

فریبی دُنیا

ایک مُلّا نے سر پر کلاہ نما دستار رکھی ہوئی تھی۔ خود کو بڑا فصیح و بلیغ اور یتیم خانے کا سرپرستِ اعلیٰ سمجھتا تھا......

یہ دستار ظاہری طور پر خوبصورت نظر آ رہی تھی لیکن اندر سے ایسے ہی تھی جیسے منافق کا دل ہوتا ہے۔ مُلّا کی یہ پگڑی نہ تھی بلکہ کبر کا ایک طلسم تھا جس میں رعونت بھری ہوئی تھی۔ دستار ایسی بھاری بھرکم نظر آتی تھی جیسے کپڑے کے ایک بڑے تھان سے بنائی گئی ہو، یہ پگڑی لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے بنائی گئی تھی تاکہ لوگ اسے ''بڑا عالم و فاضل سمجھیں'' بوسیدہ روئی کے گالے۔ پوستین کی دھجیاں اور بہت سے رنگ برنگے چھوٹے چھوٹے پیس اس کلھے والی دستار کی بنیاد تھے۔

ایک روز وہ مُلّا وزنی دستار پہنے ہوئے منہ اندھیرے صبح سویرے کسی پروگرام کے مطابق گھر سے نکلا۔ دُور سے ایک چور نے دیکھا کہ ایک قیمتی دستار والا چلا آ رہا ہے جب مُلّا اس کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ پگڑی بڑی شاندار ہے اور اس کا کپڑا بڑا قیمتی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے فن نے اسے مجبور کیا کہ وہ اس قیمتی دستار پر ہاتھ ڈالے۔ چور نے جھپٹ کر دستار مُلّا جی کے سر سے اُتار لی۔ وہ دستار پکڑ کر بازار کی طرف بھاگا تاکہ اسے بیچ کر فائدہ حاصل کرے۔ وہ خوشی سے اس طرح دوڑے جا رہا تھا کہ گویا اس کے ہاتھ

سونے کی کان لگ گئی ہو، مُلّا جی نے بڑے تحمل کے ساتھ پکار کر کہا! اومیاں جانے والے! پگڑی کھول کر اس کا ملاحظہ تو کر یہ کیا چیز ہے میری طرف سے تجھے حلال ہے پھر جی چاہے تو لے جانا، تُو اسے جلدی دیکھ لے دیر کرے گا تو اور زیادہ مایوس ہوگا۔ مُلّا جی کی آواز سُن کر چور نے بھاگتے ہوئے پیچ خم کھولنے شروع کر دیئے اس میں سے رنگ برنگے چیتھڑے اور دھجیاں نکل کر زمین پر گرنے لگیں۔ اتنی بڑی دستار سے صرف ایک گز بھر کپڑا اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔ اس میں کسی استاد درزی نے پیس بھر کر اسے نمائشی عمامہ بنایا ہوا تھا۔ چور یہ رنگ برنگے پیس دیکھ کر حیران و پریشان ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اس بکھرے ہوئے گلستان کا مالک مُلّا بھی چور کے قریب پہنچ گیا۔ چور کے ہاتھ میں قیمتی کاٹن کا وہ گز بھر جو کپڑا رہ گیا تھا۔ اس نے وہ بھی زمین پر غصّے سے پھینک دیا اور جھلا کر کہنے لگا: ''اے عیار اور مکار مُلّا تُو نے یہ کیسا فریب کا جال بچھا رکھا تھا؟ میری ساری محنت اکارت گئی۔ تُو نے میرے ساتھ دھوکہ کیوں کیا؟ ایسا کام کرتے ہوئے تجھے ذرا حیا نہ آئی۔ مجھے فضول ہی ایک گناہِ بے لذت میں مبتلا کر دیا۔ ''خدا سے ڈر'' اور دھوکہ بازی چھوڑ دے۔ مخلوقِ خدا کا ایمان کیوں ضائع کر رہا ہے۔ یہ دستار تجھی کو مبارک ہو۔ ہم تو خیر بدنام تھے ہی مگر تُو تو ہمارا بھی گرو نکلا......''۔ مُلّا نے کہا: ''عزیزم! بے شک میں نے دھوکہ کیا مگر تجھے اس......دنیا......کی حقیقت سے بر وقت آگاہ بھی کر دیا ہے۔''

درسِ حیات:

☆ اس دُنیا کی مثال بھی اس خوشنما دستار کی طرح ہے۔ بظاہر دیکھنے والے کو یہ دنیا بھی بڑی بھاری اور بیش قیمت نظر آتی ہے مگر اس کے اندر جو عیب پوشیدہ ہیں یہ انہیں نظر نہیں آتے اے نوجوان! بہاروں کی یہ دلفریبی اور سحر انگیزی زیادہ دیر نہیں رہتی۔ خزاں کی سردی اور زردی بھی ضرور آتی ہے۔

اے صوفی! جن کی وفاؤں پہ بڑا ناز تھا
وہ بھی ہواؤں کی طرح رُخ بدل گئے

حکایت نمبر ۸۴:

اپنی ذات کی نفی

اک طبیعت کی اداسی کا اثر اتنا ہے
سارا عالم نگہِ یاس میں ویرانہ ہے

محبوبِ کے رُخِ زیبا کو دیکھنے کے لئے عاشق درِ معشوق پر پہنچا اور دوست کے دروازے پر دستک دی...... اندر سے جانِ جاناں نے پوچھا کون ہے؟...... باچشمِ گریاں وسینۂ بُریاں عاشق نے جواب دیا! ''میں'' ہوں۔ دیدار کی حاجت ہے...... اندر سے جواب آیا ۔

گفت من گفتش بروهنگام نیست
برچنیں خوانے مقام خام نیست

محبوب نے کہا: اے شخص چلا جا ابھی ملاقات کا وقت نہیں ہوا کچی چیز کا دسترخوان پر کیا کام؟ میرے دوستوں میں ''میں'' نامی کوئی شخص نہیں ہے تجھ سے ابھی غرور کی بُو آتی ہے۔ تُو ابھی عشق میں پختہ نہیں ہوا۔ چونکہ ابھی تک تیری ''میں'' تجھ سے نہیں گئی...... تجھے مزید ہجر کی تیز آگ میں جلنا چاہیے۔ ہجر و فراق کی آگ میں جلے بغیر خام شے بھلا کیسے پختہ

ہو سکتی ہے...... عاشق بے چارا اپنا سامنہ لے کر واپس چلا گیا اور ''ایک سال'' تک فراقِ یار میں چنگاریوں پر جلتا رہا۔ حیران و سرگرداں محبوب کی جدائی کا صدمہ سہتا رہا...... ''پختہ گشت آں سوختہ'' یہاں تک کہ ہجر کی آگ نے اسے پختہ کر دیا۔

عہد جوانی رو رو کاٹا! پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا
ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں، ہم کو عبث بدنام کیا

''حال وانگ سودایاں'' بنائے ہوئے وہ پھر درِ محبوب پر حاضر ہوا نہایت خوف اور ادب سے دروازے پر دستک دی تا کہ کوئی بے ادبی سرزد نہ ہو جائے گھر کے اندر سے آواز آئی دروازے پر کون ہے؟ عاشق نے نہایت ادب کے ساتھ جواب دیا اے میری جان! دروازے پر بھی ''تُو ہی ہے''۔

محبوب یہ سُن کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا! اب تجھ سے ''میں'' دُور ہو گئی ہے۔ اب تو اندر چلا آ ''جب ہم ایک ہو گئے ہیں تو پھر دُوری کیسی، پہلے تُو مدعی اُنانیت تھا اس لئے ہم نے تمہیں اندر آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

نیست سوزن راہ سر رشتہ دوتا
چونکہ یکتائی دریں سوزن درآ

سوئی میں دو دھاگے نہیں ہوتے۔ یعنی ایک سوئی اور دو دھاگے یہ کیا جب تُو ایک بن گیا ہے...... سوئی میں آ جا۔ یہاں دو (۲) ''میں'' نہیں سما سکتے اب ہم دونوں ایک ہو گئے ہیں لہٰذا اب جدائی کی گھڑیاں ختم ہو گئیں۔

درسِ حیات:

☆ اپنی ذات کی نفی کئے بغیر منزل پانا ممکن نہیں۔ ''میں'' کہنے میں نامرادی ہے

''میں'' کو مارے بغیر کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی دانہ مٹی میں مل کر گلِ گلزار ہوتا ہے۔ ؎

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اِک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو!
ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے

حکایت نمبر ۸۵:

جاہل بڑھیا

بادشاہ کے محل سے شاہی باز اُڑ کر کہیں چلا گیا، بادشاہ سلامت کو باز سے بڑی محبت تھی۔ اس لئے بادشاہ خود اسے تلاش کرنے کے لئے محل سے نکلا، باز اُڑ کر ایک بڑھیا کے گھر جا بیٹھا۔ بڑھیا اس خوبصورت پرندے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اس کو پکڑ کر کہنے لگی تُو کس نا اہل کے ہتھے چڑھا ہوا تھا۔ ہائے ظالم نے تیری قدر نہ جانی تیرے ناخن اور پَر کس قدر لمبے ہو گئے ہیں یہ کہہ کر اس نے باز کے پاؤں باندھے اور اس کے پر اور ناخن کاٹ ڈالے۔

جاهل ار باتو نماید همدلی

عاقبت زحمت زند از جاهلی

جاہل اگرچہ تجھ سے ہمدردی ظاہر کرے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے بالآخر تجھے تکلیف ہی دے گا۔

بادشاہ سارا دن باز کو تلاش کرتے کرتے آخرکار اس بڑھیا کے گھر پہنچا...... باز کو اس حال میں دیکھ کر بادشاہ رو پڑا اور توجہ کرنے لگا۔

گفت ہر چند ایں جزائے کارِ تست
کہ نباشی در وفائے ماد رست

بادشاہ کہنے لگا: حقیقت میں تیری اس بے وفائی کی یہی سزا ہے کیونکہ تو ہماری وفاداری پر قائم نہ رہا، باز اپنے پروں کو شاہ کے ہاتھ پر ملنے لگا اور زبانِ حال سے کہنے لگا کہ ''میں نے آپ سے علیحدگی کا انجام دیکھ لیا۔ یہ مجھ سے سخت خطا سرزد ہوئی۔ اے بادشاہ! میں شرمندہ ہوں......توبہ کرتا ہوں اور تجھ سے ''نیا عہد و پیمان کرتا ہوں'' اگر تُو مجھے نہ بخشے گا تو پھر میں کس کے دروازے پر جاؤں گا؟ اگر تیرا لطف و کرم میرے شاملِ حال ہو جائے تو ناخنوں اور پروں کے بغیر بھی میں شہباز ہوں۔'' باز کی پشیمانی اور گریہ وزاری کو دیکھ کر بادشاہ کے دل میں رحم آ گیا، بادشاہ نے پھر اس کو اپنا محبوب بنا لیا۔

ہر کہ با جاہل بود ہمراز باز
آں رسد با او کہ باآں شاہ باز

جو شخص کسی جاہل کی صحبت اختیار کرے گا، اس کا بھی یہی حال ہو گا جو اس باز کا ہوا۔ باز کے پَر اور ناخن ہی تو اس کے کمالات ہیں جن سے وہ شکار کرتا ہے۔ جاہل بڑھیا کو وہی کمالات معیوب نظر آئے، جس کی وجہ سے ظالم نے باز کو بالکل ہی بیکار کر دیا۔

درسِ حیات:

☆ یہ دُنیا بھی اس جاہل بوڑھی عورت کی مانند ہے جو شخص اس کی طرف مائل ہو گا وہ بھی ذلیل اور رسوا ہو جائے گا۔ اگر تُو بھی اپنی جان پر ظلم کر بیٹھا ہے تو بارگاہِ بے کس پناہ سے معافی مانگ لے۔

رحمتم موقوف آں خوش گریہ ہاست
بعد ازاں از بحر رحمت موج خاست

جب اِنسان پشیمانی کی حالت میں گریہ وزاری کرتا ہے تو اس وقت رحمتِ الٰہی کا دریا جوش میں آ جاتا ہے۔ پھر رونے والے کا دامن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بھر دیتا ہے۔

حکایت نمبر ۸۶:

پیٹ میں سانپ

ایک آدمی جنگل و بیابان میں پیدل سفر کر رہا تھا۔ پُر صعوبت سفر کی وجہ سے...... وہ تھک گیا، تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے وہ ایک سایہ دار درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ تھکاوٹ کی وجہ سے اس پر نیند کا غلبہ ہو گیا۔......دُور سے ایک عقلمند گھڑ سوار آ رہا تھا کچھ فاصلے پر اس گھڑ سوار کی نظر اس سوئے ہوئے آدمی پر پڑی جس کے چہرے پر ایک سیاہ سانپ بیٹھا ہوا تھا۔ سوئے ہوئے آدمی کو اس سانپ سے بچانے کی خاطر وہ گھوڑے سے نیچے اترنے ہی والا تھا، کہ وہ سیاہ سانپ اس سوئے ہوئے آدمی کے منہ میں داخل ہو کر اس کے پیٹ میں چلا گیا۔ گھوڑے سوار نے جب یہ ماجرا دیکھا تو اس نے سوچا کہ سانپ کو اس کے پیٹ سے کس طرح نکالنا چاہیے فوراً اسے ایک ترکیب سوجھی اس نے سوئے ہوئے نادان غافل آدمی کو زور زور سے دو چار گھونسے مارے وہ بلبلا کر اُٹھا اور گھبرا کر بھاگا۔ گھوڑے سوار نے بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا راستے میں ایک سیب کے درخت کے نیچے کچھ کچے پکے سیب گرے ہوئے تھے۔ گھڑ سوار نے اسے کہا: ''یہ سیب اُٹھا کر کھانے شروع کر دو ورنہ میں مار مار کر تمہارا کچومر نکال دوں گا''۔ ''مرتا کیا نہ کرتا'' اس نے وہ کچے پکے سیب کھانے شروع کر دیئے۔ جب وہ سیب کھا کھا کر تھک گیا اور اس کے معدے میں گنجائش نہ رہی تو اس کا جی متلانے لگا۔ پھر اس گھوڑے سوار نے کہا: ''میرے

آگے آگے بھاگو اگر کہیں دم لیا تو میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گا"۔ وہ مسافر پھر دوڑ نے لگا۔ جب دوڑتے دوڑتے تھک کر ستانے لگا تو گھوڑے سوار نے پھر اسے ایک زوردار گھونسہ رسید کیا۔ وہ بے چارا ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا: "میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے آپ مجھے کس جرم کے عوض سزا دے رہے ہیں اگر تمہیں مجھ سے کوئی پیدائشی دشمنی ہے تو میرا سر کاٹ دو! کم از کم اس طرح مجھے تڑپا تڑپا کر تو نہ مارو۔ کیسی وہ منحوس گھڑی تھی جب تیری نظر مجھ غریب پر پڑی تھی۔ اے اللہ کے بندے! نہ میں نے کسی کی امانت میں خیانت کی ہے اور نہ ہی میری اور کوئی تقصیر ہے، جو تم مجھے اس طرح ستا رہے ہو۔ دیکھنے میں تو تم مسلمان نظر آرہے ہو لیکن ایسا بے جا ظلم تو کوئی کافر بھی نہیں کرتا"۔ گھوڑے سوار نے کہا: "اگر تُو جان کی امان چاہتا ہے تو ناک کی سیدھ میں بھاگ۔ تھوڑی دیر بعد تمہیں خود بخود پتا چل جائے گا"۔ وہ روتا آہ وزاری کرتا اور اسے بددعائیں دیتا ہوا پھر بھاگنے لگا۔ سیبوں سے معدہ پُر تھا۔ اس طرح بھاگنے سے اس کا دل متلانے لگا اور صفرا ہیجان میں آیا وہ بھاگتے ہوئے منہ کے بل گر پڑا اور قے پر قے کرنے لگا" آناً فاناً سارا کھایا پیا باہر آ گیا"...... اسی سے وہ سیاہ سانپ بھی اس کے پیٹ سے نکل آیا۔ جب اس کی نظر سانپ پر پڑی تو وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ چند لمحے پہلے جو اس پر تکلیفوں کا پہاڑ گرا ہوا تھا۔ وہ ساری تکلیف جاتی رہی۔ پھر وہ بے اختیار اس عقلمند گھوڑے سوار کے قدموں میں گر پڑا اور گڑ گڑا کر اپنے کہے سنے کی معافی مانگی کہ تُو "میرے لئے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوا ہے"۔ اب اسے سمجھ آئی کہ اس گھڑ سوار نے کس غرض سے اسے مارا پیٹا اور دوڑایا بھگایا۔ اس نے گھوڑے سوار کا دل و جان سے شکریہ ادا کیا۔ تُو میرا سردار اور ولی نعمت ہے "مبارک تھی وہ گھڑی کہ تُو نے مجھے اس حالت میں دیکھ لیا" ورنہ میرا تو کام تمام ہو چکا تھا۔ تیرے سبب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے نئی زندگی عطا فرمائی ہے۔ افسوس کہ تُو مجھ پر ماؤں جیسی شفقت کر رہا تھا"، اور میں تجھ سے گدھوں کی طرح بھاگ رہا تھا...... اے اللہ کے نیک بندے! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تُو دراصل میرا بہی خواہ اور محسن ہے تو میں اپنی زبان سے بے ہودہ بکنے کی بجائے تیری تعریف میں رطب اللسان ہوتا۔ تیری خاموشی نے مجھے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا...... اگر نیک بخت تُو مجھے حقیقتِ حال سے آگاہ کرتا تو میں اپنے محسن کو ایسے بُرے الفاظ سے یاد نہ کرتا گھڑ سوار نے کہا اگر میں اس

بات کی طرف ذرا اشارہ بھی کر دیتا کہ تیرے پیٹ میں سانپ چلا گیا ہے تو اسی وقت دہشت سے تیرا ''پِتّہ'' پھٹ جاتا اور تُو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔اس وقت نہ تجھے کچے پکے سیب کھانے کی ہمت پڑتی اور نہ ہی قے کا طریقہ سوجھتا۔

مصطفٰے صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم گوید اگر گویم بر است
شرح آن دشمن که درجاں شماست
زهر هائے پر دلاں برهم درد
نے رودره نے غم کارے خورد

غمخوار مدنی تاجدار صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم نے فرمایا: اگر اس دشمن کا حال جو تمہارے اندر چُھپا بیٹھا ہے کھول کر بیان کر دوں تو بڑے بڑے بہادروں کے پِتّے پھٹ جائیں اور کسی کو نہ راستہ چلنے کا ہوش رہے اور نہ کسی کو کام کی فکر۔

درسِ حیات:

☆ جس چیز کو تم زحمت سمجھتے ہو شاید وہ تمہارے حق میں رحمت ہو۔
☆ دانا دشمن نادان دوست سے بہتر ہے۔
☆ تعلیم وتربیت کے معاملے میں والدین اور اساتذہ بچوں پر جو سختی کرتے ہیں، وہ بچے کے حق میں بہتر ہوتی ہے مگر...... بچہ نادانی اور بے خبری کی وجہ سے اس سختی کو ظلم وستم اور زیادتی سمجھ کر اپنے مستقبل کی راہوں کو تاریک کر لیتا ہے جب وقت گزر جاتا ہے تو پھر یہ ایسی دلدل میں پھنس جاتا ہے کہ ایک پاؤں نکالتا ہے تو دوسرا پھنس جاتا ہے۔

حکایت نمبر ۸۷:

عقلمند خرگوش

ایک جنگل میں تمام جنگلی جانور خونخوار شیر سے بہت پریشان رہتے تھے۔ اس سرسبز جنگل میں ہر قسم کے جانوروں نے اپنے اپنے ٹھکانے بنا رکھے تھے۔ وہ جنگل میں آزادی کے ساتھ اُچھل کود اور گھوم پھر نہیں سکتے تھے خونخوار شیر نے تمام جانورں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ ہر وقت ان کی گھات میں رہتا تھا کوئی دن نہ جاتا تھا جب کہ وہ کسی نہ کسی جانور کو اپنا لقمہ نہ بنا لیتا غرض کوئی جانور بھی اس جنگل میں اپنی جان کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔

سب جانور اس پریشانی میں مبتلا تھے کہ اگر اسی طرح ہی لیل و نہار گزرتے رہے تو ہمارا جلد خاتمہ ہو جائے گا۔ سب جانوروں نے مل کر ایک تجویز سوچی اور پھر ایک دن شیر کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگے: ''جہاں پناہ! آپ ہمارے بادشاہ ہیں اور ہم رعایا۔ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم آپ کی آسائش اور خوراک کا خیال رکھیں، ہم ہر روز وقتِ مقررہ پر آپ کو ایک جانور مہیا کر دیا کریں گے۔ آپ کو آگے پیچھے جا کر تکلیف فرمانے کی حاجت نہیں رہے گی۔ ہماری صرف اتنی التجا ہے کہ آپ ہم سب کے لئے پریشانی کا باعث نہ بنیں تا کہ ہم جنگل میں بے خوف و خطر گھوم پھر سکیں۔''

شیر نے کہا: ''ہم ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر کچھ کھانا حلال نہیں سمجھتے پہلے کوشش پھر توکّل ہمارا خاصہ ہے، حرکت میں برکت ہے مجھے اللہ نے ہاتھ پاؤں دیئے ہیں میں ان

سے کام لوں گا۔ میں غیر کا مارا ہوا کیوں کھاؤں۔"

عهدها کردند باشیرِ ژیان
کاں دریں بیعت نیفتد درزیاں

الغرض خونخوار شیر سے انہوں نے عہد کیا کہ اس قول وقرار میں تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ زندہ جانور وقتِ مقررہ پر آپ کے پاس پہنچ جایا کرے گا آپ خود اس کا شکار کر کے کھالیا کریں۔

کافی بحث وتکرار کے بعد شیر نے ان کی یہ تجویز منظور کر لی۔ اس معاہدے کے بعد تمام جانور روزانہ ایک مقررہ جگہ پر اکٹھے ہوتے۔

قرعه بر هر کو زند اُو طُعمه است
بے سخن شیر ژیاں را لقمه است

تمام جانوروں میں قرعہ اندازی کی جاتی جس کا نام قرعہ اندازی میں نکل آتا وہ بلا حیل وحجت شیر کی خوراک بننے کیلئے روانہ ہو جاتا۔ اس معاہدے پر کافی عرصہ عمل درآمد ہوتا رہا۔ تمام جانور جنگل میں بے فکر ہو کر گھومتے پھرتے چونکہ شیر کو باقاعدہ کھانا مل رہا تھا اس لئے وہ بھی جانوروں کو ناحق تنگ نہیں کرتا تھا۔ اس معمول کی قرعہ اندازی میں ایک دن خرگوش کے نام قرعہ نکل آیا۔

چوں بخرگوش آمد ایں ساغر بدُور
بانگ زد خرگوش کا خر چند جور

جب یہ ساغر دَور خرگوش کے پاس آیا تو اس نے پکار کر کہا: اے دوستو! یہ ظلم وستم کب تک جاری رہے گا۔ یہ ہماری قربانیوں کا سلسلہ ختم بھی ہوگا کہ نہیں۔ دوسرے جانوروں نے جب خرگوش کے یہ تیور دیکھے تو انہوں نے کہا ہم نے اتنے دن تک اپنا وعدہ پورا کیا۔ اب تُو ہم کو رُسوا نہ کر، ورنہ شیر پھر سے شکار کرنا شروع کر دے گا۔ اس طرح پھر ہم

سب کی جان ہلاکت میں پڑ جائے گی۔خرگوش نے کہا۔

گفت اے یاراں مرا مہلت دھنید

تابمکرم از بلا ایمن شوید۔

"دوستو! مجھے مہلت دو کہ شیر کے ظلم وستم کے پنجے سے جان چھڑانے کے لئے کوئی تدبیر کروں تا کہ ہم اس مصیبت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بے خوف ہو جائیں"۔ دوسرے جانوروں نے کہا:"اے گدھے ہماری بات مان جا تُو اپنی قدر پہچان" "چھوٹا منہ بڑی بات" "یہ کام تمہارے بس کا نہیں۔" خرگوش نے کہا:" خدا چیونٹی سے ہاتھی مروا سکتا ہے ذرا صبر سے کام لو اور دیکھو کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔"

گفت اے یاراں حقم الھام داد

مرضعیفے راقوی راے فتاد

وہ کہنے لگا دوستو! مجھے خدا نے الہام کیا ہے مجھ جیسے ایک کمزور کے ذہن میں ایک مضبوط رائے آ گئی ہے۔...... جانوروں نے اس سے پوچھا تمہارے ذہن میں کونسی بات آئی ہے۔ہمیں بھی اس سے آگاہ کر...... مشورہ کر لینا عقلمندی ہے۔اس سے مزید روشن پہلو سامنے آجاتے ہیں۔

خرگوش نے کہا! راز برسرِ عام کھولنا بے وقوفی ہے کیونکہ اس سے جان کا خطرہ ہوتا ہے۔

گفت ہر رازے نشاید باز گفت

اس نے کہا! ہر راز کہنے کے لائق نہیں ہوتا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان تین چیزوں کے متعلق لب کشائی نہیں کرنی چاہیے...... ذہاب (سفر) ذہب (سونا یعنی مال دولت) اور مذہب (منزل) یہاں مذہب سے مراد منزل لی گی ہے اس سے یہاں دین مراد لینا مناسب نہیں۔ (کیونکہ ان تینوں چیزوں کے دشمن اور مخالف بہت ہوتے ہیں)

ساعتے تاخیر کرد اندر شدن

(خرگوش گھر بیٹھا رہا) اور وقتِ مقررہ سے تقریباً ایک گھنٹہ تاخیر سے روانہ ہوا۔
شیر کو جب وقتِ مقررہ پر خوراک نہ ملی تو اس کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ بار بار زمین پر پنجے مارتا اور کہتا کہ افسوس میں ان کمینوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا۔
نااہل حکمران جب موقع محل کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو پھر اپنی اس بے وقوفی کے سبب پریشانی اُٹھاتا ہے شیر غصے کی حالت میں گرج رہا تھا۔ اس نے دُور سے خرگوش کو تیزی سے اپنی طرف آتے دیکھا۔ جب وہ قریب آیا تو شیر نے غرّا کر کہا...... اے کمینے نابکار تُو نے اتنی دیر کیوں لگا دی......؟ خرگوش نے دست بستہ عرض کیا کہ اے بادشاہ سلامت اگر جان کی امان پاؤں تو دیر سے آنے کی وجہ بیان کروں اے جنگل کے بادشاہ تم پر ہم سب جانور قربان...... آج میں اور میرا ایک بھائی خوانِ شاہی کے لئے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک اور شیر نے ہمیں آ گھیرا اس نے ہم دونوں کو لقمہ تر بنانا چاہا ہم نے اسے بتایا کہ ہم اپنے شہنشاہ کی طرف جا رہے ہیں اور ہمیں وقت پر پہنچنا ہے اس نے کہا بادشاہ میں ہوں تمہیں اور کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں اس نے میرے ساتھی کو جو مجھ سے زیادہ خوبرو اور صحت مند تھا اسے پکڑ لیا اور میں بڑی مشکل سے جا بچا کر ادھر بھاگ آیا......

گفتمش بگزار تا بار دگر
روئے شہ بینم برم از تو خبر

میں نے اس سے کہا تُو مجھے چھوڑ دے تاکہ میں اپنے بادشاہ کی زیارت کر لوں اور اسے تیرے متعلق آگاہ کر دوں...... اے بادشاہ سلامت! آئندہ اس شیر کی وجہ سے راستہ بند ہو گیا ہے اگر تُو معمول کے مطابق روزینہ چاہتا ہے تو پہلے ہمارا یہ راستہ صاف کرو۔
خرگوش کی یہ باتیں سُن کر شیر کا خون کھول اُٹھا اور غضبناک ہو کر کہنے لگا وہ کون ہے؟ جس نے میری عملداری میں قدم رکھا اور میرا شکار چھین لیا، میں جب تک اس کا کام تمام نہ کر لوں گا۔ کھانا حرام سمجھوں گا۔ اے خرگوش میرے ساتھ چل اور مجھے اس نابکار کا پتہ

دے۔

خرگوش رہبر کی طرح اس کے آگے آیا تا کہ اسے اپنے جال کی طرف لے کر چلے۔

خرگوش کے مکر کا جال شیر کا پھندا تھا۔ عجیب خرگوش تھا کہ شیر کو اُچک لے گیا......

''دُشمن اگر تجھ سے دوستانہ بات کرے تو جال سمجھ اگر چہ وہ تیرے حق میں بہتر ہی کہہ رہا ہو۔ اگر وہ تجھے شکر دے تو تُو اسے زہر سمجھ اور اگر تجھ پر وہ مہربانی کرے تو قہر سمجھ......''

خرگوش بڑے حوصلے اور اعتماد کے ساتھ شیر...... کے آگے آگے چل رہا تھا۔ ایک شکستہ کنویں کے قریب وہ ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

گفت پاواپس کشیدی تو چرا
پائے را واپس مکش پیش اندر آ

شیر نے للکار کر کہا آگے بڑھ پیچھے قدم کیوں ہٹاتا ہے...... خرگوش نے کہا سرکار! میرے ہاتھ پیر جواب دے گئے ہیں۔ میری رُوح کانپ رہی ہے اور دل دھڑک رہا ہے۔ کیونکہ وہ ظالم شیر اسی کنویں میں رہتا ہے اور میرے ساتھی کو پکڑ کر اسی کنویں میں لے گیا ہے اس خوف سے مجھے آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہو رہی۔ حضور! اگر آپ مجھے اپنی بغل میں اُٹھا لیں تو پھر میں آگے بڑھ سکتا ہوں۔ شیر نے خرگوش کو بغل میں لے لیا اس طرح وہ دونوں کنویں کے قریب پہنچے۔

شیر عکس خویش دید از آب تفت
شکل شیر و در برش خرگوش رفت

شیر نے خرگوش کو اپنی بغل میں لئے کنویں میں جھانکا تو اسے اپنا اور خرگوش کا عکس پانی میں دکھائی دیا۔ اس نے سمجھا کہ واقعی کوئی شیر خرگوش کو پکڑے کھڑا ہے ''جب قضا آتی ہے تو عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے''۔

شیر نے غضب ناک ہو کر آؤ دیکھا نہ تاؤ خرگوش کو وہیں چھوڑا اور خود اس نے

کنویں میں چھلانگ لگا دی۔ کنواں بہت گہرا تھا۔ خرگوش نے جب یقین کر لیا کہ اب اسکا باہر نکلنا محال ہے اور اب یہ کنویں کے اندر ہی مر جائے گا تو فرطِ مسرت سے قلابازیاں کھاتا ہوا جنگل کی طرف بھاگا اور جا کر اپنی قوم کو اس ظالم کی ہلاکت کی خوشخبری سنائی اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس ظالم کے ظلم و ستم سے نجات دے دی ہے۔

شد سرِ شیراں عالم جملہ پست
چوں سگِ اصحاب دارند دست

دنیا کے تمام شیروں کا سر جھک گیا جب قضا و قدر نے اصحابِ کہف کے کتے کو غلبہ دیا...... تمام جانوروں نے خرگوش کو اس کی عقل مندی پر داد دی۔

تو فرشتہ آسمانی یا پری
یا تو عزرائیل شیران نری

جانوروں نے کہا تو آسمانی فرشتہ ہے یا پری یا تو پھر نر شیروں کا ملک الموت ہے...... تجھے یہ تدبیر کیسے سوجھی تُو نے اس ظالم کو کیسے ہلاک کیا...... خرگوش کہنے لگا......

گفت تائید خدا بود اے مہاں
ورنہ خرگوشے چہ باشد در جہاں

اے دوستو! یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوا ہے ورنہ میری کیا طاقت تھی کہ اس ظالم سے عہدہ برآ ہوتا۔ تعریف اور شکر کے لائق وہی پاک ذات ہے۔ جس نے مجھ کو عقل، حوصلہ اور سمجھ عطا کی۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں
ماند خصمے زاں تبرد اندروں

اے ساتھیو! ہم نے باہر کا دشمن مار ڈالا لیکن اس سے زیادہ بدترین دشمن ہمارے اندر بیٹھا ہے اب اس کی فکر کرو۔ باطن کے شیر کو قابو کرنا خرگوش جیسے جانور کا کام نہیں۔

سهل شیرے داں که صفها بشکند
شیر آنست آں که خود را بشکند

درسِ حیات:

☆ صفیں پچھاڑنے والا شیر بننا تو آسان ہے لیکن حقیقی شیر تو وہ ہے جو اپنے (نفسِ امارہ) کو قابو کرے اور اسے شکست دے۔

حکایت نمبر ۸۸:

نوح علیہ السلام کا بیٹا

روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کی نافرمانی سے بہت عاجز تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ یاالٰہی! اِس نافرمان قوم پر اپنا عذاب نازل فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی یہ دُعا قبول کی اور ارشاد فرمایا کہ میں بہت جلد زمین پر ایک زبردست عذاب نازل کرنے والا ہوں۔ تُو اپنے اور اہل وعیال کے لئے ایک کشتی بنالے۔ ''حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق ایک کشتی تیار کرلی۔

مقررہ وقت پر جب طوفانی سیلاب آیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے نافرمان بیٹے کو بھی کشتی میں بیٹھنے کو کہا ''اے بیٹا اگر تُو اپنی سلامتی چاہتا ہے تو ہمارے ساتھ کشتی میں آجاؤ' ورنہ پانی میں ڈوب جاؤ گے۔''

کنعان (حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا) تیراکی میں ماہر تھا اور وہ اپنی اس خوبی پہ بہت مغرور تھا۔ اس نے بڑی بدتمیزی سے اپنے والدِ محترم کو جواب دیا ''اے نوح! تُو ہمارا دشمن ہے۔ ہمیں تمہاری اس کشتی کی ضرورت نہیں۔ میں فنِ تیراکی میں ماہر ہوں' میری شمع اندھیرے میں روشنی کرنے کے لئے میرے پاس موجود ہے۔ پھر میں کیوں تیری شمع کی پرواہ کروں؟''

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا ''بیٹا! کلمۂ بد اپنی زبان سے مت نکال۔ یہ طوفان

عذابِ الٰہی ہے' مہیب بَلا ہے۔ تیری تیراکی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ تم اتنا نہیں تیر پاؤ گے، آخر کہاں تک تیر و گے؟؟؟ ہاتھ پاؤں کام کرنا چھوڑ دیں گے۔ یہ عذابِ الٰہی ساری شمعیں بُجھا دے گا' اور صرف حق کی شمع جلتی رہے گی۔ بیٹا! میری بات مان لو اور کشتی میں آ جاؤ۔"

کنعان نے ہنس کر کہا "اے نوح علیہ السلام! تُو میری فکر نہ کر' میں سب سے اونچے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور پہاڑی کی چوٹی تک پانی کبھی نہیں پہنچ سکتا۔"

بیٹے کی یہ بات سُن کر حضرت نوح علیہ السلام چیخ اُٹھے "اے بے خبر! ایسا مت کرنا۔ اس طوفان میں اُونچے سے اُونچا پہاڑ بھی مٹی کے ذرے کی طرح حقیر ہے اور اللہ اپنے دوستوں کے علاوہ کسی کو بھی اس عظیم عذاب سے نہ بچائے گا۔ میری بات مانو' ضد اور غرور چھوڑ دو اور اس کشتی میں آ کر بیٹھ جاؤ، سلامت رہو گے۔"

کنعان نے جواب دیا "اے نوح علیہ السلام! میں نے پہلے کبھی تیری نصیحت مانی تھی جو اب مانوں گا؟ تُو مجھ سے اس بات کی امید کیوں کرتا ہے کہ میں تجھے سچا مانوں گا۔ یاد رکھ میں دونوں جہانوں میں تجھ سے الگ ہوں۔"

غرضیکہ حضرت نوح علیہ السلام نے ہر طرح سے اپنے بیٹے کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے اور سمجھانے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ اس بد بخت نے بحث و تکرار جاری رکھی یہاں تک کہ ایک سر بفلک اور تیز و تند موج آئی اور کنعان کا سارا غرور اس میں بہہ گیا۔ بیٹے کا عبرت خیز منظر دیکھ کر آپ علیہ السلام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا "اے رحیم و کریم اور تمام جہانوں کے مالک! تُو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میرے اہل بیت اس طوفان سے محفوظ رہیں گے، پھر یہ کیا۔۔۔ میرا بیٹا ہی۔۔۔؟؟؟"

حق تعالیٰ نے جواب دیا "اے نوح علیہ السلام! جسے ہم نے غرق کیا' وہ ہرگز بھی تیرے اہل بیت میں سے نہ تھا۔ دیکھو جب تیرے دانت میں کیڑا لگ جائے' تب تُو اس دانت کو اُکھاڑ دے' بے شک وہ تیرے وجود کا حصہ ہے۔ لیکن جب وہ تکلیف دیتا تو تُو اس سے بیزار ہو جاتا اور خود سوچتا کہ اس کا نکال ڈالنا ہی بہتر ہے، ورنہ باقی دانت بھی بے کار ہو جائیں گے۔"

یہ سننا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئے اور کہنے لگے "اے میرے پروردگار! میں پناہ مانگتا ہوں اور تیری ذات کے علاوہ ہر غیر سے بیزار ہوں۔ پس تُو مجھے معاف کر دے۔"

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "اے نوح جو جو اس طوفان میں غرق ہوا ہے وہ سب نافرمان تھے' مگر تو چاہے تو میں ان سب کو ایک ہی لحمہ میں دوبارہ پیدا کر دوں لیکن ایک کنعان کے لئے میں تجھے آزردہ نہ کروں گا لیکن پھر کہتا ہوں وہ تیری اہل میں سے نہ تھا۔"

یہ ارشاد سنتے ہی حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا "اے میرے پروردگار! میں ایسا نہیں چاہتا۔ میں تو تیرے ہر کام میں راضی ہوں۔ اگر تجھے منظور ہو تو تُو مجھے بھی اس عذاب میں غرق کر دے' میں راضی برضا ہوں' اگر تُو مجھے ہلاک کر دے گا تو وہ موت بھی میرے لئے زندگی ہی کی طرح ہو گی۔ میں تیری ذات کے علاوہ کسی اور پر نظر نہ رکھوں گا۔"

درسِ حیات:

☆ جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور پر نظر رکھتا ہے وہ ذلیل و خوار ہو کر کفر میں مبتلا ہوتا ہے۔

حکایت نمبر۸۹:

حضرت یوسف علیہ السلام اور نظارۂ حسن

حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک بہت پرانا دوست بڑی مدت کے بعد آپ علیہ السلام سے ملنے آیا۔ وہ بڑے ملکوں کی سیر اور تجربہ حاصل کر کے آیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے اس نے بحروبر کے تمام عجیب وغریب قصے سنا ڈالے۔ پھر آپ علیہ السلام سے ظالم اور حاسد بھائیوں کا حال دریافت کیا تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا ''وہ کہانی دراصل ایک آزمائش تھی اور میں شیرِ نر۔ ظاہر ہے زنجیر میں جکڑ جانے کے بعد بھی شیر شیر ہی رہتا ہے، نہ کہ گیدڑ بن جاتا ہے اور نہ ہی اس کی بے عزتی ہوتی ہے۔ اگر شیر کی گردن میں زنجیریں پڑی ہوں تب بھی وہ بادشاہ ہی رہتا ہے''۔

آپ علیہ السلام کی زبان سے یہ کلمات سُن کر دوست نے آفرین کہا اور پھر سوال کیا کہ ''تم پر کنعان کے کنویں اور مصر کے قید خانے میں کیا گزری؟''

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا ''وہی گزری جو چاند گرہن اور زوال کی راتوں میں چاند پر گزرتی ہے۔'' جب باتیں ہو چکیں تو آپ علیہ السلام نے اپنے دوست سے پوچھا کہ ''تم میرے لئے کیا سوغات لائے ہو؟ کیا تم نے سنا نہیں کہ دوستوں کے گھر خالی ہاتھ جانا ایسا ہی ہے جیسے پن چکی پر گیہوں کے بغیر جانا۔''

آپ علیہ السلام کے دوست نے کہا ''بہت شرمندہ ہوں، میں آپ کیلئے کیا تحفہ لاتا،

آپ علیہ السلام دین و دنیا کے بادشاہ ہیں۔ ایک حقیر قطرہ، دریا کو اور ایک ذرہ، صحرا کو کیا تحفہ پیش کر سکتا ہے؟ اے میرے دوست! تیرا حسن حسنِ لا جواب ہے۔ جس کی دید سے دوسرے لوگ تو بہرہ ور ہوتے ہیں مگر آپ علیہ السلام خود اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔۔۔ لہٰذا میں آپ کے لئے ایک ایسی چیز لایا ہوں کہ جس سے آپ علیہ السلام اپنے حسن کا نظارہ کر سکیں گے اور پھر مجھے یاد کریں گے۔

یہ کہہ کر اس نے آپ علیہ السلام کو ایک آئینہ نکال کر تحفہ دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنا حسن دیکھا تو گر پڑے۔

زلیخا نے سنا تو کہا:

اب تو میری قدر پہچانے گا تُو
عاشقوں کے درد کو جانے گا تُو
تُو کہا کرتا تھا سودائی مجھے
میں نظر آتی تھی دیوانی تجھے
اب پتہ تجھ کو لگا اے بے خبر
حسن کا ہوتا ہے کیا دل پر اثر

درسِ حیات:

☆ آئینہ ایک ایسا دِلکش تحفہ ہے کہ حسین اس میں اپنا نظارہ کرنے میں اتنے محو ہو جاتے ہیں کہ دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے ہیں، بعینہ اللہ تعالیٰ کے حسن کا نظارہ کرنے والے بزرگ و درویش دُنیا سے بے خبر ہو کر اسی میں محوِ تماشا رہتے ہیں۔

حکایت نمبر ۹۰:

حسد کی بدولت

اکثر اوقات انسان کی ذہانت و فطانت، امانت و دیانت، کامل فرمانبرداری ہی اسکی دشمن بن جاتی ہے۔ ایاز کی بھی انہی خوبیوں نے اسکے بے شمار دُشمن اور حاسدین پیدا کر دیئے تھے، جن کے دلوں میں اِس کے لئے نفرت و کدُورت کُوٹ کُوٹ کر بھری تھی۔ دوسری طرف سلطان محمود، ایاز پر ہی اعتبار کرتا اور اسے اپنے بہت قریب رکھتا تھا۔

ایک دن ایک آدمی نے سلطان محمود سے پوچھا کہ جناب آپ ایک ادنیٰ غلام ایاز کو تیس امیروں کے برابر کیوں سمجھتے ہیں؟ ہم سب کو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ اکیلے ایاز میں کیسے تیس آدمیوں کی عقل و دانشمندی ہو سکتی ہے؟

سلطان محمود اس وقت خاموش رہا اور کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ دن بعد سلطان نے شکار کے ارادے سے اپنے تیس امیروں کو ساتھ لیا اور جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک قافلہ نظر آیا تو سلطان نے اپنے ایک امیر کو حکم دیا کہ وہ اس قافلے کے پاس جائے اور ان سے پوچھ کر آئے کہ وہ کہاں سے آئے ہیں؟ امیر اس قافلے کے پاس گیا اور تھوڑی دیر بعد واپس آکر بتایا کہ ''قافلہ شہر سے آرہا ہے۔'' سلطان نے پوچھا کہ ''قافلے والوں نے جانا کہاں ہے؟ امیر اس سوال کا جواب نہ دے سکا کیونکہ اس نے قافلے سے یہ بات معلوم ہی نہ کی تھی۔

پھر سلطان نے دوسرے امیر کو بھیجا کہ وہ معلوم کر کے آئے قافلے کی منزل کہاں ہے؟ دوسرا امیر کچھ دیر میں جواب لے آیا کہ ”قافلہ یمن جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔“ سلطان نے پوچھا ”ان کے پاس سامانِ سفر کیا کیا ہے؟“ امیر جواب نہ دے سکا کیونکہ اس نے یہ قافلے والوں سے پوچھا ہی نہ تھا۔

سلطان نے پھر تیسرے امیر کو روانہ کیا کہ ”دیکھ کر آؤ ان کے پاس کتنا سامان ہے۔“ امیر فوراً معلوم کر آیا کہ ان کے پاس ضرورت کا ہر سامان موجود ہے۔ سلطان نے دوبارہ پوچھا کہ ”قافلہ شہر سے روانہ کب ہوا تھا؟“ امیر نے شرمندگی سے سر جھکا لیا کیونکہ اس نے یہ معلوم ہی نہ کیا تھا۔

مختصر یہ کہ سلطان نے اپنے تمام امیروں کو قافلے کے پاس بھیجا اور وہ سب ایک ایک سوال کا ہی جواب لاتے، قافلے سے مکمل معلومات حاصل کرنے کی کسی نے زحمت نہ کی۔ سب کے سب ناقص العقل ثابت ہوئے۔ سلطان نے ان سب امیروں سے کہا ”تم لوگوں کو اعتراض تھا کہ میں نے ایاز کو تم سب کے برابر رُتبہ کیوں دے رکھا ہے؟ میں تب تو خاموش رہا تھا، مگر میں اب جواب دوں گا۔ میں نے تم سب سے چھپ کر ایاز کو پہلے قافلے کے پاس بھیجا تھا اور جن تیس سوالوں کا جواب تم سب باری باری تیس چکروں میں لے کر آئے ہو، ایاز ان تیس سوالوں کا جواب ایک ہی مرتبہ میں لے آیا تھا۔ اب تم سب کو معلوم ہوا کہ ایاز کو اتنی قدر و منزلت کیوں حاصل ہے؟“

یہ سُن کر سب امیر شرمندہ ہو گئے اور اپنے کیئے کی معافی مانگی اور کہا ”بلاشبہ ہم ایاز کی برابری نہیں کر سکتے۔ اس کی ذہانت و فطانت خداداد صلاحیتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاند کو حسن اور مٹی کو سُوندھی سُوندھی خوشبو عطا کی ہے۔

درسِ حیات:

☆ سو سُنار کی ایک لوہار کی۔

حکایت نمبر ۹۱:

توکل کی آزمائش

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا ارشادِ مبارک ہے کہ "تُو اللہ سے رزق مانگے یا نہ مانگے، تیرے نصیب کا رزق تیرے پاس دوڑا چلا آئے گا۔"

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا یہ ارشادِ مبارک جب ایک زاہد و عابد شخص نے سنا تو اس نے سوچا کہ اس ارشادِ اقدس کو آزمایا جائے۔ وہ اپنا گھر چھوڑ کر ایک سنسان بیابان میں چلا گیا۔ جہاں نہ پانی تھا اور نہ ہی کچھ کھانے کو تھا۔ وہ ایک پہاڑی کے دامن میں تھوڑی سی جگہ بنا کر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ اللہ مجھے یہاں کس طرح رزق عطا فرمائے گا؟

ابھی اسے وہاں لیٹے کچھ ہی دیر گزری ہوگی کہ ایک قافلہ بھول کر اُدھر آنکلا۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ یہ آدمی پہاڑی کے دامن میں دنیا و مافیہا سے بے خبر یہاں پڑا ہے۔ انہیں بہت حیرانی ہوئی کہ اس شخص کو کسی جانور کا خوف بھی نہیں ہے؟ معلوم نہیں زندہ بھی ہے کہ نہیں۔ قافلے میں سے ایک آدمی نے قریب آکر اسے ہلایا جُلایا مگر وہ جان بوجھ کر نہ اُٹھا، بلکہ ہلکی سی جنبش بھی نہ کی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر قافلے والوں کو اس پر بہت ترس آیا۔ وہ سمجھے کہ یہ بہت دنوں کا بھوکا پیاسا یہاں پڑا ہوا ہے اور مارے نقاہت و کمزوری کے اسکا یہ حال ہوگیا ہے۔ انہوں سے اسکے کھانے کا انتظام کیا اور نوالے بنا بنا کر اسکے منہ میں ڈالنے کی کوشش کی مگر اُس نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے ارشادِ مبارک کی سچائی جاننے کے لئے منہ زور

سے بھینچ لیا۔

قافلے والے اسے کھانا کھلانے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔ وہ سمجھے کہ یہ بھوک کی وجہ سے موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ اگر کچھ نہ کیا گیا تو یہ مر جائے گا۔ قافلے میں ایک عقلمند شخص بھی تھا۔ اس نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ چھری کی مدد سے منہ کھول کر نوالے منہ میں ڈالے جائیں۔ عابد و زاہد شخص نے جب چھری کا سنا تو ڈر گیا۔ مارے خوف کے فوراً منہ کھول دیا۔ اُن لوگوں نے اسے کھانا کھلانا شروع کیا اور تب تک کھلاتے رہے جب تک وہ حلق تک نہ بھر گیا۔ اس عابد و زاہد شخص نے اپنے دل سے کہا "اے دل! اگرچہ میں اپنے جسم کو بیجان کئے لیٹا ہوں مگر حقیقت تو تجھ پر ظاہر ہو گئی ناں؟

دل نے جواب دیا "ہاں! میں نے فقط یہ آزمائش اس لئے کرائی کہ تُو کبھی توکل سے منہ نہ موڑے۔ یاد رکھنا لالچ و ہوس تو بالکل گدھا پن ہے۔" اس کے بعد اُس شخص نے توبہ کر لی اور مان گیا کہ ہر کسی کو اپنے اپنے نصیب کا رزق مل کر رہتا ہے۔

درسِ حیات:

☆ دانے دانے پہ لکھا ہے کھانے والے کا نام!

حکایت نمبر۹۲:

خزانے کا خواب

ایک دفعہ ایک آدمی کا امیر رشتہ دار فوت ہو گیا تو مرنے والے کی تمام دولت و جائیداد اُس کے حصے میں آ گئی۔ چونکہ اتنی ساری دولت بالکل غیر متوقع طور پر اسے ملی تھی اور اس سے قبل اُس نے اتنی دولت دیکھی نہیں تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اسے اتنی دولت مل سکتی ہے اور چونکہ یہ دولت اسے میراث میں ملی تھی اس لئے اسے دولت کی قدر نہ تھی۔ اُس نے بہت سے فضول کاموں میں اور خوب عیاشی میں تمام کی تمام دولت خرچ کر دی اور کچھ ہی عرصے میں بالکل خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ گیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ ''اے میرے پروردگار! تُو نے جو کچھ مجھے عطا کیا تھا وہ سب کا سب ختم ہو گیا ہے۔ اب یا تو مجھے زندگی گزارنے کے لئے سامان عطا کر یا فرشتۂ اجل کو بھیج کر مجھے اس جھنجھٹ سے آزادی دلا۔''

دُعا کے ساتھ ساتھ اس نے بہت گریہ وزاری اور سینہ کوبی کی۔ اصل میں اسے ایسے مال کی خواہش تھی جو بغیر محنت کے حاصل ہو اور چونکہ اللہ سے مانگنے والا کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ لٰہذا ایک رات اس شخص نے خواب میں ایک فرشتے کو دیکھا جو اسے کہتا ہے کہ ''اے خوش بخت! یہاں پر تم کیا کرتے ہو؟ اللہ نے تمہاری فریاد سُن لی ہے' مصر میں ایک خزانہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ فلاں بستی کے فلاں مکان میں خزانہ دفن ہے۔ تم فوراً مصر

پہنچو۔"

یہ خواب دیکھ کر اس غریب آدمی کی جان میں جان آئی۔ بڑی ہمت باندھی اور بڑی مشکلیں برداشت کرتے ہوئے مصر پہنچا اور پہنچتے ہی خالی ہاتھ ہو گیا کیونکہ جو کچھ اس کے پاس تھا وہ سب خرچ ہو گیا۔ اسے بھوک بھی شدید لگی تھی مگر جیب میں ایک پیسہ تک نہ تھا۔ جب بھوک برداشت سے باہر ہو گئی تو وہ بھیک مانگنے کا سوچنے لگا۔ شرم تو اسے بہت آئی مگر بھوک نے اس قدر بدحواس کر ڈالا کہ وہ بے بس ہو گیا۔ یہی سب سوچتے ہوئے وہ باہر نکلا اور ہچکچاتے ہوئے پھرنے لگا۔ مگر کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلا سکا۔

اس زمانے میں شہری لوگ چوروں سے بہت تنگ تھے۔ رات کے گھپ اندھیرے میں چوروں کی سرگرمیاں بڑھ جاتی تھیں۔ اسی لئے رات کے وقت کوتوال بھی سپاہیوں کے ساتھ گشت کیا کرتا تھا۔ خلیفۂ وقت کا یہ حکم تھا کہ کسی بھی مشکوک آدمی کو دیکھو تو اسکے ہاتھ کاٹ ڈالو چاہے وہ کوئی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ کئی لوگوں سے کوتوال کی شکایات ملنے پر خلیفہ نے کوتوال کو حکم دیا کہ چند دنوں کے اندر اندر سب ڈاکوؤں اور چوروں کو پکڑا جائے ورنہ اُن کے کئے کی سزا اسے دی جائے گی۔ کوتوال نے سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا جو شہر کے گلی کُوچوں میں گشت کرتی رہتی۔ چور یہ دیکھ کر ڈر گئے اور کسی میں باہر نکلنے کی ہمت نہ رہی۔

یہ آدمی جو بغداد سے چل کر مصر آیا تھا۔ ان سب حالات سے بے خبر تھا۔ اسی لئے رات کے اندھیرے میں بھوک سے بے بس تھا کہ کوتوال نے آکر پکڑ لیا اور خوب مار پیٹ کر پوچھا "تُو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ اور اِس وقت شہر میں کیوں پھر رہا ہے؟' اس شخص نے روتے ہوئے جواب دیا "مجھے مت مارو، میں تمام حقیقت سے تمہیں آگاہ کرتا ہوں۔" کوتوال نے اسے ڈپٹ کر کہا "لگتا ہے تُو اس شہر کا نہیں ہے کسی اور علاقے کا بدمعاش ہے۔ جلدی سے سچ بتا ورنہ تیرا ہاتھ کاٹ دوں گا۔" اُس نے قسمیں کھاتے ہوئے کہا "میں ڈاکو یا چور نہیں ہوں، میں تو ایک مسافر ہوں، بغداد میں میرا گھر ہے۔" یہ کہنے کے ساتھ ہی اس نے اپنے خواب اور خزانے کی پوری بات اسے بتا دی۔

کوتوال حیران ہو کر بولا "ارے بیوقوف! چل میں مان لیتا ہوں کہ تُو چور نہیں

ہے۔ مگر تُو صرف ایک خواب پر اپنی لالچ کے باعث جان جوکھوں میں ڈال کر بغداد چلا آیا۔
اب میری بات سُنو۔۔۔۔۔۔ تجھے بغداد میں رہ کر مصر کا خزانہ دکھائی دیا اور میں نے مصر میں
رہ کر بغداد کے فلاں محل اور فلاں مکان میں خزانہ دیکھا۔ بلکہ میں نے یہاں تک دیکھا کہ
اس مکان کے کس حصے میں خزانہ دفن ہے۔ لیکن میں نے آج تک مصر سے نکلنے کی ہمت نہ
کی۔ میرا دل مجھے کہتا تھا کہ مجھے کس چیز کی کمی ہے۔ میرا خزانہ تو یہاں میرے گھر میں ہے
اور میں اپنے اسی خزانے پر آرام سے بیٹھا ہوا ہوں۔"

اس آدمی نے کوتوال کی یہ باتیں سنیں تو خوشی سے پاگل ہو گیا۔ سارا دکھ جاتا رہا
اور سوچنے لگا کہ اس قدر مار کھانے کے بعد نعمت کا ملنا لازم تھا۔ اصل خزانہ تو میرے ہی گھر
میں دفن ہے۔ کوتوال نے اپنے خواب میں جس محلے اور مکان کا ذکر کیا تھا وہ اسی شخص کا
مکان تھا۔ وہ کوتوال کا شکر ادا کرنے لگا کہ اس کی وجہ سے عجیب و غریب دولت ہاتھ آئی۔
اس کے بعد وہ شخص سجود و رکوع کرتا اور حمد و ثنا کرتا ہوا مصر سے واپس بغداد روانہ ہو گیا۔

درسِ حیات:

☆ لالچ بری بلا ہے۔

حکایت نمبر۹۳:

جامِ عشق

رشتے داروں اور دوست واحباب نے مجنوں سے کہا کہ لیلیٰ تو ایک عام سی معمولی شکل وصورت والی لڑکی ہے جس پر تم مرمٹے ہو۔ ایسی تو ہزاروں عورتیں ہیں اگر تم مانو تو تمہاری شادی کے لئے اس سے بہتر حسنِ صورت اور حسنِ سیرت والی لڑکی ہم لے آئیں گے، تم خود بھی اس عذاب سے چھوٹ جاؤ گے اور تمہارے عزیز واقارب بھی اس ندامت سے بچ جائیں گے۔ تمہارے اس عشق کے جنون سے ہم سب پریشان ہیں۔ جامِ عشق کا متوالا جب سب کی باتیں سُن چکا تو یوں گویا ہوا......صورت ایک پیالہ ہے اور حسن شراب ہے تم ظاہر بیں تو پیالے کو دیکھتے ہو۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عزوجل نے شرابِ حسن کو تم سے پنہاں کر دیا ہے۔ ورنہ تم سب لیلیٰ کے عشق میں گرفتار ہو جاتے، مجنوں کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں یہ کارساز قدرت کی کرشمہ سازی ہے کہ ایک ہی پیالہ سے کسی کو شہد، کسی کو دودھ، کسی کو زہر اور کسی کو تریاق پلا رہا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت ایک جام کی سی تھی والد اس سے جلوۂ الٰہیہ اور بھائی اس سے زہر پیتے تھے۔ زلیخا نے شکر کا شربت اسی پیالہ سے پیا۔ جامِ عشق غیب کی چیز ہے اور پیالہ اس جہاں کا ہے۔ کسی کے لئے یہ جامِ امرت ہے۔ کسی کیلئے زہر ہے۔ یہ اپنی اپنی طبیعت اور دلوں کے سودے ہیں۔ جو جس کے نصیب میں ہوتا ہے اسے مل جاتا ہے۔

درسِ حیات:

☆ عشق ایک ایسا جام ہے جس میں ع

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

حکایت نمبر ۹۴:

جنونِ عشق

لوگوں نے مجنوں کو دیکھا کہ اس نے ایک کتے کو گلے سے لگایا ہوا ہے اور اس کی بلائیں لے رہا ہے اس سے خوب پیار کر رہا ہے اس کے پاؤں کو چوم رہا ہے۔

دردِ عشق سے ناآشنا ایک آدمی نے جب یہ ماجرا دیکھا تو لگا تاویلیں کرنے۔

"ارے دیوانے یہ کیا کر رہے ہو......؟ یہ کیا مذاق ہے یہ کتا تو ناپاک اور پلید ہے۔ دن رات گندی جگہ میں منہ مارتا رہتا ہے تُو اسے کیوں چُوم رہا ہے؟ عیب پر نگاہ رکھنے والا غیب پر مطلع نہیں ہونے پاتا۔"

اس کے یہ اعتراضات سن کر مجنوں نے جواب دیا:

"اے شخص تُو ظاہری شکل پر جاتا ہے۔ ذرا گہرائی میں اتر اور اس کتے کو میری آنکھوں سے دیکھ یہ میرے محبوب کی گلی کا کتا ہے۔ ذرا اس کی نگاہِ انتخاب تو دیکھ بلکہ تُو اسے داد دے کہ اس نے کیسا مقام پسند کیا ہے۔ یہ میرا پیارا اور ہمدرد ہے۔ یہ لیلیٰ کی گلی کا چوکیدار ہے۔ جو کتا لیلیٰ کی گلی کا رہنے والا ہو اس کے پیروں کی خاک مجھے شیروں سے بھی بہتر لگتی ہے۔ شیر تو لیلیٰ کی گلی کے کتے کے غلام ہیں۔ کاش! تُو میرے قلب کی کیفیت سے آگاہ ہوتا۔ یہ راز زبان سے ظہور پذیر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اے مخاطب خاموشی بہتر ہے۔"

درسِ حیات:

☆ لوگ اگر اس صورت پرستی سے آگے دیکھیں اور ان صورتوں کے خالق کی طرف متوجہ ہوں جو حسن کا اصل سرچشمہ و مرکز ہے تو دُنیا ہی سے جنت کا لطف و نظارہ شروع ہو جائے۔

حکایت نمبر ۹۵:

راستہ عشق

دل کو کسی گھڑی چین نہیں آ رہا تھا۔ مجنوں اُونٹنی پر سوار ہوا اور لیلیٰ کی بستی کی طرف چل دیا۔ لیلیٰ کے خیال میں مستغرق ہو گیا اور ہاتھ سے اُونٹنی کی مہار کی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔ اُونٹنی نے لیلیٰ کی بستی کی طرف چلنے کی بجائے فوراً اپنا رخ مجنوں کے گھر کی طرف کر لیا۔ کیونکہ گھر میں اس اُونٹنی کا بچہ تھا۔ جس کی محبت اس کو بے چین کیے ہوئے تھی۔ جب مجنوں کو عالمِ بے خودی سے افاقہ ہوا تو یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جہاں سے چلا تھا پھر وہاں ہی آ پہنچا۔ پھر دوبارہ اونٹنی کو لیلیٰ کے گھر کی طرف چلنے پر مجبور کیا آدھا راستہ طے ہو گیا مجنوں پر پھر لیلیٰ کا خیال غالب آیا اور بے خودی طاری ہو گئی مہار کی گرفت جب ڈھیلی ہوئی اونٹنی پھر پیچھے بھاگ آئی۔ متعدد بار راستے میں اسی طرح ہی ہوتا رہا مجنوں جب ہوش میں آتا تو خود کو وہیں پاتا جہاں سے چلا تھا۔ لیلیٰ کی یاد میں جب دل زیادہ بے چین ہو گیا تو اونٹنی کو پھر لیلیٰ کی نگری کی طرف چلنے پر مجبور کیا۔ تھوڑی دیر بعد لیلیٰ کی یاد میں پھر بے خودی کا عالم طاری ہو گیا۔ اُونٹنی پھر پیچھے بھاگ آئی۔ گھر کے قریب مجنوں کو ہوش آیا تو یہ منظر دیکھ کر اسے غصہ آ گیا اور کہنے لگا میری لیلیٰ تو آگے ہے اور تیری لیلیٰ پیچھے، (یعنی بچے کی محبت) تجھے پیچھے بھاگنے پر مجبور کر دیتی ہے اس طرح یہ راستہ عشق طے نہیں ہو سکتا اور میں اپنے محبوب کی منزل تک تمام عمر نہ پہنچ سکوں گا، مجنوں نے اوپر سے ہی چھلانگ لگا دی نیچے گرتے ہی زخمی ہو گیا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

درسِ حیات:

☆ انسانی جان صاحبِ عرش وفرش محبوبِ حقیقی کی جدائی میں فاقہ زدہ ہے۔ وہ اسے ملنے کی خواہش رکھتی ہے۔ جب کہ یہ خاکی بدن عیش وعشرت کی جستجو میں مثل اونٹنی کے سمتِ مخالف کو جاتا ہے۔ لیلیٰ ایک انسان ہے جس کے عشق میں مجنوں اس قدر کھویا ہوا ہے، اور اسے ملنے کے لئے تن من کی بازی لگا رہا ہے اور ہم اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشقین کہلاتے ہیں۔ ہمیں اپنے قول وفعل کے ذریعے زیادہ عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

حکایت نمبر ۹۶:

غمِ عشق

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفیٰ ﷺ!
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاس الکرام

عاشقوں کی ہر ادا نرالی ہوتی ہے جب یادِ محبوب ستاتی ہے تو دیوانگی میں کیا کچھ کرنے لگ جاتے ہیں، مجنوں تپتے صحرا میں بیٹھا انگلیوں سے ریت پر بار بار لیلیٰ لکھ رہا تھا۔ کسی نے مجنوں کی یہ ادا دیکھ کر پوچھا ارے دیوانے! یہ خط کس کے لئے لکھ رہے ہو۔ مجنوں نے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آنکھیں اوپر اٹھائیں اور کہا لیلیٰ کی جدائی کا غم ستا رہا ہے۔ اس لئے اس کا نام بار بار لکھ رہا ہوں۔ اس طرح محبوب کا نام لکھنے سے دلِ فرقت وغمزدہ کو تسلی دے رہا ہوں۔ لیلیٰ کا عشقِ مجازی تو یہ اثر دکھا دے تو مولیٰ کا عشقِ حقیقی کب لیلیٰ کے عشق سے کم ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہمیں بھی اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی محبت میں اپنے قول وفعل کے ذریعے کردار ادا کرنا چاہیے۔

درسِ حیات:

میں نے جب لکھنا سیکھا تھا
پہلے تیرا نام لکھا تھا

حکایت نمبر ۹۷:

تکمیلِ عشق

لیلیٰ کی یاد میں مجنوں کی مجذوبیت......اس کے عشق میں مرمٹنا اور کیف و مستی میں کھویا رہنا......لیلیٰ کا نعرۂ مستانہ لگانا اور اس کی یاد میں دیوانگی اور وارفتگی کو محبوب رکھنا مجنوں کا روزمرہ کا کام تھا۔

لیلیٰ سے خلیفۂ وقت نے پوچھا:

''سبحان تیری قدرت تو کیا چیز ہے کہ تیرے عشق میں مجنوں پاگل ہو گیا ہے تُو دوسری خوبصورت عورتوں سے کچھ بھی تو امتیازی صفت نہیں رکھتی پھر یہ مجنوں کیوں دیوانہ ہے؟''

لیلیٰ نے جواب دیا: ''اے خلیفۂ خاموش!''

''کیونکہ تُو مجنوں نہیں''

''اے خلیفہ اگر مجنوں کی آنکھیں تجھے بھی نصیب ہو جائیں تو دونوں جہان سے تُو بھی بے نیاز اور بے خیال ہو جاتا۔ اے خلیفہ تُو خودی میں مبتلا ہے لیکن مجنوں کو میرے عشق نے بے خودی عطا کی ہے، راہِ عشق میں بے ہوشی مفید اور ہوش مضر ہے۔''

درسِ حیات:

☆ محبوب سے باہوش اور غیروں سے بے ہوش اور بے خبر ہونا ہی تکمیلِ عشق کی علامت ہے۔

نصائح رُومی رحمۃ اللہ علیہ

☆ ایسے دِکھو جیسے تم ہو......یا......ایسے رہو جیسے تم دِکھتے ہو۔

☆ دوست وہ ہے جو تمہیں اس وقت پسند کرے جب تم کچھ بھی نہ ہو۔

☆ گفتگو سے سمجھ بوجھ میں اضافہ ہوتا ہے لیکن تنہائی وہ مدرسہ ہے جہاں عظیم ذہن بنتے ہیں۔

☆ دُشمن ہمیشہ دماغ کے منتخب کرو اور دوست ہمیشہ کردار کے۔

☆ دوستی کی کشتی میں پہلا سوراخ شک کا ہوتا ہے۔

☆ وفا ایک ایسا دریا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔

☆ اگر ہماری جان یادِ خدا میں بیدار نہیں تو یہ بیداری ہمارے لئے قید خانہ ہے۔

☆ زندگی کے لمحات کو غنیمت جانو!......بہت جلد یہ تم سے چھِن جائیں گے۔

☆ جہاز میں اسباب بھرو اور روانہ ہو جاؤ کیونکہ اس بات کا کسی کو علم نہیں ہوتا کہ جہاز بیچ سمندر ڈوبے گا یا ساحل پر جا پہنچے گا۔ باخبر لوگ کہتے ہیں: ''ہم اس وقت تک کچھ نہیں کریں گے جب تک ہمیں یقین نہ ہو جائے'' لیکن اس بات کو تاجر اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر وہ کچھ نہیں کریں گے تو نقصان اٹھائیں گے لہٰذا ان تاجروں میں اپنا شمار مت کرو جو سمندر کے خطرات کا خدشہ نہیں مول لیتے۔

☆ جب آپ کوئی کام رُوح کی گہرائیوں سے کرتے ہیں تو آپ اپنے جسم و جاں میں لطف وانبساط کا ایک دریا رواں محسوس کرتے ہیں۔

☆ جب خدا ہماری مدد کرنا چاہتا ہے تو ہمیں انکساری کی طرف مائل کر دیتا ہے۔

☆ محبت کی تلاش آپ کا ہدف نہیں بلکہ آپ کا ہدف ان رکاوٹوں کو تلاش کرنا ہے جو

آپ نے اس جذبے کے خلاف کھڑی کر لی ہیں۔

- ☆ ہر فرد موت سے خوف زدہ ہے لیکن حقیقی صوفی اس پر قہقہہ لگاتا ہے۔ کوئی چیز ان کے دِلوں کو تکلیف نہیں پہنچا سکتی کیونکہ سیپ سے خواہ کچھ بھی ٹکرائے موتی کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا۔
- ☆ صرف رسمی تعلیم کا مقصد رُوحوں کو تباہ کرنا ہے۔
- ☆ اگر تُو غرور کو اپنے سر سے نہیں نکالے گا تو بعد میں آنے والے لوگ تیرے حال سے عبرت حاصل کریں گے۔
- ☆ ہستی کا آئینہ فنا ہے۔ فنا اختیار کر، تاکہ تُو ہستی کو دیکھ لے۔
- ☆ مال و دولت کی فراوانی مزید کی خواہش کو جنم دیتی ہے اور لوگ ان خواہشات سے چپک کر رہ جاتے ہیں۔ یہ خواہشات غربت کے ڈر سے مزید کا لالچ پیدا کر دیتی ہیں۔
- ☆ جب پیاس کے وقت آپ پیاس بجھانے کیلئے پیالے پر جھکتے ہیں تو اس میں اللہ نظر آتا ہے لیکن جنہیں اللہ سے محبت نہیں اُنہیں صرف اپنا ہی چہرہ نظر آتا ہے۔
- ☆ بعض اوقات دوست دُشمن اور دُشمن، دوست بن جاتے ہیں۔
- ☆ اگر تمہاری انا تمہاری رہنما ہے تو پھر مدد کیلئے قسمت کی طرف مت دیکھو، دِن کو تم سوئے رہتے ہو اور راتیں مختصر ہیں۔ ممکن ہے جب تم جاگو تو زندگی کی شام ہو چکی ہو۔
- ☆ جس خوبصورتی سے ہم پیار کرتے ہیں اس خوبصورتی کو اپنے عمل میں ڈھال لینا چاہیے۔
- ☆ عاشق کو بے توقیر، جنونی، غائب دماغ ہی رہنے دو، کوئی سنجیدہ بدترین صورتِ حال کے بارے میں سوچ لے گا۔ عاشق کو یونہی رہنے دو۔
- ☆ اپنے آپ خاموشی کے ساتھ اس بھرپور کشش کی جانب کھنچنے دو جس سے تم حقیقی پیار کرتے ہو۔
- ☆ بہت سے لوگ آگ سے بچنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور انجامِ کار اسی میں

جا گرتے ہیں۔

☆ میرے دوست! صوفی تو موجود لمحے کا ہی دوست ہوتا، کل کی بات کرنا ہمارا طریق نہیں۔

☆ بلبل کو اس کی سریلی آواز اور میٹھے گیت کیلئے پنجرے میں قید کر دیا جاتا ہے، کیا کسی نے سنا ہے کہ کبھی کسی نے کوے کو پنجرے میں ڈالا ہو۔

☆ ایک اجنبی ہونے کے باوجود آپ دن بھر جنونی قسم کی محبت کے الفاظ سنتے ہیں۔ شہد کی مکھی کی طرح تم بھی سیکڑوں گھر شہد سے بھر لیتے ہو اگرچہ تمہیں یہاں سے ایک لمبی اُڑان بھر جانا ہے۔

☆ کوئی آئینہ دوبارہ لوہے میں نہیں بدلتا، روٹی دوبارہ گندم نہیں بنتی، پکا ہوا انگور پھر سے کھٹا نہیں ہو جاتا۔ اِسی طرح اپنے آپ کو بالغ بنا لو اور بری تبدیلی سے محفوظ ہو جاؤ۔ ایک روشنی بن جاؤ۔

☆ صرف دل سے ہی تم آسمان کو چھو سکتے ہو۔

☆ جس طرح تمہارا نورِ ایمان کافروں کی آگ بجھا دیتا ہے اسی طرح شہوت کی آگ کو خدا کا نور بجھا دیتا ہے۔

☆ صبر خوشی کی چابی ہے۔

☆ دُنیادار لوگ اپنے گریباں میں نہیں جھانکتے اس لئے دوسروں پر تہمت لگاتے ہیں۔

☆ اچھا بولنے کیلئے پہلے اچھا سننا ضروری ہے۔ ایک انسان کو پہلے سننا چاہیے اور اسی سے بولنے کا فن سیکھنا چاہیے۔

☆ کھانے کے ایک لقمے میں ایک بال یا ریت کا ذرہ آ جائے تو پورا نوالہ پھینک دیا جاتا ہے پھر تمہاری رُوح کیسے آلودہ غذا برداشت کر سکتی ہے۔

☆ برائی دِل کو تکلیف میں مبتلا کرتی ہے اور سچ سے فرحت بخش طمانیت حاصل ہوتی ہے۔

☆ ذہین خود مختاری اور بچہ مٹھائی چاہتا ہے۔

☆ میانہ روی یعنی درمیانی راہ ہی عقلمندی ہے۔
☆ لازوال خوبصورتی صرف دل کی خوبصورتی ہے۔
☆ پیاس مجھے کھینچ کر نیچے گہرائی میں پانی تک لے گئی جہاں میں نے چاندنی (چاند کا عکس) پی لی۔
☆ جس طرح تارے ریت کی مانند بکھرے ہوئے ہیں ہم بھی اسی طرح گھومتے ہوئے نیست سے وجود میں آئے ہیں۔
☆ عیسائی، یہودی، مسلمان، شمانی، زارستانی، پتھر، مٹی، پہاڑ، دریا ان میں ہر ایک کے ساتھ ایک خفیہ راز منسلک ہوتا ہے ایسا اچھوتا بھید جسے محسوس نہیں کیا جاسکتا۔
☆ حلال لقمہ کے منہ میں آنے سے عبادت کا رجحان اور آخرت میں جانے کا پختہ یقین پیدا ہوتا ہے۔
☆ ہم اندر کی موسیقی کو بہت کم سنتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کی تھاپ پر رقصاں رہتے ہیں۔
☆ تم سائے کو متبادل جسم سمجھ لیتے ہو۔
☆ بھوکا شیر زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔
☆ کوئی چیز ہمارے پر کھولتی ہے۔ کوئی چیز بوریت اور دُکھ پیدا کرتی ہے۔ کوئی ہمارے سامنے رکھا پیالہ بھر دیتی ہے، لیکن ہم صرف تقدس کا ذائقہ چکھتے ہیں۔
☆ وہ اس انسان جیسا ہے جو چراغ لے کر سورج ڈھونڈنے نکلتا ہے۔
☆ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مصائب تنبیہ کرنے کیلئے آتے ہیں، یہ عین رحمت ہوتے ہیں تاکہ تجھے غفلت سے بیداری حاصل ہو۔
☆ میں نے تمام دِن اس پر غور کیا، رات کو اس پر گفتگو کی کہ میں کہاں سے آیا ہوں اور میری تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ مجھے کوئی نکتہ نہ سوجھا، میری رُوح کسی نامعلوم مقام سے آئی ہے مجھے یقین ہے کہ انجام کار یہ پھر وہیں لوٹ جائے گی۔
☆ چراگاہ میں درخت اور پودا ناچتا ہوا دکھائی دیتا ہے جنہیں عام نظریں ساکت و صامت کھڑے دیکھتی ہیں۔

☆ اگر تیرے پاس ڈھال نہیں تو تلوار کے سامنے مت آ کیونکہ تلوار اگر تیز ہو تو یہ کاٹنے سے نہیں شرماتی۔

☆ اپنے اِرد گرد رونما ہونے والی باتوں کا مشاہدہ کرو لیکن ان کا دعویٰ مت کرو، متحرک صناعی قدرت دیکھو اور خاموش رہو۔

☆ یہ دُنیا تمہاری جانوں کا قید خانہ ہے، خبردار اس جانب دوڑو جو خدا کا میدان ہے، اس لئے کہ یہ عالم محدود اور اللہ لامحدود ہے۔

☆ سبب بادشاہ کے سامنے ایک ادنیٰ افسر کی طرح ہوتا ہے جو اس کے سامنے آنے پر بے اختیار ہو کر چھپ جاتا ہے۔ سبب اللہ کی جانب سے ایک سایہ ہے اور اللہ ایک آفتاب۔

☆ سورج کی تعریف دراصل اپنی آنکھوں کی تعریف ہے۔

☆ تم سیکڑوں فواروں سے غٹا غٹ پی رہے ہو اور جب ان میں سے کوئی ایک کم ہو جاتا ہے تو تمہاری خوشی کم پڑ جاتی ہے لیکن جب تمہارے اندر ہی ایک چشمہ پھوٹتا ہے تو دوسرے فواروں کی جانب دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

☆ جب دروازہ کھلا ہوا ہے تو تم اس طرح قید خانے میں کیوں پڑے ہو؟

☆ ڈر کی سوچ اور کشمکش سے باہر نکلو اور خاموشی میں زندہ رہو!

☆ اپنی ہشیاری بیچ ڈالو اور کم فہمی خرید لو!

☆ میں ایک معدنی موت مرا، پھر ایک پودا بن گیا۔ پودا بن کر مرا اور ایک جانور کی صورت میں اُٹھا، پھر جانور کی موت مرا اور اِنسان کے روپ میں جنم لیا، پھر مجھے کس چیز کا خوف ہے؟ موت نے مجھ میں کون سی کمی واقع کی ہے؟

☆ کھرا اور کھوٹا سونا بغیر کسوٹی پر پرکھے قابل اعتبار نہیں۔

☆ ہوسکتا ہے اطمینان میرے دُور چلے جانے میں ہو اور جب میں جا کر واپس لوٹوں گا تو اسے اپنے گھر میں پالوں گا۔

☆ ہم پیاسا ہونے اور پانی کی پکار کی جانب بڑھنے سے اپنے آپ کو روک نہیں سکتے۔

☆ ہر کوئی اپنے دل کے صاف حصے میں اس اَن دِکھے کو دیکھتا ہے اور اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس نے اپنے دل کے آئینے کو کس قدر چمکا رکھا ہے۔ جس نے اسے زیادہ چمکا رکھا ہے اسے زیادہ نظر آتا ہے اور اسے اس اَن دِکھے کی زیادہ شکلیں واضح ہو کر نظر آتی ہیں۔

☆ اصل فقیر ہمیشہ شریعتِ محمدی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا پابند ہوتا ہے کیونکہ شریعت کی پابندی کے بغیر شریعت عین مکّاری ہے۔

☆ ابد نے اپنی طاقتور نگاہوں سے ایک لمحے کیلئے مجھے دیکھا اور پھر اپنے وجود میں سمولیا اور وہ اپنے جوہر میں مجھ پر عیاں ہو گیا میں نے دیکھا کہ میرا وَجود اِس میں باقی ہے۔

☆ اپنے امتیاز اور انفرادیت کے شعلے سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی دانشمند کی زیارت کی جائے۔

☆ میں تمہاری روشنی میں محبت کرنا سیکھتا ہوں۔ تمہاری خوبصورتی میں غزل کہنا سیکھتا ہوں۔ تم میرے سینے میں رقص کرتے ہو، جہاں تمہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

☆ خاموشی اللہ کی زبان ہے اور اس کے علاوہ سب کچھ ایک کمزور ترجمے کی حیثیت رکھتا ہے۔

☆ اہل علم کا علم انہیں اُٹھاتا ہے اور اہل تن کے علوم ان کیلئے بوجھ ہیں۔

☆ ایک دِن تم میرا دِل پوری طرح سے لے لو گے اور اسے ایک اژدھے سے زیادہ خطرناک بنا دو گے۔ تمہاری آنکھیں میرے دل پر وہ غزل لکھیں گی جسے کسی شاعر کا قلم کبھی نہیں لکھ سکتا۔

☆ اس سے زیادہ خوش قسمت کون ہو سکتا ہے جو ایک جھیل کنارے آتا ہے اور پانی میں چاند کا عکس دیکھ لیتا ہے۔

☆ کیا تم نے اپنے چہرے کی خوبصورتی دیکھی ہے؟ اس خیال کو اپنے دل سے نکال دو جو تمہیں خود سے جنگ پر مجبور کرتا ہے۔

☆ اب میں سنجیدہ و متین ہوں، صرف تکان اور پیار کی یاد باقی رہ گئی ہے۔

☆ زمین آسمان کے آگے سرنگوں ہے اور اس کی طرف سے جو کچھ آتا ہے قبول کرتی ہے۔ مجھے بتاؤ! کیا زمین اسی طرح دینے کی وجہ سے بری ہے؟

☆ محبت کو دیکھو! یہ پیار میں مبتلا ہونے والے کو کس طرح جکڑ لیتی ہے۔

☆ درویشوں کے علاوہ دُنیا کے باقی لوگ بچوں کی مانند ہیں جو دُنیا کے کھیل میں مگن ہیں۔

☆ اگر تُو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں سے ہے تو پھر جستجو میں رہ!...... دِل کی آگ اور آنکھ کے پانی سے اپنی رُوح کی غذا تیار کر!

☆ میں ایک حقیر کیڑے کی مانند تھا لیکن اب پہاڑ ہو گیا ہوں۔ مجھے پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا لیکن تُو نے میری بھوک اور غصے کا علاج کیا اور مجھے خوشی کے نغمے گانے والا شاعر بنا دیا۔

ترجمہ و انتخاب:

انجم سلطان شہباز☆

ایم۔اے

☆ حال ہی میں انجم سلطان شہباز صاحب نے ترکی کے مشہور و معروف سکالر ''ہارون یحییٰ'' کی نایاب کتاب ''اینڈ آف ٹائم'' کا ترجمہ کیا ہے۔ جسے پہلی دفعہ اُردو زبان میں شائع کرنے کی سعادت ''بک کارنر، جہلم'' کو حاصل ہے۔ اِس کتاب کو ملک کے کئی اخبار و جرائد نے سراہتے ہو لکھا ہے:

''بے حد خوبصورت، رنگین نایاب تصاویر کے ساتھ یہ کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک عرصے کے بعد ایسی اچھی کتاب دیکھنے کو ملی ہے۔ کتاب کی ضخامت اور دِلکشی، مجلد کے ساتھ اس کی قیمت چار سو پچاس روپے چنداں زیادہ نہیں۔ اہل دِل اور اہل نظر قارئین اس کتاب سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب ضرور پڑھئے!، دوسروں کو تحفہ میں دیجئے!، گھر کی زینت بنایئے!، ایسی خوبصورت کتاب سے ضرور فائدہ حاصل کریں۔ اس کا بھی اجر ہی اجر اور ثواب ہے۔''

جانشین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، پیکر صدق ووفا، عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
رفیقِ غار و مزار، خلیفۃ المسلمین، خلیفۂ اوّل، امیر المومنین
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پہلا شایانِ شان تذکرہ
سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آسمان خلافت کے ایک ایسے درخشاں ستارے تھے کہ جو کچھ عرصہ چمک کر اپنی تابندگی کی شعاعیں ابد تک چھوڑ گئے۔ انہوں نے اس قلیل عرصے میں واقعات کا ایسا رُخ بدلا اور وقت کے ریگ زار پر اپنے نقش پا کچھ اس انداز سے چھوڑ گئے کہ قیامت تک آنے والے لوگ ان سے اپنی ہدایت کا راستہ تلاش کرتے رہیں گے۔ آپکی زندگی کے انہی واقعات، حیات و تعلیمات کو مصر کے نامور مصنف محمد حسین ہیکل نے نہایت احسن طریقے سے اِس کتاب میں جمع کیا ہے۔
مصنّف
محمد حسین ہیکل
مترجم
انجم سلطان شہباز
ناشران
بُک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری
بُک سٹریٹ جہلم پاکستان

اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ سے پہلے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ تھی۔ ان کی تعلیمات وہی تھیں جن کا پرچار ان سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کرتے رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات مبارکہ پر غور کیا جائے تو وہ روحانی زندگی کے داعی نظر آتے تھے، ان کی تمام تر مساعی جمیلہ کا مقصد دُنیا میں امن کا قیام تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام دنیا تک پہنچانے کے لئے اپنا تن من دھن لگا دیا لیکن اس عہد کے حکام ان کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتے رہے حتیٰ کہ انہیں شہید کرنے کا منصوبہ بنالیا گیا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھالیا اوران کے قتل کے درپے لوگ دھوکہ میں پڑ گئے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اب ایک مخصوص وقت پر دوبارہ اس دُنیا میں ظاہر ہوں گے اوراس دَور میں فتنہ وفساد مچانے والوں پر فتح یاب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے کی حیات مبارکہ کے بارے میں اُردو زبان میں بہت کم ایسا مواد موجود ہے جسے مستند سمجھا جاسکتا ہے۔ کامران اعظم سوہدروی نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے زیرنظر کتاب تصنیف کی ہے۔ اس میں پوری جامعیت سے بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حسب ونسب کیا تھا؟ اور کن حالات میں مبعوث ہوئے؟ ان میں اوصاف کیا تھے؟ ان پر نازل ہونے والی اناجیل اوران کی تعلیمات کیا تھیں؟ ان کی معجزات کا پوری تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لئے کہاں کہاں کا سفر کیا؟ کون تھے جنہوں نے ان کا ساتھ دیا؟ اور پھر کن اسباب کی بنیاد پر لوگ ان کی جان کے دشمن بن گئے؟ اور پھر وہ کیسے آسمان پر اٹھالئے گئے؟ ان سارے ابواب کو پوری تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ کتاب میں آخری باب میں ان حالات کا ذکر بھی موجود ہے جن کے دوران سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ظہور فرمائیں گے۔ زیرنظر کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں روایات کی صحت کو مدنظر رکھا گیا البتہ دوسرے نقطہ ہائے نظر کو شامل ضرور کیا گیا ہے۔ موجودہ حالات میں کتاب تینوں مذاہب کے ماننے والوں کیلئے نہایت دلچسپی کی حامل ہوگی۔ کتاب کی پروڈکشن دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک نسبتاً چھوٹے شہر میں اس قدر عمدہ صلاحیتوں کے حامل لوگ بھی موجود ہیں۔ "بک کارنر شوروم" اس کیلئے لائق تحسین قرار پاتا ہے۔ (سنڈے ایکسپریس، 31 اکتوبر 2010ء)

بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان

خوبصورت اور معیاری کتابیں
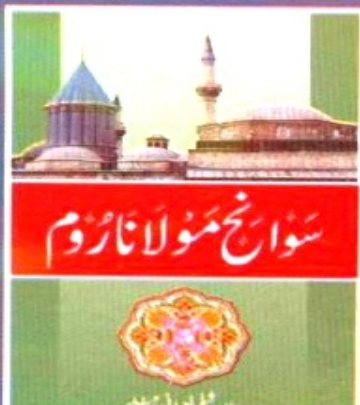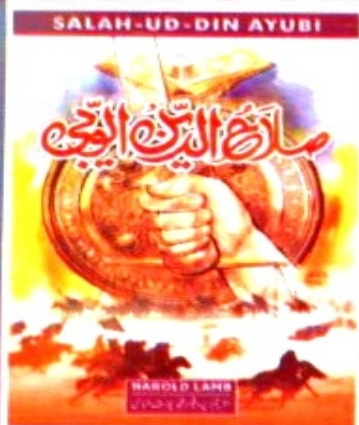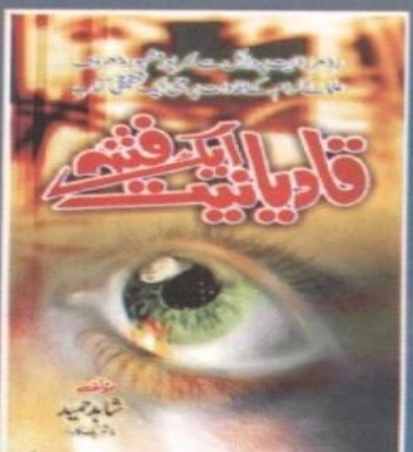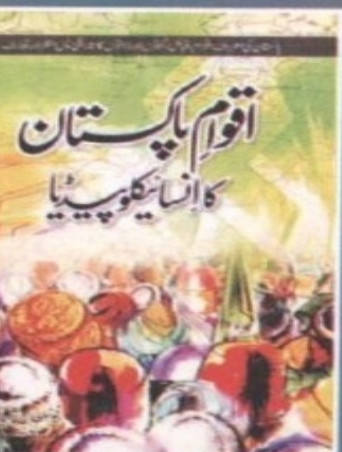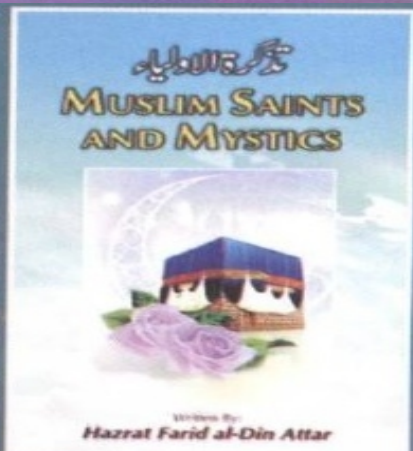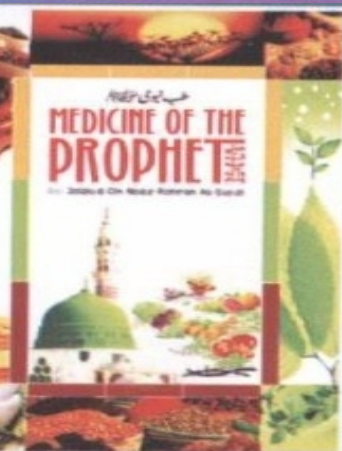
خوبصورت اور معیاری کتابیں
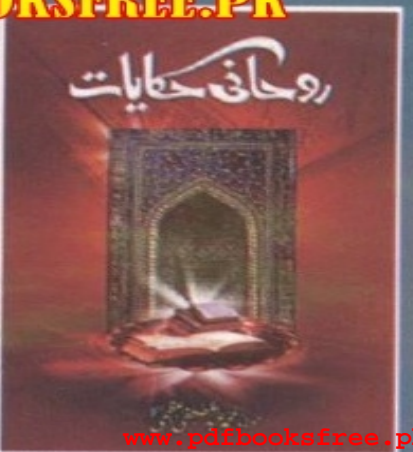
خوبصورت اور معیاری کتابیں

Rs. 300.00